

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا  
اور پھٹ نکلے اس سے بارہ چشمے

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا  
بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا



۱۲ مکمل  
بارہ لہریریں  
مع خطبات

تالیف

خطیب پاکستان علامہ مولانا محمد شریف نوری قدس سرہ

ناشر

گنج شکر اکیڈمی 1242 اکبری منڈی لاہور

مشاکٹ: حامد اینڈ کمپنی  
مدینہ منزل لاہور  
۳۸- اردو بازار

حسین رف

امام حسین - کرامات

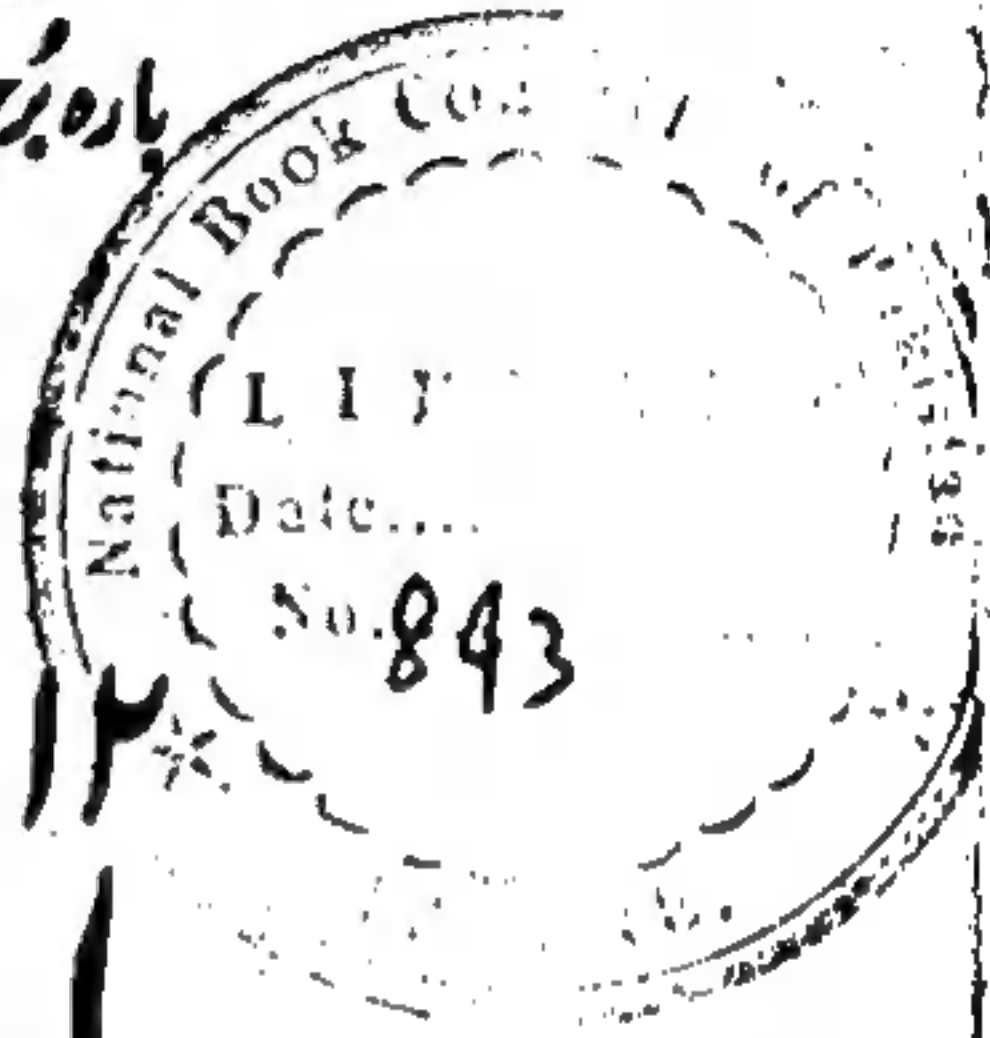
تغائیر -

**DATA ENTERED**



فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا  
اور پھٹ نکلے اس سے بارہ چشمے

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا  
بارہ بڑوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا



مکتل  
بارہ لہریں  
خطبات

تالیف

خطیب پاکستان علامہ مولانا محمد شریف نوری قدس سرہ

ناشر

گنج شکر اکیڈمی 1242 اکبری منڈی لاہور

شاکٹ حامد اینڈ کمپنی  
مدینہ منزل لاہور  
۳۸- اردو بازار

۲۹۷۶۱۲

۲۸۸۳

27521

DATA ENTORNO

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	بارہ تقریریں مع خطبات
مصنف	علامہ محمد شریف نوری رحمہ اللہ تعالیٰ
کاتب	محمد شریف گل
صح	محمد عالم مختار حق
بار اول	ایک ہزار
سن طباعت	۱۹۸۰ء
مطبوع	العلامین پریس - لاہور
قیمت	۲۱ روپے



# فہرست

۴۶	ساتھیوں کا جواب	۲۲	خطبات جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ
۴۸	حضور کی آمد	۲۴	① ماہِ محرم کی تقریر
۴۹	خونی صبح	۲۷	نکتہ
۴۹	لشکرِ اسلام کے نام	۲۸	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
۵۲	کربلا میں امام حسین کی کرامتیں	۳۰	جنت میں لذت نہیں
۵۲	پہلی کرامت	۳۰	شہادتِ علمی
۵۳	دوسری کرامت	۳۱	سواری کتنی اچھی ہے
۵۳	تیسری کرامت	۳۱	امام حسینؑ کے منہ میں لعابِ حضورؐ
۵۴	حضرت حُر کی جاں نثاری	۳۲	ایک غلام کا واقعہ
۵۵	ایک نوجوان کا واقعہ	۳۲	علامہ اقبالؒ کا خراجِ عقیدت
۵۹	علی اکبر کی شہادت	۳۳	شہادت کی خبر
۶۱	علی اصغر کی شہادت	۳۴	مدینہ طیبہ سے جدائی
۶۲	امام حسینؑ میدانِ کارزار میں	۳۵	گوفہ والوں کی دعوت
۶۳	صغریٰ کا خط	۳۹	امامِ مسلم کے قیمتی پتے
۶۴	خط کا جواب	۴۲	امام عالی مقام کی تکرار سے روانگی
۶۵	آخری خطبہ	۴۳	امامِ مسلم کی اٹھارہ سالہ بیٹی
۷۰	آسمان سُرخ ہو گیا	۴۴	پہلی تقریر
۷۱	گوفیوں کا جشن	۴۵	ابنِ زیاد کا آرڈر
۷۲	ایک راہب	۴۵	تین باتیں
۷۳	لشکرِ کوفہ پہنچ گیا	۴۶	نہ فرات پر پہرہ
۷۴	خولی بن یزید کی بیوی	۴۶	ماشورہ کی رات

۹۹	حکایت	۷۵	ابن زیاد کا دربار
۱۰۲	ایک واقعہ	۷۶	سمرقندس کو قہ کے بازاروں میں
۱۰۵	امام حسن بصری	۷۶	دمشق کو روانگی
۱۰۶	ایک مذہبمحرک	۷۶	واقعہ شیریں
۱۰۶	شہنشاہ بغداد کا ارشاد	۷۷	یزید پریشان ہو گیا
۱۰۶	اصف بن برخیا	۷۸	یزید کا دربار
۱۰۷	حرف آخر	۸۰	جامع مسجد دمشق
۱۰۷	مرتبہ علم	۸۱	مدینہ کو واپسی
۱۰۷	مرتبہ ولایت کی مخالفت	۸۲	مدینہ الرسول
۱۰۸	جانور کا مقدمہ	۸۲	روضہ رسول پر حاضری
۱۰۸	باطنی نظام	۸۳	کربلا کا انتقام
۱۰۹	شاہ ابو علی قلندر	۸۵	⑤ ماہ صفر کی تفسیر
۱۱۱	اولیاء کا پانی پر تصرف	۸۷	واقعہ خضر موسیٰ علیہما السلام
۱۱۲	قاروقی عظیم اور نیل	۹۱	سترہ باتیں
۱۱۳	دریائے دجلہ	۹۲	تفصیل
۱۱۴	تشریحی اور تکوینی ولی	۹۲	شہنشاہ جیلاں اور ایک غوث
۱۱۶	غوث بہاء الحق زکریا ملتانی	۹۵	سلطان الہند کا اعتراف
۱۱۶	حضرت موسیٰ آہن گر	۹۶	سبق
۱۱۸	حضرت مجدد الف ثانی	۹۶	عالم اور ولی
۱۱۸	قضاء مبرم	۹۶	فیض حاصل کرنا
۱۱۹	ایک ہرن کا واقعہ	۹۷	امام ابو حنیفہ کی قبر اور خضر
۱۱۹	میراں حسین زنجانی	۹۸	داتا کے مزار پر حاضری
۱۲۰	حضرت میاں شیر محمد صاحب	۹۸	ایک لطیفہ



۱۳۶	نور آدم کے پاس	۱۲۱	ایمان مستم
۱۳۶	انگوٹھے کا چومنا	۱۲۱	حضرت بلال رضی اللہ عنہ
۱۳۹	عجیب رخٹ اور کاہنہ عورت	۱۲۱	بلال ہنتے رہے
۱۴۰	حضرت عبداللہ کے پاس	۱۲۲	علم ولی
۱۴۰	ستر یہودی	۱۲۲	عبدالعزیز دباغ مستربى
۱۴۱	اقم قتال	۱۲۳	بعض اولیا
۱۴۱	نبیوں کی مبارکبادیاں	۱۲۳	بابا بلیے شاہ
۱۴۲	ابرہہ کا حملہ	۱۲۴	ایک فقیر کا واقعہ
۱۴۲	ابرہہ کے ساتھی اور اونٹ	۱۲۴	③ ماہ ربیع الاول کی تفسیر
۱۴۲	ظہور نور	۱۲۸	حُب محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۱۴۵	سلام بجنور سید الانام	۱۲۹	احسانِ عظیم
۱۴۶	اعلان الہی	۱۲۹	تشریح آیات
۱۴۶	فضیلت شب ولادت کی تین وجوہ	۱۳۰	تین مقام
۱۴۷	درِ یتیم	۱۳۲	صفات الہی
۱۴۸	علیہ سعید	۱۳۲	اول و آخر
۱۴۸	چاند کا رقص	۱۳۲	حدیث شریف
۱۴۹	جنور کی تلاش	۱۳۳	ایک شبہ
۱۴۹	حجر اسود کا نصب کرنا	۱۳۴	من نورہ
۱۴۹	پتھروں کے سجدے	۱۳۴	بشریت
۱۵۰	اعلان نبوت	۱۳۴	عبدیت
۱۵۱	ورقہ بن نوفل	۱۳۴	عبادت نور
۱۵۱	نزول قرآن	۱۳۴	امت کے لیے استغفار
۱۵۲	دوسری دلیل	۱۳۵	خاک پاک

پہلی محفل میلاد

امام قسطلانی کی تصریح

آمد سے پہلے اور بعد

④ ماہ ربیع الثانی کی تقریر

تین بھائی

ایک صحابی

مولانا کافی علیہ الرحمۃ

حضرت بلال

عرس

گیارہویں شریف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی

بدعت کی قسمیں

⑤ ماہ جمادی الاولیٰ کی تقریر

محمد رسول اللہ

نباتات کے رسول

جمادات کے رسول

حیوانات کے رسول

پانچ صفات

تفسیر ابن عباس

تین چیزیں

تلوار اٹھالی

أَشَدَّ أَعْوَى الْكَفَّارِ

مَرْحَمَاءُ بَيْنَهُمْ

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۹

۱۶۰

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۲

۱۷۳

۱۷۴

تَرَانَهُمْ مَرَكَّعًا مُبَجَّدًا

⑥ ماہ جمادی الاخریٰ کی تقریر

خاتونِ جنت

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت کرنا

صحابہ کی عبادت

امام محمد غزالی، حامد غزالی

واقعہ مجنوں

سورج لوٹ آیا

امام عظیم رضی اللہ عنہ

حضرت بشر حافی

آٹھ سالہ بچہ

شہنشاہِ بغداد

چالیس تابعی

سوال اور جواب

بچہ بول اٹھا

⑦ ماہ رجب کی تفسیر

واقعہ معراج

براق پر سواری

غزنی اور مصر

امت کی یاد

براق کی رفتار

روانگی جلوس

مدینہ منورہ

۱۸۳

۱۸۴

۱۸۵

۱۸۶

۱۸۷

۱۸۸

۱۸۹

۱۹۰

۱۹۱

۱۹۲

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

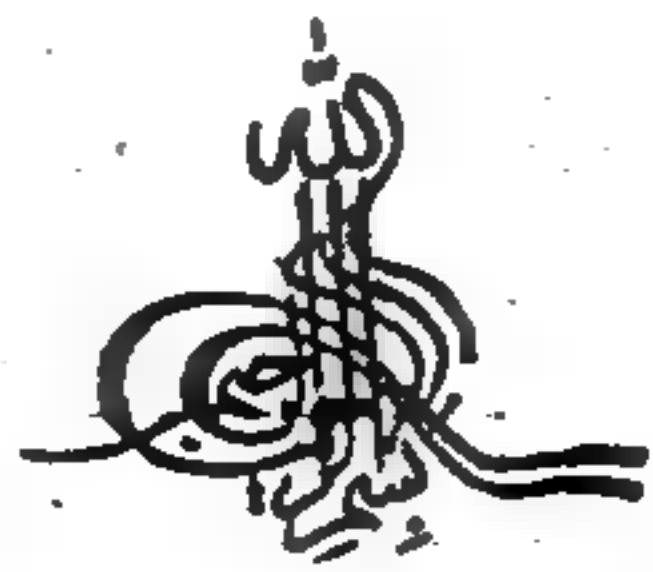


۲۲۸	اداء اور اقتداء
۲۳۰	رحمت الہی
۲۳۲	④ ماہ رمضان المبارک کی تقریر
۲۳۳	فلسفہ روزہ
۲۳۳	روزہ کا انعام
۲۳۳	محمود اور ایاز
۲۳۴	حضرت ربیعہ
۲۳۴	روزہ کے فرض ہونے کی وجہ
۲۳۵	پہلی امتوں کے روزے
۲۳۵	ایمان پر پختگی
۲۳۵	لیلۃ القدر
۲۳۶	تطبیق
۲۳۶	دو صیغے
۲۳۶	کثرت تلاوت
۲۳۶	ثواب تلاوت
۲۳۶	تلاوت اور شاہ حبش
۲۳۹	قرآن اور عمر فاروقؓ
۲۴۱	بدر اور رمضان
۲۴۱	صحابہ کا جذبہ
۲۴۲	قوم موسیٰ کا جواب
۲۴۳	بد میں امداد الہی
۲۴۳	جبریل کا گھوڑا
۲۴۴	مسئلہ تحشیر اور جہاد

۲۰۹	وادی یمن
۲۰۹	سُرخ ٹیلہ
۲۱۰	انبیاء کی امامت
۲۱۰	نمازیوں پر حاتی
۲۱۱	حبیب اور کلیم
۲۱۲	جسمانی اجتماع
۲۱۳	عروج
۲۱۳	نبیوں سے ملاقات
۲۱۳	سدرہ پر جبریلؑ کی عرض
۲۱۴	ایک یاد
۲۱۵	اونٹوں کی قطاریں
۲۱۶	سدرہ کے آگے
۲۱۶	عرش نے دامن تمام
۲۱۶	سلسلہ حجابات
۲۱۸	اَدْنُ مَسْتَقٰی
۲۱۸	مقامات
۲۱۹	امت کی یاد
۲۲۱	تین تحفے
۲۲۲	تصدیق
۲۲۲	قافلے
۲۲۳	⑤ ماہ شعبان کی تفسیر
۲۲۴	غلط رسمیں
۲۲۸	اسوۂ حسنہ

۲۶۵	عمارہ بن زیاد	۲۴۴	توریک آزادی
۲۶۶	واقعہ کعب بن مالک	۲۴۵	پاکستان پر حملہ
۲۶۹	دو آدمی	۲۴۶	دو نیچے
۲۷۱	⑫ ماہ ذوالحجہ کی تقریر	۲۴۷	حجت عالم
۲۷۲	دو چیریں	۲۴۸	حضرت عباس کا ایمان لانا
۲۷۳	اولاد	۲۴۹	روزہ کی قسمیں
۲۷۴	دعا	۲۵۰	تراویح
۲۷۴	واقعہ ملاطافہ لاہوری	۲۵۱	⑩ ماہ شوال کی تقریر
۲۷۵	توشہ ختم ہو گیا	۲۵۱	حقیقی نوشی
۲۷۶	قافلہ	۲۵۲	دوسری قوموں کی عیدیں
۲۷۷	قربانی	۲۵۳	ایک واقعہ
۲۸۰	حضرت جبریل	۲۵۴	معذورا اور مسجد کوفہ
۲۸۱	ایک نکتہ	۲۵۴	فضولیات سے پرہیز
۲۸۱	عظیم یادگار	۲۵۵	لطیفہ
۲۸۲	خطبہ نوداع	۲۵۶	حذیفہ اور حضور کا حکم
۲۸۳	سید عالم کا طواف	۲۵۸	خصائل نبوی
۲۸۵	مقام ابراہیم	۲۶۰	⑪ ماہ ذوالقعدہ کی تقریر
۲۸۵	سجی	۲۶۱	حضرت صدیق اکبر
۲۸۶	مٹی کو روانگی	۲۶۲	ابو طلحہ انصاری
۲۸۶	عرفات	۲۶۳	حضرت عثمان غنی
۲۸۶	مزدلفہ کو روانگی	۲۶۳	عبد اللہ بن جعفر
۲۸۶	مٹی کو واپسی	۲۶۴	کربلا کی قربانیاں
۲۸۷	کمہ کو واپسی	۲۶۵	انصاری عورت
۲۸۸			





# خطبات

جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ

جمعہ کا پہلا خطبہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ عَلَى الْعَالَمِينَ جَمِيعًا وَأَقَامَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِلْمُذْنِبِينَ شَفِيعًا  
فَضَّلَ اللَّهُ تَعَالَى وَسَلَّم وَبَارَكَ عَلَيْهِ وَعَلَى كُلِّ مَنْ هُوَ مُحِبُّوهُ  
وَمَرْضَى لَدَيْهِ صَلَوةً تَبْقَى وَتَدُومُ بِدَوَامِ الْمَلِكِ الْحَيِّ  
الْقَيُّومِ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ  
أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ يَا هُدَى  
وَدِينِ الْحَقِّ أَمْرُ سَلَّمَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ  
أَجْمَعِينَ وَبَارَكَ وَسَلَّم  
أَمَّا بَعْدُ

يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ رَحِمْنَا وَرَحِمَكُمْ اللَّهُ تَعَالَى أَوْصِيكُمْ وَنَفْسِي  
 بِتَقْوَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي السِّرِّ وَالْإِعْلَانِ فَإِنَّ التَّقْوَى سُنَامٌ ذُرَى  
 الْإِيمَانِ وَادْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ كُلِّ شَجَرَةٍ وَحَجَرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا  
 تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ فَإِنَّ الشُّنَّ  
 هِيَ الْأَنْوَامُ وَنَمَاتُوا قُلُوبَكُمْ بِحُبِّ هَذَا النَّبِيِّ الْكَرِيمِ عَلَيْهِ وَ  
 عَلَى آلِهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ فَإِنَّ الْحُبَّ هُوَ الْإِيمَانُ كُلُّهُ  
 إِلَّا لَا إِيْمَانُ لِمَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهُ إِلَّا لَا إِيْمَانُ لِمَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهُ  
 إِلَّا لَا إِيْمَانُ لِمَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهُ رَزَقَنَا اللَّهُ تَعَالَى وَإِيَّاكُمْ حُبَّ  
 حَبِيبِهِ هَذَا النَّبِيِّ الْكَرِيمِ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ أَكْرَمُ الصَّلَاةِ  
 وَالسَّلَامِ كَمَا يَحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضَى فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا  
 يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ بَارَكَ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي  
 الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَنَفَعْنَا وَإِيَّاكُمْ بِالْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۖ إِنَّهُ  
 تَعَالَى مَلِكٌ كَرِيمٌ جَوَادٌ بَرُّ ذَوُّ فَتْرٍ رَحِيمٌ ۖ أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَ  
 أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ إِنَّهُ هُوَ  
 الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

یہ خطبہ پڑھ کر قرآن مجید کی تین آیات کا اندازہ بیٹھے پھر اسٹک کر دوسرا خطبہ جمعہ  
 شروع کرے۔



## جمعه کا دوسرا خطبہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ  
عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا  
مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَ  
نَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ  
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ط بِإِلهَادِي  
وَدِينِ الْحَقِّ أَرْسَلَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ  
أَجْمَعِينَ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ أَبَدًا لَا سِيَّمَا عَلَى أَقْوَلِهِمُ بِالْصِّدِّيقِ  
وَأَفْضَلِهِمُ بِالتَّحْقِيقِ الْمَوْلَى الْإِمَامِ الصِّدِّيقِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ  
سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
عَنْهُ وَعَلَى أَعْدِلِ الْأَصْحَابِ مُزَيْنِ الْمُنْبِيرِ وَالْمُنْخَرَابِ الْمُوَافِقِ  
رَأْيِهِ بِالْوَحْيِ وَالْكِتَابِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ  
وَعَظِيمِ الْمَنَافِقِينَ وَرَأْمَامِ الْمَجَاهِدِينَ فِي سَرَاتِ الْعُلَمَاءِ إِبْنِي حَفْصِ  
عُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَلَى جَامِعِ الْقُرْآنِ  
كَامِلِ الْحَيَاءِ وَالْإِيمَانِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامِ أَمِيرِ  
الْمُؤْمِنِينَ وَرَأْمَامِ الْمُتَصَدِّقِينَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ إِبْنِي عُمَرَ وَعُثْمَانَ

بِنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَلَى أَسَدِ اللَّهِ الْغَالِبِ إِمَامِ  
 الشَّارِقِ وَالْمَغَارِبِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ  
 وَإِمَامِ الْوَاصِلِينَ إِلَى سَرِّ الْعَالَمِينَ أَبِي الْحَسَنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي  
 طَالِبٍ كَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيمَ وَعَلَى ابْنَيْهِ الْكَرِيمَيْنِ  
 السَّعِيدَيْنِ الشَّهِيدَيْنِ الْقَمَرَيْنِ الْمُنِيرَيْنِ الظَّاهِرَيْنِ الطَّيِّبَيْنِ  
 الظَّاهِرَيْنِ سَيِّدَيْنَا أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنِ  
 وَعَلَى أُمَمِهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَاءِ الْبَتُولِ الزَّهْرَاءِ فَلَذَّةُ كَيْدٍ خَيْرُ  
 الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهَا وَابْنَتِهَا وَعَلَى عَتِيَّةِ الشَّرِيفَيْنِ  
 الْمُطَهَّرَيْنِ مِنَ الْأَذْنَانِ سَيِّدَيْنَا أَبِي عُمَارَةَ حَمُوزَةَ وَأَبِي  
 الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ وَعَلَى سَائِعِ فِرْقِ الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ وَعَلَيْنَا  
 مِنْهُمْ يَا أَهْلَ الثَّقَلَيْنِ وَأَهْلَ الْمَغْفِرَةِ اللَّهُمَّ انصُرْ مَنْ تَصَرَّدَ دِينِ  
 سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَ  
 أَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ رَبَّنَا يَا مَوْلَانَا وَاجْعَلْنَا  
 مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِينَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى  
 اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ رَبَّنَا  
 يَا مَوْلَانَا وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ عِبَادَ اللَّهِ ط مَا حَكَمَ اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ  
 يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ



الْفَحْشَاءَ وَالْمُنْكَرَ وَالْبَغْيَ يَعُظُّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ وَلَذِكْرُ  
اللَّهِ تَعَالَى أَعْلَىٰ وَأَوَّلَىٰ وَأَحَبُّ وَأَعَزُّ وَأَعْظَمُ وَأكْبَرُ

### خطبة عيد الفطر

الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدَ الشَّاكِرِينَ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ كَمَا نَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا  
نَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَعْدَ كُلِّ  
شَيْءٍ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ مَعَ كُلِّ شَيْءٍ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ كَمَا يَشَبِّهُ  
بِجَلَالِ وَجْهِهِ الْكَرِيمِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ كَمَا حَسَمَهُ  
الْأَنْبِيَاءُ وَالْمُرْسَلُونَ وَالْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَعِبَادُ اللَّهِ  
الصَّالِحُونَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ  
اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَأَفْضَلُ صَلَوَاتِ اللَّهِ وَأَنْرُكِي  
تَحِيَّاتِ اللَّهِ عَلَى خَيْرِ خَلْقِ اللَّهِ وَسِرَاجِ أَفْقِ اللَّهِ وَقَاسِمِ رُتْقِ  
اللَّهُ وَإِمَامِ حَضْرَةِ اللَّهِ وَزَيْنَةِ عَرْشِ اللَّهِ وَعُرْوَةِ مَمْلَكَةِ  
اللَّهُ ۝ نَبِيِّ الْأَنْبِيَاءِ عَظِيمِ الرَّجَاءِ عَمِيمِ الْجُودِ وَالْعَطَاءِ مَا جِى  
الذُّنُوبِ وَالْخَطَايَا حَبِيبِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ الَّذِي  
كَانَ نَبِيًّا وَادْمُ بَيْنَ الطَّيِّبِينَ وَالْمَلَأَ نَبِيَّ الْحَرَمَيْنِ إِمَامِ  
الْقِبْلَتَيْنِ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَسَيِّدِ الْإِسْلَامِ فِي السَّادَاتِ صَاحِبِ  
قَابِ قَوْسَيْنِ الْمُرْتَيْنِ بِكُلِّ نَرَيْنِ الْمُنَزَّةِ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ وَشَيْنٍ

جَدِّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ دُرِّ اللَّهِ الْمَكْنُونِ سِرِّ اللَّهِ الْمَخْرُوتِ  
نُورِ الْأَفْسَدَةِ وَالْعَيُّونِ سُرُورِ الْقَلْبِ الْمَخْرُوتِ عَالِمِ مَا كَانَ  
وَمَا يَكُونُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ الْكَرِيمِ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ  
قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحَاجِلِينَ مَعْدِنِ الْتَوَارِثِ اللَّهُ وَمَخْزَنِ  
أَسْرَارِ اللَّهِ وَخَزَائِنِ رَحْمَةِ اللَّهِ بَيْتِنَا وَحَبِيبِنَا وَشَفِيعِنَا وَغَيْثِنَا  
وَعِيَاثِنَا وَمُعِثِنَا وَعَوْنِنَا وَمُعِينِنَا وَوَكِيلِنَا وَكَفِيلِنَا سَيِّدِنَا وَ  
مَوْلَانَا وَمَلْجَأِنَا وَمَاؤُنَا مُحَمَّدٌ رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَعَلَى  
إِلِهِ الطَّيِّبِينَ وَأَصْحَابِهِ الطَّاهِرِينَ وَأَزْوَاجِهِ الطَّاهِرَاتِ  
أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ الْمُعْظَمِينَ وَأَوْلِيَاءِ مِلَّتِهِ الْكَامِلِينَ  
الْعَارِفِينَ وَعُلَمَاءِ أُمَّتِهِ الرَّاشِدِينَ الْمُرْشِدِينَ عَلَيْنَا مَعَهُمُ  
يَا رَحِمَ الرَّاحِمِينَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ  
أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لِلَّهِ الْحَمْدُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ إِلَهًا وَاحِدًا أَحَدًا صَدَقَ قَوْلُهُ أَقِيمُوا مَلَكًا جَبَّارًا  
لِلذُّنُوبِ عَقَارًا وَلِلْعُيُوبِ سَنَارًا وَأَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا  
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ  
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ  
أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ

## اَمَّا بَعْدُ

فَيَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ رَاحِمَنَا وَرَاحِمَكُمُ اللَّهُ اْعْلَمُوا أَنَّ يَوْمَكُمْ هَذَا  
يَوْمٌ عَظِيمٌ وَالْأَوَّلُ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الْإِنْفَاطَارِ فَرْحَةٌ  
عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمَنِ الْأَوَّلِ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ  
لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُونَ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ يَا بَارَكَ اللَّهُ لَنَا وَلَكُمْ  
فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَتَفَعَّلْنَا وَإِيَّاكُمْ يَا أَلَيْتِ وَالذِّكْرُ الْحَكِيمُ يَا أَيُّهَا  
تَعَالَى مَلِكُ كَرِيمٍ جَوَادٌ بَرٌّ رءُوفٌ شَرِيفٌ أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَ  
أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ  
وَالْمُسْلِمَاتِ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ  
إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ

دوسرا خطبہ شروع کرنے سے پہلے امام منبر پر کھڑے کھڑے سات بار اللہ اکبر  
آہستہ کے یہی سنت ہے۔

## عید الفطر کا دوسرا خطبہ

الْحَمْدُ لِلَّهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ  
عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا



مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ط وَ  
 نَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ط وَنَشْهَدُ  
 أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ بِالْهُدَى  
 وَدِينِ الْحَقِّ أَرْسَلَهُ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَ  
 أَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ أَبَدًا لَا سَيْمًا عَلَى أَوْلِيهِمْ  
 بِالتَّصَدِيقِ وَأَفْضَلِهِمْ بِالتَّحْقِيقِ الْمَوْلَى الْإِمَامَ الصِّدِّيقِ أَمِيرِ  
 الْمُؤْمِنِينَ وَرَأْسِ الْمَشَاهِدِينَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا  
 الْإِمَامِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ط وَعَلَى أَعْدِلِ  
 الْأَصْحَابِ مُزَيْنِ الْمُنْبَرِ وَالْمُحَرِّابِ الْمُوَافِقِ رَأْيُهُ بِالْوَحْيِ وَ  
 الْكِتَابِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَغَيْظِ  
 الْمُنَافِقِينَ إِمَامِ الْمُجَاهِدِينَ فِي رَأْيِ الْعَالَمِينَ أَبِي حَفْصِ  
 عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَلَى جَامِعِ الْقُرْآنِ  
 كَامِلِ الْحَيَاءِ وَالْإِيمَانِ مُجَهِّزِ جَيْشِ الْعُسْرَةِ فِي رَضَى الرَّحْمَنِ  
 سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ إِمَامِ الْمُتَصَدِّقِينَ  
 لِرَبِّ الْعَالَمِينَ أَبِي عَمْرٍو عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
 عَنْهُ وَعَلَى أَسَدِ اللَّهِ الْغَالِبِ إِمَامِ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ حَلَّالِ  
 الْمُسْكَلَاتِ وَالتَّوَائِبِ دَفَّاعِ الْمُعْضَلَاتِ وَالْمَصَائِبِ أَخِي الرَّسُولِ

وَزَوْجِ الْبَتُولِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا إِمَامِ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَامَامِ  
 الْوَاِصِلِينَ إِلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ أَبِي الْحَسَنِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ  
 كَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيمَ وَعَلَى ابْنَيْهِ الْكَرِيمَيْنِ السَّعِيدَيْنِ  
 الشَّهِيدَيْنِ الْقَمَرَيْنِ الْمُنِيرَيْنِ النَّيِّرَيْنِ الزَّاهِرَيْنِ الْبَاهِرَيْنِ  
 الطَّيِّبَيْنِ الطَّاهِرَيْنِ سَيِّدِنَا أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ وَأَبِي عَبْدِ اللَّهِ  
 الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا وَعَلَى أُمِّهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَاءِ الْبَتُولِ  
 الزَّهْرَاءِ صَلَوَاتُ اللَّهِ تَعَالَى وَسَلَامُهُ عَلَى أَيْهَا الْكَرِيمِ وَعَلَيْهَا  
 وَعَلَى بَعْلِهَا وَابْنَيْهَا وَعَلَى عَمَّتَيْهِ الشَّرِيفَيْنِ الْمُطَهَّرَيْنِ مِنَ الْأَدْنَاءِ  
 سَيِّدِنَا أَبِي عَمَّارَةَ حَمْرَةَ وَأَبِي الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى  
 عَنْهُمَا وَعَلَى سَائِرِ فِرْقِ الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ وَعَلَيْنَا مَعَهُمُ اللَّهُ أَكْبَرُ  
 اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ  
 اللَّهُمَّ انصُرْ مَنْ نَصَرَدِينِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ رَبَّنَا يَا مَوْلَانَا  
 وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِينَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ  
 رَبَّنَا يَا مَوْلَانَا وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ  
 إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ إِنَّ اللَّهَ

يَا مُرِّيا لَعْدُلٍ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ  
وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَنَكُمْ تَذَكَّرُونَ ط وَلِذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى  
أَعْلَى وَأَوْلَى وَأَجَلُّ وَأَعَزُّ وَأَهَمُّ وَأَتَمُّ وَأَعْظَمُ وَأكْبَرُ ط

### خطبة عيد الاضحى

الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدَ الشَّاكِرِينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ كَمَا نَقُولُ وَخَيْرًا مِمَّا  
نَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ ط الْحَمْدُ لِلَّهِ بَعْدَ كُلِّ شَيْءٍ ط  
الْحَمْدُ لِلَّهِ مَعَ كُلِّ شَيْءٍ ط وَالْحَمْدُ لِلَّهِ يَبْقَى رَبُّنَا وَيَفْنَى كُلُّ  
شَيْءٍ ط الْحَمْدُ لِلَّهِ كَمَا يَنْسَبُ لِحِجَابِ وَجْهِهِ الْكَرِيمِ وَعَظِيمِ  
سُلْطَانِهِ الْقَدِيمِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَمَا حَمْدُهُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلُونَ  
وَالْمَلَائِكَةُ وَالْمُقَرَّبُونَ وَعِبَادُ اللَّهِ الصَّالِحُونَ وَخَيْرًا مِمَّنْ كُلُّ  
ذِكِّكَ كَمَا حَمِدَ نَفْسَهُ فِي كِتَابِهِ الْمَكْنُونِ ط اللَّهُ أَكْبَرُ ط اللَّهُ أَكْبَرُ  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ ط اللَّهُ أَكْبَرُ ط وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَأَفْضَلُ  
صَلَوَاتِ اللَّهِ ط وَأَكْمَلُ تَسْلِيمَاتِ اللَّهِ ط وَأَنْرُكِي تَحِيَّاتِ اللَّهِ  
عَلَى خَيْرِ خَلْقِ اللَّهِ وَسِرَاجِ أَفْقِ اللَّهِ وَقَاسِمِ رِزْقِ اللَّهِ ط وَإِمَامِ  
حَضْرَةِ اللَّهِ وَرَأْسِنَةِ عَرْشِ اللَّهِ وَعُرْوَةِ مَمْلَكَةِ اللَّهِ ط نَبِيِّ الْأَنْبِيَاءِ  
عَظِيمِ الرَّجَاءِ عَمِيدِ الْجُودِ وَالْعَطَاءِ مَا حَى الذُّنُوبِ وَالْخَطَا  
حَبِيبِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ الَّذِي كَانَ نَبِيًّا وَآدَمُ بَيْنَ الطِّينِ



وَالْمَاءِ نَبِيِّ الْحَرَمَيْنِ إِمَامِ الْقِبْلَتَيْنِ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَسَيِّدَتِنَا فِي  
الدَّامِرَيْنِ صَاحِبِ ثَابِ قَوْسَيْنِ الْمُرَّتَيْنِ بِكُلِّ نَرَيْنِ الْمُنَزَّةِ مِنْ  
كُلِّ غَيْبٍ وَشَيْنٍ طَجَدِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ دُرِّ اللَّهِ الْمَكْنُونِ  
سِرِّ اللَّهِ الْمَخْزُونِ نُورِ الْأَفْئِدَةِ وَالْعُيُونِ سُرُورِ الْقَلْبِ الْحَزُونِ  
عَالِمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ أَكْرَمِ  
الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ قَائِدِ الْغُرِّ الْمُحْجَلِينَ مَعْدِنِ أَنْوَارِ اللَّهِ مَخْزَنِ  
أَسْرَارِ اللَّهِ وَخَزَائِنِ رَحْمَةِ اللَّهِ وَمَوَائِدِ نِعْمَةِ اللَّهِ نَبِيَّتِنَا وَ  
حَبِيبَتِنَا وَشَفِيعَتِنَا وَمَلِيكَتِنَا وَغَوْثَتِنَا وَغِيَاثَتِنَا وَمُغِيثَتِنَا وَغَوْثَنَا  
وَمُعِينَتَنَا وَوَكِيلَتَنَا وَكَفِيلَتَنَا سَيِّدَتَنَا وَمَوْلَانَا وَمَلْجَأَنَا وَمَاؤُنَا مُحَمَّدِ  
رَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَعَلَى آلِهِ الْقَلِيلِينَ وَأَصْحَابِهِ الظَّاهِرِينَ وَ  
أَزْوَاجِهِ الظَّاهِرَاتِ أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَعَثَرَتِهِ الْمَكْرَمِينَ  
الْمُعَظَّمِينَ وَأَوْلِيَاءِ مِلَّتِهِ الْكَامِلِينَ الْعَارِفِينَ وَعُلَمَاءِ أُمَّتِهِ  
الرَّاشِدِينَ الْمُرْشِدِينَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمُ وَلَهُمْ وَفِيهِمْ يَا رَحِمَ الرَّاحِمِينَ  
اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ  
وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ إِلَهًا  
وَاحِدًا أَحَدًا صَمَدًا قَرْدًا وَثَرًا حَيًّا قَيُّومًا مَلِكًا جَبَّارًا لَدُنْهُ نُوبِ  
غَفَّارًا وَلِلْعُيُوبِ سِتَارًا شَهَادَةُ تَرْضَى بِهَا وَجْهَ الرَّحْمَنِ وَأَشْهَدُ

اَنْ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ  
لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ  
اَمَّا بَعْدُ

فَيَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ رَحِمْنَا وَرَحِمَكُمْ اللهُ تَعَالَى اَعْلَمُوا اَنْ يَوْمَكُمْ هَذَا  
يَوْمٌ عَظِيمٌ قَالَ شَفِيعُ الْمُنِيبِينَ رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ مُحَمَّدٌ  
صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِمْ  
اَحَبُّ اِلَى اللهِ تَعَالَى مِنْ هَذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ وَقَالَ مَا عَمِلَ ابْنُ  
اَدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدِّمِ وَانَّهُ  
لَيَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُونِهَا وَاشْعَارِهَا وَاطْلَافِهَا وَانَّ الدَّمَ لَيَقَعُ  
مِنَ اللهِ تَعَالَى بِسَكَايِنَ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ بِاَلْاَرْضِ فَطَيَّبُوْا بِهَا نَفْسًا اللهُ  
اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ  
وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَمَنْ يَعْمَلْ  
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ اللهُ اَكْبَرُ  
اللهُ اَكْبَرُ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ  
الْحَمْدُ بَارَكَ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَلَفَعْنَا وَرِثَاكُمْ  
بِالْاَيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِنَّهٗ تَعَالَى مَلِكٌ كَرِيْمٌ جَوَادٌ رَّءُوْفٌ  
رَّحِيْمٌ

یہ پہلا خطبہ پڑھ کر تین آیات کا اندازہ بیٹھے پھر اٹھ کر دوسرا خطبہ شروع کرے۔

## عید الاضحیٰ کا دوسرا خطبہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ  
عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا  
مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ  
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا  
مَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ أَرْسَلَهُ  
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ  
أَبَدًا لَا سَيِّمًا عَلَى أَقْرَبِهِمُ الْمُتَّصِدِينَ وَأَفْضَلِهِمُ الْمُتَّخِطِينَ الْمَوْلَى  
الْإِمَامَ الْمُصَدِّقَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِمَامَ الْمُشَاهِدِينَ رَبَّ الْعَالَمِينَ  
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامَ إِبْنِي بَكْرٍ الْمُصَدِّقَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى  
عَنْهُ وَعَلَى أَعْدِلِ الْأَصْحَابِ مُزَيْنِ الْمَشْرِقِ وَالْمَحْرَابِ الْمَوَافِقِ  
رَأْيُهُ بِالْوَحْيِ وَالْكِتَابِ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَعَظِيمِ الْمَنَافِقِينَ إِمَامَ الْمُجَاهِدِينَ فِي رَبِّ الْعَالَمِينَ إِبْنِي حَفْصِ  
عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَلَى جَامِعِ الْقُرَّانِ  
كَامِلِ الْحَيَاءِ وَالْإِيمَانِ مَجْهَزِ جَيْشِ الْعُسْرَةِ فِي رَضَى الرَّحْمَنِ  
سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِمَامَ الْمُتَّصِدِينَ



٢٧٥

لِرَبِّ الْعُلَمَاءِ أَبِي عَمْرِو عُمَانَ ابْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَ  
 عَلَى أَسَدِ اللَّهِ الْغَالِبِ إِمَامِ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ حَلَّالِ الْمَشْكَاتِ  
 وَالتَّوَائِبِ دَفَّاعِ الْمُعْضَلَاتِ وَالْمَصَائِبِ أَخِ الرَّسُولِ وَزَوْجِ  
 الْبَتُولِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا الْإِمَامِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِمَامِ  
 الْوَاصِلِينَ إِلَى رَبِّ الْعُلَمَاءِ أَبِي الْحَسَنِ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ  
 كَرَّمَ اللَّهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيمَ ط وَعَلَى ابْنَيْهِ الْكَرِيمَيْنِ  
 السَّعِيدَيْنِ الشَّهِيدَيْنِ الْقَمَرَيْنِ الْمُنِيرَيْنِ الزَّاهِرَيْنِ  
 الْبَاهِرَيْنِ الطَّيِّبَيْنِ الظَّاهِرَيْنِ سَيِّدِنَا أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ وَ  
 أَبِي عَبْدِ اللَّهِ الْحُسَيْنِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا ط وَعَلَى أُمَّهِمَا  
 سَيِّدَةِ النِّسَاءِ الْبَتُولِ الزَّهْرَاءِ فَلَذَّةِ كَيْدٍ خَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ  
 اللَّهِ تَعَالَى وَسَلَامُهُ عَلَى آيَتِهَا الْكَرِيمَةِ وَعَلَيْهَا وَعَلَى بَعْلِهَا وَابْنَيْهَا  
 وَعَلَى عَمَّتَيْهِ الشَّرِيفَيْنِ الْمُطَهَّرَيْنِ مِنَ الْأَدْنَاءِ سَيِّدِنَا أَبِي عَمَلَةَ  
 حَمْزَةَ وَآبِي الْفَضْلِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا ط وَعَلَى سَائِرِ  
 فِرْقِ الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ وَعَلَيْنَا مَعَهُمُ يَا أَهْلَ الثَّقَلَيْنِ وَآهْلَ  
 الْمَغْفِرَةِ ط اللَّهُ أَكْبَرُ ط اللَّهُ أَكْبَرُ ط لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ  
 اللَّهُ أَكْبَرُ ط وَلِلَّهِ الْحَمْدُ ط اللَّهُمَّ انصُرْ مَنْ لَصَرَدَيْنِ سَيِّدِنَا  
 وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَآصْحَابِهِ

أَجْمَعِينَ وَبَارَكَ وَسَلَّم رَبَّنَا يَا مَوْلَانَا وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ وَاخْذُلْ  
 مَنْ خَذَلَ دِينَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ  
 عَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ رَبَّنَا يَا مَوْلَانَا وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ  
 اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ  
 وَلِلَّهِ الْحَمْدُ ط عِبَادَ اللَّهِ رَحِمَكُمُ اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ  
 بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَ  
 الْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ وَلَذِكْرُ اللَّهِ تَعَالَى  
 أَعْلَى وَأَوَّلَى وَأَحَبُّ وَأَعَزُّ وَأَتَمُّ وَأَهَمُّ وَأَعْظَمُ وَأَكْبَرُ

---

## ماہِ محرم کی تقریر

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ  
عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ  
يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهٗ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ  
إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَا ضِدَّ لَهُ وَلَا يَنْدِي لَهُ لَا مِثْلَ لَهُ وَلَا مِثَالُ  
لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا طَيِّبُنَا وَطَيِّبُ قُلُوبِنَا شَفِيعُنَا وَ  
شَفَاءُ صُدُورِنَا قُرَّتْنَا وَقُرَّةَ عُيُونِنَا مَطْلُوبِنَا مَسْحُوبِنَا مَوْجُودُنَا  
وَمَقْصُودُنَا وَاعْلَانَا وَأَوْلَانَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا

عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

أَمَّا بَعْدُ

فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيدِ

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ

لَا تَشْعُرُونَ ط (پ ۲، رکوع ۳)



اللہ تبارک و تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے خاص فضل و کرم سے ہمیں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا فرما کر ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا۔ اس مقدس آیہ کریمہ میں جو تلاوت کی گئی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے ان محبوب بندوں کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اپنی عزیز ترین جانوں کو اس کی راہ میں قربان کر دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

”وہ لوگ جو میرے راستے میں قتل کیے جاتے ہیں انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے۔“

اس آیہ کریمہ میں فرمایا: ”مردہ مت کہو۔“ اور دوسری آیہ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُؤْتُونَ قَوْلًا ۝ (پ ۴، رکوع ۸)

”وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انہیں مردہ گمان بھی نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس انہیں رزق ملتا ہے۔“

وہ شہید ہیں، انہوں نے اپنی فانی جانوں کو قربان کیا تو حیاتِ ابدی مل گئی، فانی دی اور جاودانی زندگی حاصل کی۔ کتنا اچھا سودا ہے، فانی دو اور باقی لو، ناقص دو اور کامل لو، ادنیٰ دو اور اعلیٰ لو۔ یہ سودا صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور پھر فانی جان بھی تو اُسی کی دی ہوئی ہے۔ اپنی دی ہوئی چیز کو واپس لے کر پھر اسی پر شاندار بدلہ دیتا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یہ ماہ محرم الحرام ہے اور اس ماہ کی دسویں تاریخ کو جو جانیں اللہ کی راہ میں قربان ہو گئیں تپتے ہوئے صحرا میں قربان کی گئیں تاریخِ عالم ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جو ان علی اکبر کا لاشہ سامنے تڑپ رہا ہے خون و محمد خاک و خون میں غلطان ہیں، زہرا کا غسل، مصطفیٰ کا نورِ نظر، شہزادہ گلگوں قبا، راکب دوشِ مصطفیٰ نئے نئے معصوم علی اصغر کو گود میں اٹھائے لیے آرہے ہیں۔ ظلم کا تیر علی اصغر کے پیاسے حلق کو چیرتا ہوا امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کے بازو کو چھیرتا ہوا پار گزر جاتا ہے گرتا ہوا خونِ امامِ عالی مقام چلو میں اٹھاتے ہیں اور آسمان

کی طرف پھینک کر عرض کرتے ہیں،

”یا اللہ! یہ تو ایک علی اصغر ہے اگر ہزار علی اصغر ہوں تو ایک ایک کر کے تیرے نام پر قربان کرتا چلا جاؤں، اگر تیری رضا اسی میں ہے تو حسین بھی یونہی اٹھی ہے، جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں

ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

ماہ محرم کی بہت بڑی فضیلت ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تشریف لانے تو یہود کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں آپ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا یہ اچھا دن ہے، اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ان کے دشمنوں سے نجات دی اور انہوں نے روزہ رکھا۔ اس وقت حضور علیہ السلام نے فرمایا: تم سے زیادہ ہم موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے ہیں۔ پس آپ نے روزہ رکھا اور رکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”فرضیت رمضان سے قبل عاشورہ کے دن روزہ رکھا جاتا تھا جب رمضان نازل ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا اب جو چاہے عاشورہ کے روزہ رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔“

حضرت ابن عباس اور ام المومنین رضی اللہ عنہم کی ان دو روایتوں کے بعد ایک روایت امیر المومنین حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بھی سماعت فرمائیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”اگر تم ماہ رمضان کے علاوہ روزہ رکھنا چاہتے ہو تو عاشورہ کے روزہ رکھو۔“

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا مہینہ ہے، اس میں ایک دن ایسا ہے جس میں ایک قوم کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور دوسری قوم کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اور حضور علیہ السلام نے لوگوں کو رغبت دلائی کہ عاشورہ کے دن توبہ النصوحا کی

تجدید کریں اور قبول توبہ کے خواستگار ہوں۔ پس جس نے اس دن اللہ

عز وجل سے اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ ویسے ہی

قبول فرمائے گا جس طرح ان سے پہلوں کی توبہ قبول کی۔“

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ما ثبتت بالسنتہ میں لکھا ہے کہ ابن جوزی نے ابن عباس سے ذکر کیا کہ محرم کی دسویں تاریخ وہ تاریخ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ادریس کو بلند مرتبہ پر فائز کیا۔ اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو ٹھنڈا کیا۔ اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی سے اتارا اور اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قورات نازل فرمائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی دن قید خانے سے باہر آئے اور یعقوب علیہ السلام کی بنیائی واپس آئی اور اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا گیا۔ بنی اسرائیل کے لیے دریا بھی اسی دن پھاڑا گیا۔ جو شخص اس دن کاروزہ رکھے چالیس سال کا کفارہ ہوگا۔ جس نے شب عاشورہ کو عبادت کی گویا اس نے ساتوں آسمان والوں کے برابر عبادت کی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ محرم الحرام کی شان بہت بلند ہے۔

یہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے، اس کی دسویں تاریخ کو قربانی ہے اور ذوالحجہ تک اسلامی سال کا آخری مہینہ ہے اس کی دسویں تاریخ کو بھی قربانی ہے ہم مسلمانوں کا سال شروع بھی قربانی سے ہوتا ہے اور ختم بھی قربانی پر، آغاز بھی قربانی اور انتہا بھی قربانی۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں : ہ

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم  
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمعیل



اللہ اللہ بابتے بسم اللہ پدر

معنی ذبیح عظیم آید پس

ڈاکٹر اقبالؒ نے ذبیح عظیم سے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَقَدْ يَنَاقُ بِذَبِيحٍ عَظِيمٍ۔

”اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچا لیا۔“



چشمِ فلک کو یہ منظر کبھی نہیں بھول سکتا۔ باپ نے بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دی، زمین کانپ اُٹھی، پہاڑوں کے دل دہل گئے، بیٹا بھی کتنا سعادت مند ہے عرض کرتا ہے، ابا جان! انہوں پر پتی باندھ لیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ رُک جائیں اور میں اس سعادت سے محروم ہو جاؤں۔  
 یہ فیضانِ نظر تھا، کیا کہ مکتب کی کرامت تھی  
 سکھائے کس نے اسمعیل کو آدابِ فرزندگی  
 ابا جی! دیر نہ کیجئے سَتَّجِدُنِي اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ "خدا نے چاہا تو قریب ہے  
 کہ آپ مجھے صابر پائیں گے"۔

آپ اس عاجز کو صابر پاؤ گے  
 سرخرو پیشِ خدا تم جاؤ گے

خلیل اللہ بیٹے کے گلے پر چھری چلاتے ہیں پروردگارِ عالم نے دونوں کا یہ منظر دیکھ کر فرمایا:  
 يَا اِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَفَدَيْنَاكَ بِذَبِيْحٍ عَظِيْمٍ ۝ اے ابراہیم! بے شک تو نے خواب سچا کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو  
 اور تم نے ایک بہت بڑا ذبحہ قدیر میں دے کر اسے بچا لیا۔

ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے اسمعیل کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں ادھر  
 حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اپنے بیٹوں، بھانجوں، بھتیجوں کو ساتھ لئے میدانِ کرب و بلا  
 میں پہنچ چکے ہیں اور ایک ایک کو اپنے دستِ مبارک سے تیار فرما کر میدانِ کربلا میں روانہ فرما رہے  
 ہیں۔ قبل اس کے کہ میں شہادت بیان کروں دو باتیں قابلِ غور ہیں انھیں سماعت فرمائیے۔  
 پہلی بات یہ ہے کہ جب شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو اسے دیدارِ الٰہی نصیب  
 ہو جاتا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ شہید کے جسم پر کسی قسم کا بھی زخم آئے تو اسے قطعاً کوئی تکلیف  
 نہیں ہوتی۔

ایک شخص نے علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ  
 سے سوال کیا عقل تسلیم نہیں کرتی کہ جسم کٹ جائے  
 ایک شبہ اور اس کا جواب

اور تکلیف نہ ہو۔ جب بھی عجم کاٹا جائے گا درد اور تکلیف ضرور ہوگی۔ آپ نے اس کو قرآن کریم سے سورہ یوسف کا بیان سنایا۔ مصر کی عورتیں زلیخا کے گھر مہمان ہیں اور کھانا کھانے کے بعد زلیخا کو طعنے دے رہی ہیں تو شہزادی اور یوسف بردہ ہے غلام ہے، اس پر عاشق ہو گئی ہے۔ زلیخا نے کہا اگر تم میرے یوسف کو ایک نظر دیکھ لو تو پھر کبھی طعن میں زبان نہ کھول سکو گی۔ عورتوں نے کہا آج ہم یوسف کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام تشریف لائے جب ان کی نگاہیں یوسف علیہ السلام کے چہرے پر پڑیں قرآن کریم فرماتا ہے:

فَلَمَّا سَأَلُنَّ أَهْلَهُ أَكْبَرُتْ لَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ - (پ ۱۲، ع ۱۲)

”جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں، یہ تو نہیں، مگر کوئی معزز فرشتہ۔“ مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور انہیں قطعاً کوئی تکلیف نہ ہوئی حالانکہ ہاتھ کٹ رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ سامنے یوسف علیہ السلام موجود تھے اور یوسف علیہ السلام کے جمال میں اس قدر محو تھیں کہ جسم کٹ گیا اور کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ آپ اندازہ فرمائیں یوسف سامنے ہو تو تکلیف نہ ہو اور اگر خالق یوسف سامنے ہو تو درد کیسے ہو سکتا ہے۔ جب شہید کے جسم پر دشمن کی تلوار چلتی ہے تو دیدار الہی نصیب ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ شہید کو زخموں کی درد نہیں ہوتی۔ یہاں ایک بات ضمناً عرض کرتا ہوں۔ مصر کی عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ہاتھ کاٹ لئے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لَوَ اَرَى نَرًا لَيَخَا نَوَسًا اِنَّ بَجِيَّتَهُ لَا تُؤْتَن بِالْقَطْعِ الْقُلُوبِ عَلَى الْاَيْدِي - (درد قانی)

”اگر مصر کی عورتیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتیں تو ہاتھ کاٹنے کی بجائے اپنے دل کاٹ کر رکھ دیتیں۔“

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت و جماعت مولانا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ۷۰

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں

سرکٹاتے ہیں ترسے نام پہ مردانِ عرب

مصر کی عورتیں ہیں، عرب کے مرد ہیں۔ ادھر انگلیاں ہیں ادھر سر ہیں۔ ادھر انگلیاں کٹ رہی ہیں ادھر سر کٹائے جا رہے ہیں۔ کٹنا بغیر الاختیار ہے اور کٹنا باالاختیار ہے۔ کٹ جانا کوئی بڑی بات نہیں مگر کٹنا مشکل ہوتا ہے۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ شہید کو شہادت کے وقت چونکہ زیارتِ خداوندی نصیب ہوتی ہے اور وہ اس میں آنا محو و مستغرق ہوتا ہے کہ چاہے گھوڑے ٹینک اس کے جسم کو روندتے چلے جائیں مگر اسے کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

شہید جب جنت میں جائے گا تو عرض کرے گا: "اے رب کریم! جنت میں لذت نہیں" میں نے تیری جنت دیکھ لی ہے، اس کے میوے کھائے، نہروں

سے دودھ، شہد وغیرہ پی لیا۔ مگر یا اللہ! مجھے تیری جنت میں لذت نہیں آئی۔ پروردگار عالم فرمائے گا: "اے میری راہ میں جان قربان کرنے والے! میری جنت میں کس چیز کی کمی ہے؟" **يَقِيضُ مَا تَشْتَهُى اَنْفُسُكُمْ** اور جو تم خواہش کرو اس میں موجود ہے۔ شہید عرض کرے گا: "یا اللہ! مجھے وہ لذت جو میدانِ جہاد میں دشمن کی تلوار کی دھار کے نیچے آئی تھی یہاں نہیں ملتی۔ میری خواہش ہے کہ مجھے پھر دنیا میں واپس بھیج دیا جائے، پھر میدانِ جہاد ہو، دشمن کی تلوار ہو اور میری گردن ہو، میرا جسم ہو اور دشمن کے گھوڑے۔ پھر تیری راہ میں **اُقْتُلُ قَتْلُ** کیا جاؤں **ثُمَّ اُحْيَا** پھر زندہ کیا جاؤں **ثُمَّ اُقْتُلُ** پھر قتل کیا جاؤں، یہ عمل مجھے تیری جنت سے پیارا ہے۔" شہید کے خون کے ایک ایک قطرے کے عوض حضور علیہ السلام کی امت کے ستر ستر ہزار گنہگار بخش دیے جائیں گے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی راہ میں شہادت نصیب فرمائے آمین

عظمتِ شہادت عظمیٰ جب محرم کا مہینہ آتا ہے تو دلوں کے اندر جذبہ شہادت موجزن ہوتا ہے اور شہادتِ عظمیٰ اس شہادتِ عظمیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور وہ قربانیاں سامنے آ جاتی ہیں جن کی گواہی آج بھی کربلا کی تپتی ہوئی ریت کے ذرے دے رہے ہیں۔ مختصر سا قافلہ ہے اور اس قافلہ کا رہنما وہ ہے جسے دیکھ کر سید عالم فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حسین سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔



ایک دن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار رسالت میں سواری کتنی اچھی ہے حاضر ہوئے، دیکھا کہ شہزادہ حسین حضور علیہ السلام کے مبارک کاندھوں پر سواری ہیں۔ فاروق اعظم نے کہا: "نَعْمَ الْمَرْكَبُ كَتَنَى اِچھی سواری ہے۔" یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نَعْمَ السَّارِكُ اِکبُ سواری بھی کتنا اچھا ہے۔"

امام حسینؑ کے منہ میں حضورؐ کر بلا کے اس عظیم شہید کی فضیلت میں ایک اور حدیث سنئے۔ امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث نے لعابِ دہن ڈالا کو اپنی کتاب "الاصابہ" میں نقل فرمایا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ أَبْصُرْتُ عَيْنَايَ هَاتَانِ وَمِصْعَتُ  
أَذُنَايَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ آخِذٌ بِكَفِّيْ حُسَيْنٍ  
وَقَدْ مَاهُ عَلَى قَدَمِ رَسُولِ اللَّهِ وَهُوَ يَقُولُ تَرَقَّ تَرَقَّ قَالَ فَسَرَقَ  
الْفُؤْلَامُ حَتَّى وَضَعَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ رَافَتْهُ فَالَكَ ثُمَّ تَغَلَّ ثُمَّ قَبَّلَهُ ثُمَّ قَالَ اللَّهُمَّ احْبِبْهُ فَإِنِّي أُحِبُّهُ.  
ابو ہریرہ فرماتے ہیں میری ان آنکھوں نے دیکھا اور کانوں نے سنا کہ حضور علیہ السلام  
حضرت حسین علیہ السلام کے ہاتھوں کو پکڑے ہوئے تھے اور حسینؑ نے پاؤں حضورؐ  
کے پاؤں پر رکھے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے منھے قدموں  
والے! چڑھا، چڑھا۔ چنانچہ شہزادہ حسینؑ جسم اطہر پر چڑھنے لگے یہاں تک کہ اپنے  
قدم حضور کے سینے پر رکھ دیے۔ پس حضورؐ نے فرمایا منہ کھول۔ پھر آپؐ نے لعابِ دہن  
ڈالا اور منہ چوم لیا۔ پھر کہا اے اللہ! اسے محبوب رکھ کیونکہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔

آپ اندازہ فرماتیں جس کی تربیت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود مبارک میں ہو، جس کے منہ میں مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا لعابِ دہن ہو اس کی شان کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔

تربیتِ حسین رضی اللہ عنہ تربیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ زکوٰۃ کی کھجوروں کا ٹوکرا رکھا تھا شہزادہ حسین کے بچپن کا زمانہ تھا ایک کھجور اٹھا کر منہ میں رکھ لی تو حضور علیہ السلام نے فوراً انگلی ڈال کر کھجور نکال دی اور فرمایا کتنے کتنے چھی چھی

(یعنی ناپاک ہے مت کھا) کیونکہ زکوٰۃ کا مال سادات پر حرام ہے۔

حضرت امام حسین سات سال، سات ماہ اور سات دن تک حضور علیہ السلام کے سایہ شفقت میں رہے۔ اس تربیت نے آپ کو علم و فضل، شجاعت، سخاوت، ہمت و رافت، تقویٰ و طہارت اور زہد و ورع کی مکمل تصویر بنادیا۔ یہاں میں صرف آپ کی شفقت و مہربانی کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

**ایک غلام کا واقعہ** ایک دن آپ کے ہاں چند معزز مہمانوں کی دعوت تھی ایک غلام نے ایک کھانے کا قیمتی برتن لاپرواہی میں توڑ دیا آپ نے اس کی طرف غصہ سے دیکھا۔ وہ غلام قرآن کریم کا عالم تھا اس نے فوراً یہ آیت پڑھی **وَ الْكَافِرِينَ الْغَيْظُ مَوْجِنٌ** غصہ کو پی جانے والے ہیں۔ یہ سن کر امام حسین نے فرمایا، **كَفَمْتُ غَيْظِي** میں نے غصہ کو پی لیا۔ پھر اس غلام نے آیت کا اگلا حصہ تلاوت کیا **وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ** اور لوگوں کو معاف کرنے والے۔ آپ نے فرمایا **عَفَوْتُ عَنْكَ** میں نے تجھے معاف کر دیا۔ غلام نے آیت پوری کرتے ہوئے پڑھا **وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** اور اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے اللہ کے لیے آزاد کر دیا۔

امام حسین نے آنکھیں کھولیں تو رسول خدا کی نمازیں، علی المرتضیٰ کے سجدے اور فاطمہ الزہرا کی تلاوتیں سامنے تھیں۔ پھر ساری عمر اسی ذوق میں کٹی، حتیٰ کہ تیروں کی بارشیں، نیزوں کی اٹیاں اور تلواروں کی دھاریں بھی اس سر کو بارگاہِ آزادی میں جھکنے سے باز نہ رکھ سکیں۔

لگادی ہے مرے محبوب نے ایسی لگن مجھ کو

گزاروں گا اسی لذت میں باقی کی عمر اپنی

شہزادہ حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں علامہ اقبالؒ

**علامہ اقبالؒ کا خراج عقیدت کے چند اشعار سنئے:**

آں امام عاشقان پور بتول	سرور آزادی زبستان رسول
بہر آں شہزادہ خیر الملل	دوش ختم المرسلین نعم العمل
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید	ایں دو وقت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است      باطل آنخدا بخ حسرت میری است  
 بر زمین کربلا بارید و رفت      لاله در ویرانہ با کارید و رفت  
 تا قیامت قطع استبداد کرد      موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد  
 بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است      پس پناے لاله گردیدہ است  
 ستر ابراہیم و اسمعیل بود      یعنی آن اجمال را تفصیل بود  
 ماسوا اللہ را مسلمان بندہ نیست      پیش فرعونے سرش افگندہ نیست  
 خون او تفسیر این اسرار کرد      ملت خوابیدہ را بیدار کرد  
 نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت      سطر عنوانِ نجاتِ ما نوشت  
 رمزِ قرآن از حسین آموختیم      ز آتش اورہ شعلہ با اندوختیم  
 در نوائے زندگی سوز از حسین      اہل حق حقیقت آموز از حسین

تارِ ما از زخمِ اشس لرزاں ہنوز  
 زندہ از تکبیر او ایماں ہنوز

**شہادت کی خبر** امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کی شہادت کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے مجھے اطلاع دی ہے کہ میرا فرزند سرزمینِ فوات میں شہید کیا جائے گا۔ میں نے جبریل سے کہا ان کے قتل کی مٹی لا کر دکھاؤ۔ پس یہ مٹی وہاں سے لائے۔ پھر وہ مٹی حضور علیہ السلام نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو دے دی اور فرمایا جب یہ مٹی خون بن جائے گی تو وہ میرے بیٹے کے قتل کا دن ہوگا۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اس مٹی کو شیشی میں ڈال لیا جب امام عالی مقام ارضِ کربلا میں شہید ہوئے تو وہ مٹی مدینہ پاک میں خون بن گئی۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم باخبر ہوتے ہوئے ایک بار بھی یہ دُعا نہیں کرتے کہ یا اللہ! میرے بیٹے حسین سے یہ امتحان دور فرما، بلکہ دُعا کرتے ہیں کہ الہی! حسین کو اس امتحان میں ثابت قدم رکھ۔ یہی دُعا حضرت فاطمہ الزہرا اور حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ وقت گزرتا گیا اور کربلا کی



مہیب وادیاں قریب آتی گئیں۔

آخر وقت آیا جب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نظر حضرت زہرا کا تحتِ جگر  
مدینہ طیبہ سے جدائی شہزادہ گلگون قبا رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہونے کی  
تیاری کر رہا تھا۔ روضہ رسول کی جدائی کون وہ پتھر دل ہے جو برداشت کر سکے۔ اعلیٰ حضرت  
فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مدینہ پاک سے رخصت ہوئے اور زائرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا،  
سے ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو  
قافلہ تو اسے رضا اقل گیا احسنہ گیا

شہزادہ عالی مقام مدینہ پاک سے رخصت ہونے سے قبل رات کو تانا جان کے روضہ انور  
پر حاضر ہوتے ہیں اور روضہ انور سے لپٹ کر زار زار روتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ تانا جان!  
میں وہی حسین ہوں جس کے لیے ہر نبی اپنا بچہ لے کر آئی تھی، میں وہی دلہندہ فاطمہ ہوں جس کا  
گوارہ فرشتے جھلاتے تھے، میں وہی شہزادہ ہوں جس کو آپ کندھوں پر سوار فرمایا کرتے تھے۔ یونہی  
عرض کرتے کرتے آنکھ لگ گئی، دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور آپ کے مبارک  
کو گود میں لے کر فرما رہے ہیں، اے تختِ جگر! بہت جلد تو ہم سے اٹے گا، میں دیکھ رہا ہوں کہ  
تو میرے پاس بھوکا پیاسا جگر لے کر آ رہا ہے، یہ جسم نوری خاکِ کربلا سے آلودہ ہوگا، یہ عارض  
خونِ حلقوم سے رنگین ہوں گے، بیٹا حسین صبر کرنا۔

تھوڑی دیر بعد آنکھ کھل گئی اور نالہ کناں تربت زہرا پر حاضر ہوئے اور عرض کیا "اے  
اماں جان! آپ کا پیارا حسین حلقوم کٹوانے جا رہا ہے اور آپ سے رخصت ہونے آیا ہے۔"  
تربت زہرا سے آواز آئی: مشیتِ الہیہ میں مجالِ دم زدن نہیں ہے میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔  
والدہ سے اجازت لے کر آپ واپس تشریف لائے اور مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرنے کی  
تیاری کرنے لگے۔

فرزندِ پیغمبر کا مدینہ سے سفر ہے  
سادات کی بستی کے اُبڑنے کی خبر ہے

گل و صفت چمن دہر سے جانے کو چلے ہیں  
گھر چھوڑ کے جنگل کو بسانے کو چلے ہیں

رات کی تاریکی چھا چکی تھی، ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی، یہ وہی مدینہ ہے جہاں تانا بان کے  
کندھوں پر کھیدا کرتے تھے۔ نیزنگی تھی یہ ہے، ۲۷ رجب سنہ ۱۱۰۰ ہے۔ اسی رات کو حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے، اور یہی تاریخ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سفر  
کی ہے اور یہ کربلا کی معراج شہادتِ عظمیٰ کی معراج ہے۔

مکہ پہنچ کر آپ نے شعب ابوطالب میں قیام فرمایا۔ یہ وہی مقام ہے جہاں سرور کائنات  
صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مقیم رہے جب قریش مکہ نے آپ سے باتیکاٹ کیا تھا۔ تمام صحابہ  
خوش ہیں کہ نواسۂ رسول ہم میں تشریف لائے ہیں مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

کوفہ والوں نے مسلسل خطوط لکھے، ان خطوط کا مضمون ابن خلدون  
کوفہ والوں کی دعوت نے ان الفاظ میں لکھا ہے:

”اب ہم پر کوئی امام نہیں آپ آئیے تاکہ آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہمیں حق پر جمع  
کرتے۔ اگرچہ نعمان (گورنر کوفہ) شاہی محل میں ہے مگر اس کے ساتھ نہ تو ہم  
شریک جمعہ ہوتے ہیں اور نہ شریک عید۔ اگر ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ تشریف  
لائیں گے تو ہم اس کو اس طرح نکال دیں کہ وہ شام میں ہی جا کر دم لے گا۔“

سینکڑوں چٹیاں آپ کے پاس پہنچ رہی تھیں ادھر مکہ کرمہ کے اکابر صحابہ عبداللہ بن عباس، عبداللہ  
بن زبیر، عبداللہ بن عمر اور عمرو بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہم عرض کر رہے تھے ہم نے سنا ہے آپ  
عراق جا رہے ہیں ہمیں یقین ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو خطوط لکھے ہیں وہی آپ سے لڑیں گے۔  
بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کو گلے لگا کر نہایت درد مندانہ مشورہ عرض کیا: ”اگر آپ  
جہاز میں رہ کر حصولِ خلافت کی کوشش کریں تو ہم سب بیعت کریں گے اور آپ کی مدد کریں گے اور  
آپ کے خیر خواہ رہیں گے۔“

امام مسلم کی روانگی  
اسی اثنا میں کوفہ والوں کے اور پیغام آئے تو آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا  
یہ بات سنے ہوئی کہ پہلے حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجا جائے وہ جا کر

وہاں کے حالات لکھیں۔ باقی دفعہ حضرت مسلم بن عقیل اپنے دو معصوم بچوں محمد اور ابراہیم کو بھی ساتھ لے گئے۔

جب امام مسلم نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو اہل کوفہ نے شاندار استقبال کیا اور صرف ایک ہی دن میں چالیس ہزار آدمی بیعت میں داخل ہو گئے کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر نے بھی کوئی تعرض نہ کیا۔ کوفہ والوں کی یہ محبت دیکھ کر امام مسلم نے حضرت امام حسین کو لکھا کہ آپ فوراً تشریف لائیں حالات بالکل ٹھیک ہیں۔

ادھر جب یزید کو اس صورت حال کا علم ہوا کہ تمام اہل کوفہ نے امام حسین کی بیعت قبول کر لی ہے اور ان کے نمائندے مسلم بن عقیل ایک طرح سے کوفہ کے والی ہو گئے ہیں اور گورنر نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تو اس نے بصرہ کے گورنر ابن زیاد کو فوراً کوفہ روانہ کیا اور کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا۔ ابن زیاد بڑا مکار اور چالاک آدمی تھا وہ سمجھتا تھا جب میں کوفہ پہنچوں گا تو اہل کوفہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انتظار میں ہوں گے، اس لیے وہ ایک قافلہ کی شکل میں اسی راستہ سے آیا جو مکہ مکرمہ سے آتا تھا۔ ابن زیاد شام کے وقت شہر میں داخل ہوا، اس نے اپنا منہ چھپا رکھا تھا۔ لوگوں نے سمجھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں اور بلا تامل خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے ابن زیاد کے ساتھ ہو لیے۔ خوشی میں کسی نے یہ نہ دیکھا کہ ہم کس کے نعرے لگا رہے ہیں۔ ابن زیاد تیزی سے قلعہ کے دروازے پر پہنچا اور فوراً اندر داخل ہو گیا اور قلعے کی دیوار پر کھڑے ہو کر چہرے سے نقاب الٹ دیا۔ کوفہ والوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ابن زیاد نے فوراً اعلان کیا کہ اے کوفہ والو! تم نے مسلم بن عقیل کی بیعت کر کے ہمارے غضب کو دعوت دی ہے۔ صبح سویرے طلوع ہوتے ہی تمہارے مکانات جلادیے جائیں گے تمہاری گردنوں پر ہماری تلواریں لہراتی نظر آئیں گی بہتر یہی ہے کہ طلوع فجر سے پہلے پہلے مسلم بن عقیل کی بیعت توڑ دو، ورنہ تمہاری جان، مال اور اولاد کوئی چیز بھی مجھ سے بچ نہ سکے گی۔

کوفہ والے ابن زیاد کی ان دھمکیوں میں آ گئے ان کے جسم تھر تھرا کانپنے لگے سینکڑوں کوفیوں نے اسی وقت بیعت توڑ دینے کا اعلان کر دیا اور باقی تقریباً تمام ہی متذبذب ہو گئے۔



رات گز گئی، حضرت امام مسلم ہانی بن عروہ کے گھر پہنچے اور اس کو کہا کہ اہل کوفہ نے میرے ساتھ بد عہدی کی ہے اور دھڑا دھڑ بیعت توڑ رہے ہیں۔

ادھر ابن زیاد نے چالیس معزین کو قلعہ میں بلا کر گرفتار کر لیا۔ جب ابن زیاد کو علم ہوا کہ امام مسلم ہانی کے گھر موجود ہیں تو اس نے ہانی کو بلا کر کہا کہ تم نے میرے دشمن کو پناہ دی ہے، اگر مجھے تیری دیرینہ دوستی کا پاس نہ ہوتا تو ابھی تمہاری گردن اڑا دیتا۔ حضرت ہانی نے کہا دوستی کا پاس کرتا ہے اور رسول کریم کی نسبت کا کوئی احساس نہیں! آخر اس ظالم نے ہانی کو شہید کر دیا۔

حضرت مسلم بن عقیل کو علم ہوا تو آپ ہانی کے گھر سے باہر نکلے۔ دیکھا تو ابن زیاد کی فوج نے مکان کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ آپ اپنے دونوں بچوں کو قاضی شریح کے سپرد کر آئے تھے محمدی کچھار کے شیر نے ایک ہی حملہ سے تمام فوج کو بھگا دیا ابن زیاد سر پٹک کر رہ گیا۔ فوجوں کے دستے امام مسلم کو گرفتار نہ کر سکے۔ اس نے فوراً مزید فوج بھیج دی۔ مگر اتنی دیر میں کچھ کوئی بھی حضرت امام مسلم کے ساتھ مل چکے تھے آپ کے جوہر تلوار دیکھ کر کوفہ والوں کی ڈھارس بندھ گئی۔ لوگ ایک بار پھر حضرت مسلم کے ساتھ مل چکے تھے۔ بڑھتے بڑھتے یہ تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ آپ نے اس لشکر کو ساتھ لے کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا، ابن زیاد گھبرا گیا۔ اب اس نے یہ چال چلی کہ وہ چالیس معزین جن کو اس نے دھوکے سے بلا کر گرفتار کیا ہوا تھا ان کو کہا کہ تم قلعہ کی دیوار پر کھڑے ہو کر اپنے اپنے قبیلے اور رشتہ داروں کو کہو کہ واپس چلے جائیں ورنہ قلعہ پر حملہ سے پہلے ہمارے سر جسموں سے الگ کر دیے جائیں گے۔ اس کی یہ تجویز کارگر ثابت ہوئی ان چالیس آدمیوں نے قلعہ پر چڑھ کر گڑا گڑا کر منتیں کیں کہ اگر تم واپس نہ گئے تو ہم قتل کر دیے جائیں گے۔ بد عہد کوفیوں نے واپس جانا شروع کر دیا اور مغرب تک ایک آدمی بھی ساتھ نہ تھا۔

امام مسلم نے طوع نامی عورت کے ہاں پناہ حاصل کی۔ ادھر ابن زیاد نے اعلان کیا کہ مسلم کو پناہ دینے والا بھی قتل کر دیا جائے گا کوئی شخص مسلم کو پناہ نہ دے۔ آج ہر کوئی اپنا دروازہ بند کر رہا تھا کہیں مسلم میرے گھر نہ آجائیں، کل یہی کوئی گھر لے جانا سعادت سمجھتے تھے۔ وہی کوئی جو کل تک ہاتھ پاؤں چوم رہے تھے آج خون کے پیاسے نظر آ رہے ہیں۔

خون کی پہلی لکیر طوع کے بیٹے نے فوراً ابن زیاد کو خبر دی کہ مسلم ہمارے گھر میں پناہ گزین ہیں۔ ابن زیاد کے سپاہیوں نے طوع کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ امام مسلم کو سب سے زیادہ اس بات کی فکر تھی کہ میں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو لکھا ہے کہ آپ تشریف لے آئیں۔ آپ یقیناً کوفہ کی طرف کوچ فرما چکے ہوں گے۔ یہ خیال رہ رہ کر تاربا تھا کہ اگر امام حسین تشریف لے آئے تو کیا ہوگا۔ اسی خیال میں ڈوبے ہوئے آپ باہر نکلے ابھی دروازے سے باہر قدم رکھا ہی تھا کہ دروازے کے پیچھے دو سپاہی جو چھپے بیٹھے تھے اچانک حملہ آور ہوئے۔ ظلم کی تلواریں آپ کے سر پر گریں آپ چکرا کر زمین پر گر گئے۔ گرفتار کر کے آپ کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا۔

ابن زیاد، تم لوگوں میں تفرقہ ڈالنے آئے ہو؟  
امام مسلم: نہیں، ہم عدل و انصاف قائم کرنے اور کتاب سنت کی دعوت دینے کے لیے آئے ہیں  
ابن زیاد: کہاں تم اور کہاں کتاب و سنت؟  
امام مسلم: کتاب و سنت ہمارے گھر سے لوگوں کو ملی ہے۔  
ابن زیاد: میں تمہیں اس طرح قتل کروں گا کہ زمانہ اسلام میں آج تک کسی کو اس طرح قتل نہ کیا گیا ہوگا۔

امام مسلم: بے شک نباشت اور کیشی ہیں تمہارا کوئی مقابل نہیں۔  
آپ کا جرات مندانہ جواب سن کر ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کی گردن اڑادی جائے۔ آپ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

بہر حق در خاک و غول غلطیدہ است  
پس بنائے لا الہ گردیدہ است



جن کو دھوکے سے گونے بلایا گیا جن کو بیٹھے بٹھائے ستایا گیا  
جن کی گردن پہ خنجر چلایا گیا جن کے بچوں کو پیاسے رلایا گیا  
اُس محمدؐ کے اختر پہ لاکھوں سلام

سوانح کربلا میں خون کی یہ پہلی لکیر تھی جو کوفہ میں امام مسلم کے خون سے کھینچی گئی۔

امام مسلم کے معصوم بچے محمد اور ابراہیم رضی اللہ عنہما دونوں معصوم بچے قاضی شریح کے گھر سے فارغ ہو چکا تو اعلان کرایا کہ جو مسلم کے معصوم بچوں کو جو کوفہ میں روپوش ہیں، پکڑ کر پیش کرے گا بے پناہ انعام پائے گا۔ قاضی شریح یہ اعلان سن کر سخت پریشان ہوا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بچے یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور قاضی شریح سے کہا آپ کیوں رو رہے ہیں؟ ہم کہیں قید نہیں ہو گئے، کیا کوفہ میں ہمارا کوئی نہیں رہا؟ کیا والدین بے سہارا چھوڑ کر چلے گئے؟

قاضی نے دونوں بچوں کو سینے سے لگایا اور کہا، صاحبزادو! یہ وقت آہ و فغاں کا نہیں ابن زیاد کے سپاہی تمہاری تلاش کر رہے ہیں، کہیں تمہاری آواز سن کر ادھر نہ آنکلیں، صبح ایک قافلہ دروازہ عراقین سے مدینہ منورہ جا رہا ہے اس کے ساتھ تمہیں کر دیتا ہوں اللہ کو منظور ہوا تو مدینہ طیبہ پہنچ جاؤ گے۔

قاضی شریح نے اپنے بیٹے اسد کو بلا کر کہا جاؤ ان دونوں صاحبزادوں کو بہ حفاظت قافلہ کے ساتھ ملاؤ۔ اسد دروازہ عراقین پر آیا تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا تھا دور گرد نظر آرہی تھی اسد نے کہا جلدی کرو دوڑ کر قافلے سے مل جاؤ۔ دونوں بچے دوڑے مگر قافلہ دُور نکل گیا نوکیلے پتھروں نے پاؤں زخمی کر دیے۔ بھوکے پیاسے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ پھول سی نازک تلیاں رنگین ہو گئیں۔ تمام دن دوڑتے رہے۔ رات ہو گئی۔ بڑے نے چھوٹے بھائی سے کہا، رات کہیں سو جائیں۔ مگر چھوٹا بولا، بھائی جان! کہیں سپاہی گرفتار نہ کر لیں ابھی ہم کوفہ سے زیادہ دور نہیں آئے ہیں رات بھی سفر جاری رکھنا چاہیے۔

رات کی سیاہی گہری ہوتی چلی گئی۔ پتہ ہلتا ہے تو ڈر جاتے ہیں۔ جنگل بیابانوں کو طے کرتے چلے گئے۔ صبح ہونے کو تھی تو کہنے لگے کہ ہم یقیناً کوفہ سے کہیں دور نکل آئے ہوں گے مگر پوچھی تو دیکھا کہ کوفہ کے مکانات سامنے تھے۔ چھوٹے بھائی نے کہا بھیا! راستہ بھول گئے ہیں۔



مُجھ کو اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو گئے تھے چمنستانِ نبوی کے ٹھکے پھول مرجھا رہے تھے کہیں چھپنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ ایک ظالم سپاہی نے پکڑ لیا۔ دونوں لال ابن زیاد کے دربار میں سہمے کھڑے ہیں۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں جیل خانے بھجوا دیا جائے اور کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے۔ جیل کا داروغہ مشکور نہایت نیک طینت انسان تھا۔ آدمی رات کو کھانا کھلا کر قادیسیہ کی رلو کی طرف لے گیا اور اپنی انگوٹھی دے کر کہا سیدھے قادیسیہ چلے جاؤ وہاں میرا بھائی کو قوال ہے اسے یہ انگوٹھی دے کر سارا ماجرا کہہ سنا نا وہ تمہیں کسی طریقہ سے مدینہ پاک پہنچا دے گا یہاں مجھ پر جو گزرے گی میں سہ لوں گا مگر ناخن ہمیشہ گروہِ تقدیر کے کھولنے سے عاجز ہے۔ قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

بچے تمام رات دوڑتے رہے صبح ہوئی تو پھر کوفہ کے بازار نظر آرہے تھے۔ پاؤں میں چھلے پڑ گئے۔ مظلومیت کی انتہا ہے، دشمن کا ملک ہے، ذرہ ذرہ خون کا پیاسا ہے کوئی سہارا نہیں ہے۔

آسمانِ راقی بود گر غوں ببارد بر زمین

پیاس بجھانے کے لیے ایک تالاب کے کنارے گئے تو ایک عورت پانی لینے کے لیے آ رہی تھی اس عورت نے دونوں بچوں کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ بچوں نے کہا کہ ہم مسلم بن عقیل کے بیٹے ہیں یہاں ہمارا کوئی نہیں ہم ہاتھ باندھ کر عرض کرتے ہیں کہ ہمیں مت مارنا ہم بے قصور ہیں۔ اس عورت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، بولی، صاحبزادو! امتِ گہراؤ میں جس کی کنیز ہوں وہ ایک محبِ اہل بیت عورت ہے چلو میں تمہیں ساتھ لے چلتی ہوں وہ تمہاری خدمت کرے گی۔ وہ عورت دونوں کو ساتھ لے کر مالک کے پاس آئی اور کہا جنت کے دو پھول لائی ہوں، یہ امامِ مسلم کے نورِ نظر ہیں۔ اس عورت نے دونوں بچوں کو گود میں لے کر پیار کیا، کھانا کھلایا اور مکان کے پچھلے حصے میں سلا دیا اور کنیز کو تاکید کر دی کہ یہ راز میرے خاوند سے پوشیدہ رکھنا وہ تو انہی کی تلاش کر رہا ہے دنیا کی دولت کے لالچ نے اس کی آنکھوں میں دھول جھونک دی ہے۔ اندھا ہوا جاتا ہے۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اس عورت کا خاوند گھوڑے سے اتر ا اور اپنی بیوی سے

کہا کہ جلدی کر اور کھانا لا۔ میں چاہتا ہوں کہ مسلم کے بچوں کو جلدی گرفتار کر سکوں۔ ہم انعامات سے مالا مال کر دیے جائیں گے، اتنی دولت ملے گی کہ تم سنبھال نہ سکو گی۔ عورت نے کہا میں ایسی دولت پر لعنت بھیجتی ہوں، نفرین ہے تیرے ارادے پر ظالم! ان بچوں کو قتل کر کے کیا لو گے؟ حشر میں خدا کی بارگاہ میں کون سامنے لے کر جاؤ گے؟

حادث نے کہا: میں ایسی نصیحت نہیں سنتا چاہتا اگر کھانا تیار ہے تو لاؤ ورنہ میں جا رہا ہوں۔ مکان کے اندر دونوں نچے خواب میں اپنے والد کو دیکھتے ہیں اور چہنیں مار کر اپنے والد سے چٹ جاتے ہیں۔ ان کی آواز حادث کے کان میں پہنچتی ہے اپنی عورت سے پوچھتا ہے کہ یہ کون رو رہا ہے؟ ہمارے گھر میں کون ہے؟ عورت نے کہا کہ کہیں پڑوس سے آواز آرہی ہوگی۔ ظالم نے بڑھ کر دروازہ کھولا تو دونوں نچے ایک دوسرے سے پیٹ کر رو رہے تھے۔ ظالم نے دونوں کو سر کے بالوں سے پکڑا اور کھینچتا ہوا باہر لے آیا۔ نازک رخساروں پر ٹپکنے مارے۔ عورت نے پھڑانے کی کوشش کی مگر اس نے تلوار مار کر بیوی کو زخمی کر دیا اور کہا: خبردار! اپنی جان کی خیر چاہتی ہو تو خاموش رہو۔ بیوی نے غناوند کے قدموں پر سر رکھ کر کہا کہ اے ظالم! ان بچوں کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو ہم قیامت کے دن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھائیں گے؟

کیوں فاطمہ زہراء کو رلاتا ہے کفن میں  
دو پھول تو رہنے دے محمد کے چہن میں

ظالم نے اپنی بیوی کی اس آہ وزاری کی کوئی پروا نہ کی اور دونوں بچوں کو زمین پر گرا کر بے تحاشا مارنا شروع کیا۔ بیوی نے کہا: اے

ارے سید ہیں یہ سید ہیں طمانچہ نہ لگا اے قرآن کے ورقوں کو زمین پر نہ گرا  
بس اے بس زمین اب تو ملی جاتی ہے لے اب تو مجھے فاطمہ زہراء کی نظر آتی ہے

حادث دونوں بچوں کو مارتا ہوا دریا کے کنارے لے گیا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر دونوں بچوں نے کہا تجھے اگر مال کی ضرورت ہے تو ہمیں بیچ دے کوئی نہ کوئی خرید ہی لے گا اور اگر یہ منظور نہیں تو ابن زیاد کے پاس لے چل جو وہ پاس ہے گا سو کرے گا۔ حادث نے کہا اگر میں تمہیں بیچ دوں تو مجھے اتنی رقم وصول نہیں ہوگی جتنی ابن زیاد مجھے انعام میں دے گا لہذا میں تمہیں قتل کر دینگا



ہو سکتا ہے ویرا میں تمہیں کوئی چھڑا لے۔

ظالم نے ظلم کی تلوار اٹھائی تو چھوٹا بچہ آگے بڑھا اور کہا پہلے مجھے قتل کر۔ بڑے نے کہا: نہیں نہیں میں اپنے چھوٹے بھائی کا ترپتا ہوا لاشہ نہیں دیکھ سکتا۔ پہلے مجھے قتل کر۔ حادث نے کہا کیا تمہیں قتل ہونے کا شوق ہے؟ دونوں بچوں نے کہا، تو لذتِ شہادت سے آشنا ہی نہیں۔ پھر دونوں نیچے سجدے میں گر گئے۔ حادث نے کہا کیا تمہارا سجدہ تمہیں میری تلوار سے بچا لے گا؟

وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا

سر دینا عبادت میں ہے دستور ہمارا

آخر دونوں نیچے کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے شہید ہو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ظالم نے دونوں بچوں کے جسموں کو دریا میں پھینک دیا۔ دونوں جسم آپس میں مل گئے۔

حادث سروں کو لے کر ابنِ زیاد کے دربار میں پہنچا۔ ابنِ زیاد نے کہا: انعام مانگتا ہے؟

تو نے بہت بُرا کیا۔ اگر زید نے نیچے طلب کر لے تو کیا ہوگا، میں نے تو اسے یہ لکھ دیا ہے۔

پھر ابنِ زیاد نے کہا: کون ہے جو حادث کو اسی جگہ لے جا کر قتل کرے جہاں اس نے ان بچوں کو

قتل کیا ہے۔ چنانچہ اسے وہاں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔ خونِ شہیداں رنگ لایا۔

امام عالی مقام کی مکہ سے روانگی امام مسلم رضی اللہ عنہ کا خط کوفہ سے مکہ مکرمہ پہنچ چکا تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ صحابہ کرام سے مشورہ

فرما رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن زبیر، جابر، عمرو بن العاص اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے علاوہ کئی اجلہ صحابہ کوفہ جانے سے روک رہے تھے اور عرض کر رہے تھے

کہ کوفہ والوں کی بدعہدی مشہور ہے وہ آپ سے کبھی وفا نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا: میں

سب جانتا ہوں مگر اس سفر میں ایک زبردست راز ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے اپنے والد

سے سنا ہے آپ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری مکہ میں ذبح ہوگی

اور اس کے ذبح ہونے سے کعبۃ اللہ کی بے حرمتی ہوگی، اس دن سے ڈر رہا ہوں کہ وہ

میں ہی نہ بن جاؤں، نیز اب کوفہ سے امام مسلم رضی اللہ عنہ نے بھی لکھ دیا ہے کہ جلدی تشریف



لائیں حالات ٹھیک ہیں۔

چنانچہ آپ نے رختِ سفر باندھا، منزلیں طے ہوتی گئیں۔ یہ مختصر سا قافلہ کوفہ کی طرف رواں دواں تھا۔ مقامِ شقوق پر آپ کو امامِ مسلم کی شہادت کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

امامِ مسلمؒ کی اٹھارہ سالہ بیٹی اس سفر میں امامِ حسین کے ساتھ حضرت امامِ مسلم کی ایک صاحبزادی بھی تھی جس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ آج آپ دیر تک اس کا منہ تکتے رہے اور نہایت پیار فرماتے رہے۔ بار بار اپنا دستِ اقدس اس کے سر پر رکھتے۔ صاحبزادی نے عرض کیا، حضور! آج آپ مجھے اس طرح پیار فرما رہے ہیں جیسے تمہیں سے کیا جاتا ہے، کیا اباجان شہید ہو گئے ہیں؟ یہ جملہ سن کر امامِ حسین علیہ السلام کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے اور فرمایا: ”بیٹی! صبر کرو اور تم مجھے اپنا باپ سمجھو۔“ امامِ مسلم کی شہادت کی خبر ملنے پر آپ نے فرمایا: ”جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔“ مگر امامِ مسلم کے بھائیوں نے کہا: ہم ضرور بدلہ لیں گے، ہم یزید کی فوجوں کا مقابلہ کریں گے۔ بھائی کے قتل کی خبر سن کر واپس جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

المختصر آپ سفر فرماتے ہوئے ایک مقام پر پہنچے تو آپ کا گھوڑا رک گیا۔ آپ نے ہرچند کوشش کی مگر گھوڑا آگے جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ آپ نے دریافت فرمایا: ”یہ کون سی جگہ ہے؟“ عرض کیا گیا کہ اس کو ماریہ کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کوئی اور نام بھی ہے؟ عرض کیا گیا اسے کربلا بھی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، اللہ اکبر! ارضِ کرب و بلا یہی وہ مقام ہے جس کی بشارت دی گئی تھی۔

اس میدان میں پہنچنے سے پہلے جب راستے میں حُر بن یزید ریاحی لشکر پہلی تقریر لے کر آپ کے سامنے آیا تو نمازِ ظہر کے بعد امامِ حسین علیہ السلام نے اس سفر کی پہلی تقریر فرمائی:

لوگو! میں خود نہیں آیا مجھے تمہارے خطوط اور قاصد لائے ہیں۔ تم نے کہا تھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں آپ آئیے کہ آپ کے ذریعہ خدا ہمیں سیدھی راہ پر لگا دے۔

لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور حقدار کا حق پہچانو تو یہ خدا کی رضا کا موجب ہو گا۔  
 رسول خدا نے فرمایا ہے کہ جس نے محرماتِ الہیہ کو حلال کرنے والے، خدا کے  
 عہد کو توڑنے والے، سنتِ رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر زیادتی  
 کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور اس کو قولا یا عملاً غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے  
 کہ وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ اس نے شیطان کی  
 اطاعت اختیار کی ہے اور جن کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ ملک میں فساد  
 پھیلایا ہے۔ حدودِ الہیہ کو معطل کر دیا ہے۔ خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو  
 حرام کر رکھا ہے۔ اس لیے مجھے غیرت آنے کا زیادہ حق ہے۔ میں علیؑ اور  
 بنتِ رسولؐ کا بیٹا حسینؑ ہوں۔ میری ذات تم لوگوں کے لیے نمونہ ہے۔ اگر  
 تم عہد توڑ کر میری بیعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال ڈالو گے تو مجھے اپنی جان کی  
 قسم یہ بھی تم سے بعید نہیں جو عہد شکنی کرتا ہے وہ گویا اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے  
 عنقریب خدا مجھ کو تمہاری امداد سے بے نیاز کر دے گا۔ (ابن اثیر جلد ۴)  
 حُر نے کہا: "اگر آپ ہمارے ساتھ جنگ کریں گے تو قتل ہو جائیں گے۔" آپ نے فرمایا: "

سَامِضِي وَمَا بِالْمَوْتِ عَامِرًا عَلَى الْفَقِي

إِذَا مَا نَوَى خَيْرًا وَجَاهِدَ مُسْلِمًا

ترجمہ میں بڑھتا جاؤں گا کیونکہ ایک جوان کے لیے موت کوئی عار نہیں جب اس کا  
 ارادہ نیک ہو اور وہ سچا مسلمان ہو۔

جب آپ کا گھوڑا ارضِ نینوا کے میدانِ کربلا میں رُک گیا تو خیمے لگا دیے گئے۔ یہ ۲ محرم الحرام کا  
 واقعہ ہے۔ ۳ محرم کو ابنِ سعد فوج لے کر کربلا میں کربلا پرپا کرنے کے لیے آ گیا۔

ابنِ سعد سے ملاقات امام عالی مقام نے اس کو بلا کر آنحضرت کے عذاب سے ڈرایا  
 اور دنیا کی بے ثباتی یاد دلانی۔ وہ دیر تک آپ کی باتیں سنتا  
 رہا۔ مگر رُسے کی حکومت کے لالچ نے آنکھوں پر پرے ڈال رکھے تھے۔ انعام و اکرام کی  
 ہوس نے دل سیاد کر دیے تھے۔ کہنے لگا کہ یہ سب ٹھیک ہے مگر کوفہ میں میری بڑی جائداد ہے

اگر میں آپ کے خلاف اقدام نہ کروں تو ابن زیاد سب ضبط کر لے گا۔ آپ نے فرمایا: یہ دنیا چند روزہ ہے دنیا کی دولت کے لیے حق سے کیوں ٹکراتا ہے۔ مگر اس کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا۔

ابن زیاد کا آرڈر شمر ذی الجوشن نے ابن زیاد کو لکھا کہ ابن سعد بلا وجہ گفتگو کو طول دے کر وقت ضائع کر رہا ہے اور ہر روز حسین سے طقات کر رہا ہے۔ ابن زیاد نے عمرو بن سعد کو لکھا کہ میں نے تجھے اس لیے نہیں بھیجا کہ ڈھیل دیتے جاؤ اور حسین کی طرف سے وکیل بن کر اس کی سلامتی چاہو۔ تم حسین اور اس کے ساتھیوں کو میرا حکم ماننے کیے کہو، اگر مان جائیں تو ہمارے پاس بھیج دو ورنہ فوراً حملہ کر دو۔ اگر یہ کام تم سے نہ ہو سکے تو فوج شمر کو دے دو وہ خود میرے آرڈر کی تعمیل کرے گا۔ (طبری جلد ۷)

ابن اثیر جلد نہم میں ہے کہ اس حکم کے بعد ابن سعد ہاشمی مسافروں پر آخری وار کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ شمر خیموں کے پاس آیا، عباس اور ان کے بھائیوں سے کہا چونکہ میں تمہارا ماموں ہوں اس لیے ازراہ قرابت میں تمہیں امان دیتا ہوں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تجھ پر اور تیری امان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اگر تجھے حق قرابت ملحوظ ہوتا تو ہمیں امان دیتا اور ابن رسول کو نہ دیتا؟

تین باتیں امام حسین رضی اللہ عنہ نے ابن سعد کے سامنے تین باتیں پیش فرمائیں:

- ① مجھے سرحدات پر جانے دو۔
- ② یزید کے پاس پہنچنے دو تاکہ اس سے براہ راست بات چیت کر سکوں۔
- ③ مجھے واپس حجاز جانے دو۔

ان تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی انہوں نے قبول نہ کی اور برابر یزید کی بیعت کا مطالبہ کرتے رہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ میدانِ کربلا میں امام حسین ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ رضی اللہ عنہ نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔ اگر یہ بات سچی ہے کہ امام حسین نے بیعت کرنے کا وعدہ کر لیا تھا تو پھر



معرکہ کرب و بلا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ ان کا تو مطالبہ ہی یہی تھا کہ بیعت کر لو۔ اگر بیعت کرنی تو پھر جنگ کی نوبت کیوں آئی؟ عقبہ بن سمان کہتے ہیں کہ میں مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک برابر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ رہا اور شہادت تک ان سے جدا نہ ہوا مگر آپ نے مکہ میں، مدینہ میں، عراق میں، لشکر گاہ میں، غرضیکہ تادم شہادت یہ کہیں نہیں فرمایا کہ مجھے یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دینے دو۔

وقت گزرتا گیا ابن زیاد کوفہ سے سخت سے سخت آرڈر بھیجتا رہا۔ ایک نہر فرات پر پہرہ وقت آیا جب فوات کی لہروں پر بھی پہرے بٹھا دیے گئے۔ نہر سے ہر چیز پانی پی سکتی ہے مگر زہر اکالال، مصطفیٰ کا نور نظر ایک چلو بھر پانی نہیں لے سکتا۔ مولانا حسن رضا علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں:۔

خاک ہو جا خشک ہو کر خاک میں مل جا فرات  
خاک چھ پر دیکھ تو سوکھی زبان اہل بیت  
بے اجازت جن کے گھر میں جبرائیل آتے نہیں

قدر والے جانتے ہیں قدر و شان اہل بیت  
و محرم کو ابن سعد جنگ کی وارننگ دے چکا تھا۔ آپ نے فرمایا:  
یہ رات گزر جانے دو کل دیکھا جائے گا۔ رات کی تاریکی چارہ ہی تھی  
امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء اور اعزہ کو جمع کر کے فرمایا:

”میں تم لوگوں کو بخوشی اجازت دیتا ہوں میری طرف سے کوئی ملامت نہ ہوگی  
رات ہو چکی ہے ایک ایک اونٹ لو، خدا تم سب کو جو اتے خیر دے، تم لوگ  
اپنے اپنے شہروں اور دیہاتوں میں چلے جاؤ یہاں تک کہ خدا یہ مصیبت آسان  
کر دے، یہ اس لیے کہ رہا ہوں کہ لوگ مجھے ہی تلاش کریں گے میرے بعد  
کسی کی تلاش نہ ہوگی۔“

مسلم بن عقیل کے بھائیوں نے کہا ”خدا کی قسم ہم ہرگز ایسا  
ساتھیوں کا جواب نہیں کر سکتے، ہم جان و مال اور اہل و عیال سب کچھ آپ

قربان کر دیں گے، آپ کی قیادت میں لڑیں گے، جو انجام آپ کا ہو گا وہی ہمارا ہو گا۔ آپ کے بعد جینا بے کار ہے۔“

سعد بن عبد اللہ حنفی نے کہا کہ اگر مجھ کو یہ بھی یقین ہو کہ میں ستر مرتبہ قتل کیا جاؤں گا اور ہر مرتبہ زندہ کر کے میری خاک ہو امیں اڑادی جائے گی تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ حضرت مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا خدا کی قسم! اگر میرے پاس کوئی ہتھیار بھی نہ ہوتا تو دشمن سے پتھر مار مار کر لڑتا یہاں تک کہ آپ پر فدا ہو جاتا۔“

جاں نثاروں کے یہ ولولہ انگیز جوابات سن کر آپ کو یقین ہو گیا کہ سب میری طرح حق پر نثار ہونے کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں۔ آپ نے تلوار اٹھائی اور اسے صاف کرنا شروع کیا اور یہ اشعار پڑھے:۔

يَا ذَهْرُ أَفْ تَكَ مِنْ خَلِيلٍ  
كَمْ لَكَ بِالْأَشْرَاقِ وَالْأَحْيَلِ  
مِنْ صَاحِبٍ أَوْ طَالِبٍ قَتِيلٍ  
وَالذَّهْرُ لَا يَقْنَعُ بِالْبَدِيلِ  
وَإِنَّمَا الْأَمْرُ إِلَى الْجَلِيلِ  
وَكُلُّ نَحْيٍ سَأَلَكَ السَّبِيلِ

(ابن اثیر ص ۱۲۱)  
ترجمہ: اے زمانے ٹو کیسا بے وفادار دوست ہے ہر صبح اور ہر شام تیرے ہاتھوں کتنے مارے جاتے ہیں اور یہ زمانہ کسی سے عوض قبول نہیں کرتا۔ دراصل سارا معاملہ تو خدا نے جلیل کے ہاتھ میں ہے اور ہر زندہ شخص موت کی راہ پر چل رہا ہے۔

یہ تمام رات آپ نے یاد الہی میں گزاری اور اللہ تعالیٰ کی ارگاہ میں دعا کی کہ  
ترے دین کی خیر ہو یا الہی! میں آؤں گا کشتی کنارے لگا کے  
یہ قاسم یہ عباس بھانجے بھتیجے ترے پاس پہنچیں گے گردن کٹا کے  
مصائب جہاں بھر کے گھیرے ہوئے ہیں تو اضع یہ کی کو فیوں نے بلا کے

یا الہی! نتیجہ مجھ کو معلوم ہے مگر میرے ساتھی میرے اصرار پر بھی میرا بچپا نہیں چھوڑتے  
میرے بہن بھائی! بچے سب تجھ پر قربان۔ یا اللہ! میرے حوصلے بلند کر، میری زبان پر صبر و  
شکر کے سوا کچھ نہ ہو۔

مکرم حضور کی آمد سے تھوڑی دیر کے لیے غلہ نے غلبہ کیا تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے  
اور شہزادہ حسین کو اپنی گود میں بٹھا کر فرمایا: اے میرے نورِ نظر! اے  
میرے نختِ جگر! دیکھ یہ تمام ارواحِ مقدسہ تیرے خیر مقدم کو حاضر ہیں۔ بیٹا! کل شب کا  
کھانا ہمارے ساتھ کھانا جنت تیری منتظر ہے۔ جنت کی خوریں تیرا راستہ دیکھ رہی ہیں۔  
امام عالی مقام نے بیدار ہو کر اپنی خواب سُنائی تمام اہل حرم یہ خواب سن کر پریشان  
ہوئے۔ امام عالی مقام کی نگہ سار بہن زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ٹکرا نہ گیا۔ رو کر  
عرض کیا: کاش! آج موت میری زندگی کا خاتمہ کر دیتی آج میری ماں فاطمہ، باپ علی اور  
بھائی حسن میں سے کوئی بھی موجود نہیں۔ بھائی! ان گزرے ہوئے جانشینوں کا سہارا  
تم ہی ہو۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: بہن! حلم و وقار کا ساتھ نہ چھوڑو۔ حضرت زینب  
نے عرض کیا: میں آپ کے بدلے اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔ پھر آپ شدتِ گریہ سے  
بے ہوش ہو گئیں۔

حضرت زینبؓ کو وصیت فرمائی: بہن! خدا سے تسکین حاصل کرو۔ ایک نہ  
ایک دن روتے زمین کے تمام باشندے مرجائیں گے، آسمان و زمین میں کوئی بھی  
باقی نہ رہے گا صرف ایک خدا کی ذات ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہر مسلمان  
کے لیے نمونہ ہے تم اسی نمونہ سے صبر و تسلی حاصل کرو۔ بہن! میں تم کو قسم دلاتا ہوں  
کہ میں شہید ہو جاؤں تو میری موت پر گریبان نہ پھاڑنا، منہ نہ توچنا۔ حضور علیہ السلام  
نے فرمایا ہے:

لَئِنْ مَنَّا مِنْ ضَرْبِ الْخُدُّ وَدَوَّشِ الْجُيُوبِ وَدَعَى



بَدْعُوۤی الْجَاهِلِیَّةِ - (مسلم شریف)

”جس نے رخسارے پیئے اور گریبان چاک کیا اور جہالت کے جملے زبان سے

نکالے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث پاک سے صاف صاف ثابت ہوا کہ

شریعت مطہرہ میں بال نوچنے، منہ پر ٹمپانچے مارنے ماتم کرنا منع ہے۔

جعفر بن سلیمان کہتے ہیں کہ میں محرم کی دسویں تاریخ کو آلِ حیدر کے خیموں میں گیا۔

ایک خیمے میں مدہم شعاعیں نظر آرہی تھیں۔ میں نے جھانک کر دیکھا کہ قرآن کریم کھلا ہوا ہے اور

امام حسین نہایت سوز سے تلاوت فرما رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

دسویں محرم کا آفتاب طلوع ہوتا ہے امام عالی مقام اور ان کے تمام ساتھی اور

خونی صبح اہلبیت تین دن کے بھوکے پیاسے ہیں پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہیں آیا کھانے

کا ایک لقمہ بھی حلق سے نیچے نہیں اُترا۔ بے وطنی ہے، دھوپ کی تمازت، گرم ریت اور گرم ہوائیں۔

ان سب چیزوں نے نڈھال کر دیا ہوگا۔ ان بھوکے پیاسے شیروں کے مختصر ترین لشکر کو امام عالی مقام

ترتیب دے رہے تھے۔ یہ لشکر اکانوسے افراد پر مشتمل تھا جس میں انیس اہلبیت کرام اور بہتر

باقی جاں نثار تھے جن کے اسماء مبارک یہ ہیں:

## لشکرِ اسلام کے نام

خاندان نبوت

۳۔ جعفر بن عقیل

۶۔ ابو بکر بن حسن

۹۔ قاسم بن حسن

۱۲۔ عبد اللہ بن علی

۱۵۔ علی اکبر بن حسین

۱۸۔ عبد اللہ بن حسین

۲۔ عبد الرحمن بن عقیل

۵۔ عون بن عبد اللہ پسر زینب

۸۔ عبد اللہ بن حسن

۱۱۔ عثمان بن علی

۱۴۔ عباس بن علی

۱۷۔ زین العابدین بن علی

۱۔ عبد اللہ بن عقیل

۴۔ محمد بن عبد اللہ پسر زینب

۷۔ عمر بن حسن

۱۰۔ محمد بن علی

۱۳۔ جعفر بن علی

۱۶۔ علی اصغر بن حسین

۱۹۔ حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

## بہتر جاں نثار

بہتر جاں نثاروں کے نام یہ ہیں :

- ۱۔ زہیر بن حسان محمدی
- ۲۔ وہب بن عبد اللہ کلی
- ۳۔ خالد بن عمرو مکی
- ۴۔ عمرو بن خالد صیداوی
- ۵۔ عبد اللہ بن عمرو کلی
- ۶۔ بریر بن خثیر ہمدانی
- ۷۔ محمد بن حنظلہ تمیمی
- ۸۔ عمرو بن عبد اللہ صائدی
- ۹۔ حماد بن انس محمدی
- ۱۰۔ شریح بن عبید مکی
- ۱۱۔ بلال بن نافع بجلی
- ۱۲۔ قیس بن مینہ مدنی
- ۱۳۔ بشیر بن عمر حضرمی
- ۱۴۔ عبد اللہ بن عروہ غفاری
- ۱۵۔ حبیب بن مظاہر اسدی
- ۱۶۔ حریر آزاد غلام ابوذر غفاری
- ۱۷۔ وقاص بن مالک احمدی
- ۱۸۔ فاسط بن زہیر ثعلبی
- ۱۹۔ مسلم بن عوسجہ اسدی
- ۲۰۔ نعیم بن جحلان انصاری
- ۲۱۔ مرہ بن ابی مرہ غفاری
- ۲۲۔ عبد الرحمن بن عروہ غفاری
- ۲۳۔ انس بن کاہد اسدی
- ۲۴۔ عبد الرحمن بن عروہ غفاری
- ۲۵۔ قیس بن ربیع انصاری
- ۲۶۔ شیبث بن عبد اللہ ہشتی
- ۲۷۔ کنانہ بن عقیق انصاری
- ۲۸۔ کردوس بن زہیر ثعلبی
- ۲۹۔ عبید اللہ بن ثابت قیسی
- ۳۰۔ جریر بن مالک انصاری
- ۳۱۔ یزید بن ثابت قیسی
- ۳۲۔ عامر بن مسلم
- ۳۳۔ ضرنامہ بن مالک انصاری
- ۳۴۔ عامر بن مسلم انصاری
- ۳۵۔ عمرو بن عیثہ صحنی
- ۳۶۔ کعب بن صرہ نمری
- ۳۷۔ صف بن مالک انصاری
- ۳۸۔ سالم غلام آزاد
- ۳۹۔ سعد بن حجاج انصاری
- ۴۰۔ بدر بن منفل حنفی
- ۴۱۔ مجمع بن عبد اللہ
- ۴۲۔ مجاہد بن مروق
- ۴۳۔ مجاہد بن حسان مدنی
- ۴۴۔ جندب بن حجر خولانی
- ۴۵۔ حسان بن حارث
- ۴۶۔ جندب بن عبد اللہ
- ۴۷۔ طاہر غلام آزاد ابن الحنفی خزاعی
- ۴۸۔ یزید بن زیاد بن مظاہر کنزی
- ۴۹۔ جلد بن علی شیبانی
- ۵۰۔ مسلم بن کثیر اعرج ازدی
- ۵۱۔ قاسم بن حبیب ازدی
- ۵۲۔ زبیر بن سلیم ازدی
- ۵۳۔ عمر بن جندب حضرمی
- ۵۴۔ حنظلہ بن اسعد شیبانی
- ۵۵۔ عمرو بن عبد صائدی
- ۵۶۔ ابو تمامہ انصاری

- ۵۸۔ عبداللہ بن عبداللہ کندن اوجی ۵۹۔ عمار بن ابی سلام انصاری ۶۰۔ عابس بن ابی حبیب شاکری  
 ۶۱۔ شاذب غلام آزاد شاکری انصاری ۶۲۔ شیب بن عارث بن سیرج انصاری ۶۳۔ ماک بن سیرج انصاری  
 ۶۴۔ محمد بن انس انصاری ۶۵۔ مقداد انصاری ۶۶۔ سلمان غلام آزاد امام عالی مقام  
 ۶۷۔ قارب غلام آزاد امام عالی مقام ۶۸۔ عروہ بن غلام آزاد حرن زید ریاحی ۶۹۔ مصعب برادر حرن زید ریاحی  
 ۷۰۔ علی بن جریر ریاحی ۷۱۔ حرن زید ریاحی ۷۲۔ سعد بن عبداللہ اطلقی  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

۵

تمنائے شہادت کھینچ لاتی ہے جو مقتل میں

کوئی دم میں لگی دل کی بجھے گی آبِ خنجر سے

امام عالی مقام کے یہ ایک سو سے بھی کم جاں نثار میدانِ جہاد کی تیاری کر رہے تھے۔ ادھر  
 ابنِ سعد کے لشکر کی تعداد بیس ہزار سے کسی صورت بھی کم نہ تھی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ دل سے  
 یہ چاہتے تھے کہ یہ خون خرابہ نہ ہو مگر دشمن اس پر کسی طرح تیار نہ تھا۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ  
 لوگ کسی طرح بھی ٹپنے والے نہیں ہیں تو آپ اتمامِ حجت کے لیے ابنِ سعد کے لشکر کے  
 قریب تشریف لے گئے اور خطبہ دیا:

”اے عراق والو! تم خوب جانتے ہو کہ میں نواسۂ رسول ہوں، فرزندِ بتول ہوں،

دبند علی المرتضیٰ ہوں، برادرِ حسن مجتبیٰ ہوں، خونِ ناحق حرام ہے۔ میں تمہیں

آگاہ کرتا ہوں کہ تم اس گناہ میں مبتلا نہ ہو۔ میں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے۔ کسی

کا گھر نہیں جلایا ہے۔ کسی پر حملہ آور نہیں ہوا۔ اگر تم اپنے شہر میں میرا آنا نہیں

چاہتے ہو تو مجھے واپس جانے دو۔ تم سے کسی چیز کا طالب نہیں۔ تمہارے درپے آزار

نہیں، تم کیوں میری جان کے درپے ہو، اور تم کس طرح میرے خون کے جرم سے

بری ہو سکتے ہو۔ روزِ محشر میرے خون کا تمہارے پاس کیا جواب ہوگا، اپنا

انجام سوچو اور اپنی عاقبت پر نظر ڈالو۔ پھر یہ بھی سمجھو کہ میں کون ہوں اور کس کا

منظورِ نظر ہوں۔ میرے والد کون ہیں اور میری والدہ کس کی نعتِ جگر ہیں۔ میں



بتول زہرا کا نور دیدہ ہوں جن کے پلصراط سے گزرتے وقت ندا کی جائے گی کہ  
اے اہل محشر! اپنا سر جھکاؤ اور آنکھیں بند کر لو کہ خاتونِ جنت پلصراط سے  
شر ہزار عوروں کے ساتھ گزرنے والی ہیں۔ میں یہی ہوں جس کی محبت کو  
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی محبت فرمایا۔ میرے فضائل تمہیں معلوم  
ہیں۔ میرے حق میں جو احادیث ہیں ان سے تم بے خبر نہیں ہو۔ تم نے خود مجھ کو  
یہاں بلایا اور اب یہ میری مہمان نوازی کر رہے ہو! اسے گونے والو! تمہیں  
میرا حسب و نسب معلوم ہے جس کی مثل آج رفتے زمین پر نہیں ہے۔ پھر  
سوچ لو کہ تم نے خود ہی مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے پھر اب میرے خون کے پیاسے  
کیوں ہو گئے ہو۔ دیکھو یہ تمہارے خطوط ہیں (آپ نے خطوط کا تھیلا اٹھاتے  
ہوئے فرمایا)۔

اپنے لکھے ہوئے خطوط دیکھ کر بھی گونے والوں نے انکار کر دیا اور کہا ہم نے آپ کی  
طرف کوئی خط نہیں لکھا یہ خود ہی کہیں سے جعلی بنا لاتے ہو گے۔ امام عالی مقام ان کی کذیبانی  
پر حیران ہوئے۔ آپ نے فرمایا، "محبت تمام ہو گئی ہے۔"

## کربلا میں امام حسین علیہ السلام کی کرامتیں

آپ اتمامِ حجت فرما کر واپس خیمے کی طرف آئے تو مالک بن عروہ اپنا  
پہلی کرامت گھوڑا لے کر سامنے آیا اور یہ دیکھ کر کہ لشکرِ امام کے گرد آگ جل رہی ہے کہا  
اے حسین! تم نے دوزخ کی آگ سے پہلے یہیں آگ لگالی (نعوذ باللہ)۔ اس کا یہ گستاخانہ  
جملہ سن کر آپ نے فرمایا،

كَذَّبْتَ يَا عَدُوَّ اللَّهِ -

"اے دشمنِ خدا! تو جھوٹا ہے۔"

مسلم بن عویض نے اس کے منہ پر تیر مارنا چاہا مگر پیکرِ صبر و تحمل نے روک کر فرمایا، خبردار!  
میری طرف سے کوئی بھی جنگ کی ابتداء نہ کرے۔"

یہ کہہ کر آپ نے اپنے ہاتھ بارگاہِ خداوندی میں اٹھا دیے اور عرض کیا: "یا اللہ! عذابِ دوزخ سے قبل اس گستاخ کو دنیا کی آتش میں مبتلا کر۔" ابھی امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ نیچے نہیں آئے تھے کہ اس کے گھوڑے کا پاؤں ایک سوراخ میں پڑا اور وہ گھوڑے سے گرا اور اس کا پاؤں رکاب میں الجھا۔ گھوڑا اسے لے کر بھاگا اور آگ کی خندق میں ڈال دیا۔ اہل بیت کے گستاخ کو اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی سزا دے دی۔

ایک شخص نے امام کے سامنے آکر کہا: "اے حسین! دیکھ دیر پاؤں فرات دوسری کرامت کیسے ہو جیں مار رہا ہے، خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں ایک قطرہ بھی نہ ملے گا اور تم پیاسے ہی ہلاک ہو جاؤ گے۔" آپ نے اس کے حق میں یہ دعا کی:

اللَّهُمَّ اَمِّثْهُ عَطْشًا نًّا۔

"یا اللہ! اس کو پیاسا مار۔"

آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس کا گھوڑا بھاگا اور وہ شخص اس کو پکڑنے کے لیے دوڑا اور پیاس کی شدت اس پر غالب آئی اور اَلْعَطْشُ اَلْعَطْشُ پکارتا تھا۔ جب پانی اس کے منہ کو لگاتے تھے تو ایک قطرہ بھی نہ پی سکتا تھا حتیٰ کہ اسی طرح پانی پانی پکارتا مر گیا۔

جب ابنِ سعد کے لشکر کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے امام حسین نے تیسری کرامت فرمایا کہ میں وہ ہوں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاندھوں پر اٹھایا کرتے تھے تو اعداد میں سے ایک بیباک نے کہا کہ آپ کو پیغمبرِ خدا سے کیا نسبت! یہ کلمہ تو حضرت امام کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ آپ نے اس کے لیے بھی دعا فرمائی اور عرض کیا کہ:

"یارب! اس بد زبان کو فوری طور پر ذلت میں گرفتار کر۔"

امام نے یہ دعا فرمائی اور اس کو رفعِ حاجت کی ضرورت پیش آئی، گھوڑے سے اترا اور ایک طرف بھاگا اور کسی جگہ قضاے حاجت کے لیے بیٹھا ایک سیاہ بچھوٹے ڈنک مارا تو نجاست آلودہ تڑپتا پھرتا تھا۔ اس رسوائی کے ساتھ تمام لشکر کے سامنے اس ناپاک کی جان نکلی مگر سخت دلائن کو ذہن کو پھر بھی عبرت نہ ہو سکی۔

حضرت حر کی جاں نثاری امام حسین رضی اللہ عنہ نے کوئی لشکر کے سامنے  
 زندگی کی آخری تقریر کرتے ہوئے فرمایا:  
 ”کیا تمہیں فرمانِ رسول یاد نہیں کہ ہم جو انانِ جنت کے سردار ہیں، کیا میں  
 تمہارے نبی کی بیٹی کا بیٹا نہیں ہوں؟ جاو جابر بن عبد اللہ سے پوچھ لو، ابوسعید  
 خدری، زید بن ارقم اور انس بن مالک سے پوچھ لو۔“  
 قیس بن اشعث نے کہا: ”تم اپنے بنی عم کا کتنا کیوں نہیں مان لیتے؟“ آپ نے  
 جواب دیا:

”خدا کی قسم میں ذلیلوں کی طرح اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دوں گا، اور  
 غلاموں کی طرح اس کا اقرار نہیں کروں گا۔“

اس وقت حضرت حر بہت پریشان تھے وہ ابن سعد سے جا کر کہتے کہ تم امام کے ساتھ جنگ  
 کرو گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دو گے؟ ابن سعد کو اس کا جواب بن نہ  
 آتا تھا۔ حضرت حر دونوں خمیوں کے درمیان کھڑے کچھ سوچ رہے تھے کہ ان کے بھائی  
 مصعب نے کہا: تم جیسا بہادر اور یہ حالت! کیا سوچ رہے ہو؟ حضرت حر نے کہا: میں  
 جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہوں، ایک طرف جنت کے خوش رنگ پھول کھل رہے ہیں  
 اور ایک طرف جہنم شعلہ زن ہے۔ یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اہل بیت کے لشکر میں  
 آگئے اور امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کیا، اگر میں آپ پر قربان ہو جاؤں تو کیا پہلی  
 لغزش معاف ہو جائے گی؟

آپ نے فرمایا: ”تم دنیا و آخرت میں حر (آزاد) ہو۔“

ابن سعد اس صورتِ حال سے گھبرا گیا اور صفوان کو کہا کہ جا اور حر کو سمجھا کر واپس لے آ۔  
 صفوان نے آکر حضرت حر سے کہا کہ تم مرد دانا ہو، عاقل ہو، امیرِ شام، یزید کی رفاقت  
 چھوڑ کر حسین کی طرف کیوں آگئے ہو؟ واپس چلو اور حسین کو بھی چاہیے کہ وہ ہمارے امیر کی  
 بیعت کر لیں۔“

حضرت حر نے کہا: ہ



تو کیا ہے اور کیا ہے تراوہ امیرِ شام کرتے ہیں بادشاہ کہیں بیعتِ غلام  
تو بھی نمک حرام ہے وہ بھی نمک حرام اوبے اوبے بزرگبسا اور کجا امام  
دونوں سے دور رہتے ہیں ساکن بہشت کے کو بھی جہان نہیں آگے کنشت کے

کیوں چھوڑ کے دین فوج میں گمراہ کے آؤں حاکم کو ہنساؤں میں مستد کو رلاؤں  
کیا سا کم دنیا کا تو احساس کروں میں اور زہرا کے رونے کا نہ کچھ پاس کروں میں  
صفوان کو یہ جواب دے کر حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں یہ عرض کیا ہے

میرے اعمال میں ہر چند سراسر ہے بدی ہوں گنہ گارِ خدا سے ازلی ابدی  
آپ ہیں مالکِ سرکارِ اُحدی اے خداوندِ جہاں خُذْ بیدی خُذْ بیدی  
جو تہی نشت میں تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ آپ کا ہاتھ زماٹے میں ہے اللہ کا ہاتھ  
آپ نے خر کو سینے سے لگایا خر نے میدانِ جہاد کی اجازت چاہی اور شاندار جہاد کا  
مظاہرہ فرما کر جانِ جانِ آفریں کے سپرد کر کے حیاتِ ابدی سے سرشار ہو گئے۔

ایک نوجوان کا واقعہ پہلے ان بہتر جاں نثاروں نے داؤدِ شجاعت دیتے ہوئے  
اپنی جانیں راہِ حق میں قربان کر دیں۔ ان میں سے ایک نوجوان  
جن کا نام وہب بن عبد اللہ کلی تھا، اٹھارہ سال کی عمر تھی۔ اُٹھتی ہوئی جوانی اور شادی کو  
ابھی شہزادہ نہ ہوئے تھے۔ والدہ نے کہا: جاؤ بیٹا! شہزادہ حسین پر قربان ہو جاؤ! دنیا میں  
کوئی والدہ اپنا اکلوتا بیٹا اور وہ بھی جس کی شادی کی خوشیاں ابھی پُرانی نہ ہوئی ہوں، جدا  
ہوتے دیکھ کر کیسے زندہ رہ سکتی ہے۔ والدہ نے کہا: میری زندگی کی کماٹی تم ہو اور میری آرزوؤں  
اور امیدوں کی تمنائیں تمہیں سے وابستہ ہیں مگر اے میرے سعادت مند بیٹے! یہ سب امیدیں  
زہرا کے لال سے مقدم نہیں ہو سکتیں۔ جاؤ اور جامِ شہادت پی کر اللہ کی راہ میں سُرخ رُوئی  
حاصل کرو۔

سعادت مند بیٹے نے جواب دیا: "اماں جی! میں ایک لمحہ بھی دیر کرنے کے لیے

تیار نہیں مگر میرے ساتھ امیدیں وابستہ کرنے والی کا کیا ہوگا؟ والدہ! اگر آپ اجازت دیں تو میں جاتے وقت اسے تسلی دیتا جاؤں۔ والدہ نے کہا: بیٹا! عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں کہیں اس سعادۂ ابدی سے محروم نہ بھجانا۔ بیٹا! شہادت وہ نعمت ہے جو قسمت والوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔ دیکھنا کہیں بیوی کی محبت اس راہ میں حائل نہ ہو جائے۔ اچھا جاؤ اور اسے تسلی دے کر آؤ۔ دیکھنا جلدی سے آنا ہوگا۔

وہب نے اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا: اے میری ہمسفر! میں میدانِ جہاد میں جا رہا ہوں۔ آج سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ نظر، علی کے لال اور زہرا کے لاڈلے پر امتحان کا وقت آگیا ہے۔ میں تجھے تسلی دینے کے لیے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا اور صبر و شکر کے ساتھ وقت گزارنا۔

خاوند کا یہ ارادہ دیکھ کر نیک دل بیوی نے کہا کہ میں تیرے مرتبہ شہادت حاصل کرنے میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ میں تمہیں بخوشی اجازت دینے کے لیے تیار ہوں مگر تمہیں میرے ساتھ ایک وعدہ کرنا ہوگا کہ جب تمہیں مرتبہ شہادت نصیب ہو اور جنتی حواریں تمہیں لینے آئیں تو اس وقت میرے بغیر جنت میں داخل نہ ہونا۔ مگر میں یہ وعدہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روبرو لینا چاہتی ہوں۔

وہب نے کہا: مجھے یہ شرط منظور ہے۔

وہب اپنی والدہ اور بیوی کو ساتھ لیے امام عالی مقام کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے وہب کی والدہ نے امام عالی مقام کی خدمت میں عرض کیا: اے امام المسلمین! میری زندگی کی کمائی میرا صرف ایک ہی بیٹا ہے۔ مدت ہوئی اس کا باپ اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ میں نے اس کو بڑی محنتوں اور مشقتوں سے پال کر جوان کیا ہے ابھی اس کی شادی کو صرف سترہ دن ہوئے ہیں۔ حضور میدانِ جہاد میں جانے کی اجازت دیں تاکہ یہ اپنی عزیز ترین جان کو آپ کے قدموں پر قربان کر سکے۔

آپ نے بخوشی قبول فرما کر وہب کی بیوی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: ”تیرا شوہرا بھی ابھی دیدارِ الہی سے مشرف ہونے والا ہے۔ جو حق کو ترک کے جامِ پلانے کے لیے

جنت کی خوریں تیار کھڑی ہیں۔ بیٹی! آج تیری قسمت پر جنت کی خوریں رشک کر رہی ہیں۔  
تم ایک مجاہد اور غازی کی بیوی ہو۔“

حضرت امام کے یہ تسلی بخش الفاظ سن کر نیک دل خاتون کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔  
اس نے بھڑائی ہوئی آواز میں عرض کیا: ”حضور! مجھے ان سب باتوں پر ناز ہے مگر میں اسے  
اس شرط کے ساتھ میدان جنگ میں جانے کی اجازت دے سکتی ہوں کہ میرے بغیر جنت  
میں داخل نہ ہو۔ میں یہ وعدہ حضور کے روبرو لینا چاہتی ہوں، اور اس کے بعد حضور مجھے  
موقعہ دیں کہ میں باقی زندگی اہل بیت کی خدمت میں گزار دوں۔“

امام عالی مقام کے روبرو وہب نے دست بستہ عرض کیا: اے ابن رسول! مجھے  
اپنی بیوی کی یہ شرط منظور ہے کہ میں اس کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گا، اور میرے  
بعد حضور اسے اپنی خادماؤں میں منظور فرمائیں۔“

وہب سر پر خود پہنے جسم پر زبرہ زیب کیے ایک ہاتھ میں نیزہ اور دوسرے میں  
ڈھال لے کر دشمنوں کے سامنے آیا اور گرج کر کہا: ہ

أَمِيرُ حُسَيْنٍ وَ نِعْمَ الْأَمِيرُ  
لَهُ لُحْمَةٌ كَالسَّارِجِ الْمُنِيرِ

یہ جڑ پڑھنے کے بعد کہا:

هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ -

”ہے کوئی مقابلے میں آنے والا۔“

اس نوجوان کی ہیبت کو دیکھ کر دشمنوں کے دل دہل گئے۔ آپ دیر تک مقابل طلب  
کرتے رہے مگر لشکرِ اعداء میں سے کسی کو سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر ابن سعد نے  
اپنی فوج سے کہا کیا اس چھوٹے سے بچے کا مقابلہ کرنے کے لیے میری فوج میں کوئی بہادر  
نہیں ہے، بغیرت سے ڈوب کر مرتے کیوں نہیں! ایک معمولی سالار کا مقابل طلب کرتا ہے  
کوئی سامنے جانے کا نام نہیں لیتا، کیا سب بزدل ہو گئے ہو؟“

ابن سعد کا یہ طعنہ محکم بن طفیل برداشت نہ کر سکا اور گھوڑا دوڑاتا ہوا مقابلہ میں آ گیا۔



اس نے آتے ہی وہب پر نیزے کا وار کیا۔ وہب نے اس کا نیزہ پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ وہ گھوڑے سے گر گیا۔ وہب کی تلوار بجلی کی طرح اٹھی اور ایک ہی وار میں اسے اصل جہنم کر دیا۔ وہب تلوار کے کچھ ایسے جوہر دکھا رہے تھے کہ جو بھی سامنے آتا ایک ہی وار میں ٹکڑے کر دیا جاتا۔ بیس کو قتل کر کے وہب نے اپنے گھوڑے کی باگ خیمے کی طرف موڑ دی۔ بیوی ملکشکی باندھ کر دیکھ رہی تھی، والدہ کا میا بیوں کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

وہب نے گھوڑے سے اتر کر اپنی والدہ سے کہا: "امی جان! اب تو مجھ پر راضی ہو گئی ہو؟" والدہ نے کہا: "بیٹا! میں تجھ پر حشر تک راضی ہوں۔ پھر آپ اپنی دُہن کی طرف آئے جو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے سہاگ کو قربان ہوتا دیکھ رہی تھی۔ دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں زار زار آنسو ہیں۔ وہب نے فرمایا: "کیوں روتی ہو؟ کیا تم نے مجھے بخوشی اجازت نہ دی تھی؟"

ابھی آپ اسے تسلی ہی دے رہے تھے کہ میدانِ جنگ سے آواز آئی **هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ**۔ (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا) وہب یہ آواز سنتے ہی گھوڑے پر چڑھے اور الوداع کہتے ہوئے میدانِ جنگ کا رخ فرمایا۔ بیوی کی آنکھوں میں آنسوؤں کا ایک دریا تھا، جو بہہ نکلا: **سے**

جاں زغم فرسودہ دارم چوں نہ نالم آہ آہ  
دل بہ درد آلودہ دارم چوں نگریم زار زار  
وہب گھوڑا دوڑاتا ہوا میدان میں آگیا اور آتے ہی ایک ہی وار میں دشمن کا کام تمام کر دیا۔ ابنِ سعد نے کہا: "اگر یہی حال رہا تو یہ ایک ہی نوجوان میری فوج کا خاتمہ کر دے گا۔" اس نے حکم دیا کہ اس نوجوان پر یکبارگی حملہ کر دیا جاتے۔

حضرت وہب بن عبد اللہ کلبی پر تیروں کی بارش ہو گئی جسم پر تقریباً پندرہ سو تیر لگے اور وہب زمین پر گر گئے۔ دشمنوں نے سر قلم کر کے خیمے میں پھینک دیا۔ ماں نے خون میں نہانے ہوئے سر کو سینے سے لگایا اور پڑھا:

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

بیوی نے اپنے شوہر کا سر گود میں رکھا۔ سر کے دوپٹے سے چہرے کی گرد صاف کرتی ہے اور کہتی ہے: ہ

لے اویار حوالے رب سے لمتی پٹی لے جُدا ت

رب ملایا تے اُن ملاں گے ہو را امید کا ت

لے اویار حوالے رب سے میلے چار دناں سے

اُس دن عید مبارک ہو سی جس دن پھیر ملاں سے

یہ کہا اور اُس نیک دل بی بی کا سر بھی خاوند کی پیشانی پر جھک گیا، دیکھا تو اس کی رُوح بھی نفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی ص

سر کے دینے میں ذرا ٹوٹنے تامل نہ کیا

جب تمام جاں نثار ایک ایک کر کے جانیں قربان کر چکے تو

اہل بیت کی باری آئی: سب سے پہلے علی اکبر میدان میں جانے کی

تیار کر کے لگے اباجی سے اجازت لینے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ کی عمر سترہ سال تھی

اور حُسن و جمال اور خد و خال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے بلکہ اہلِ مدینہ حضور علیہ السلام

کے ویدار کے لیے بیتاب ہوتے تو علی اکبر کی زیارت کر کے دل کو تسلی دے دیا کرتے۔

جب آپ میدان میں جانے لگے تو آپ کے روئے مبارک پر چار گیسو تھے، دو آگے

اور دو پیچھے۔ آپ نے یہ رجز پڑھی: ہ

أَنَا عَلِيُّ ابْنُ حُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ

وَسَأَتِ الْبَيْتِ نَحْنُ أَوْلَى بِالنَّبِيِّ

”میں حسین بن علی کا بیٹا ہوں، بہ خدا ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

قریبی ہیں۔“

ابن سعد نے آپ کو آتا ہوا دیکھ کر حیران ہو کر شمر سے پوچھا: ”یہ کس کا ماہ پارا ہے؟“

اس کا چہرہ تو چاند سے بھی بڑھ کر روشن ہے۔“

شمر نے کہا: ”یہ حسین بن علی کا بیٹا ہے ہ“

بخشی ہے خدا نے اسے توقیر محمدؐ کیسویں کہ ہر زلف گرہ گیر محمدؐ  
 چہرہ ہے کہ آئینہ تصویر محمدؐ باتوں میں ہے رنگینی تقدیر محمدؐ  
 شوکت وہی صولت وہی دستور وہی ہے  
 نقشہ وہی، انداز وہی، نور وہی ہے

دیر تک دشمنوں کا کوئی آدمی آپ کے مقابلے میں نہ آیا۔ آخر آپ نے خود ہی ہڈی دل  
 لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپ کی تلوار دشمنانِ حق کے جسموں کو گاجر اور مولیٰ کی طرح کاٹی جا رہی تھی  
 پانچسو کے قریب سر قلم کیے جا چکے تھے۔ جب شدتِ پیاس نے ستایا تو خیموں کی طرف آکر  
 عرض کیا:

يَا ابْنَتَا عَمَّارَاتِ عَيْنَيَّ مِنَ الْعَطَشِ.

”ابا جان! پیاس کی شدت سے میری آنکھیں ختم ہو رہی ہیں۔“

امام عالی مقام نے فرمایا: ”بیٹا! تمہارے جدِ امجد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرضِ کوثر کا  
 جام لیے منتظر ہیں۔“

گھوڑا دوڑا کر پھر واپس میدان میں گئے اور پھر آپ کی تلوار دشمنوں کے سروں پر  
 برقِ صاعقہ وار بن کر چلی۔ آپ کا جسم زخموں سے چور چور ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر سستانے کے لیے  
 کھڑے ہوئے تو مروہ بن منقذ نے پیچھے سے نیزے کا وار کیا اور آپ زمین پر گر گئے۔ امام  
 عالی مقام گھوڑا دوڑا کر آئے، دیکھا تو دشمنوں نے لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے تھے  
 آپ نے اپنے نورِ نظر کے جسم کے ٹکڑوں کو جوڑا اور اٹھا کر خیمے میں لے آئے۔

جوانِ علی اکبر کا لاشہ دیکھ کر خیمے میں کھرام مچ گیا۔ والدہ لاشے سے چپٹ گئی اور کہا:

ۛ

واری! گئے نہ قبر میں اماں کو گاڑ کے

جنگل بسا دیا مری بستی اُجاڑ کے

آؤں کدھر کو اے علی اکبر جواب دو

بیٹا! جواب دو مرے دلبر جواب دو



پایا تھا متوں میں جسے خاک چھان کے  
ہم نے ہے کھویا لال وہ جھگل میں آج کے  
امام عالی مقام نے تمام اہل خیمہ کو صبر کی تلقین فرمائی اور کہا کہ امتحان دینے والے  
رویہ نہیں کرتے۔ پھر آپ نے شہزادے کو دفن کرتے ہوئے زمین کو خطاب فرمایا:

تینوں سے پاش پاش ہے سب جسم نازنین  
رکھو بہ احتیاط اسے دامن میں لے نہیں  
اٹھارہ سال کی ہے یہ دولت حسین کی

اب ہے ترے سپرد امانت حسین کی  
بعد ازاں عبداللہ بن مسلم، عبدالرحمن بن عقیل، محمد بن عقیل، قاسم بن حسن، حضرت  
زینبؓ کے دونوں صاحبزادے عون اور محمد اور حضرت عباس باری باری مناظر شہادت  
نوش فرماتے گئے۔ امام عالی مقام ان کی شجاعت و شہادت کے مناظر دیکھ ہی رہے تھے کہ  
نیچے سے رونے کی آواز آئی، آپ اندر گئے تو دیکھا کہ ننھا علی اصغر پیاس سے تڑپ رہا ہے۔  
علی اصغر کی عمر صرف چھ ماہ کی تھی۔ حضرت زینبؓ نے  
علی اصغر کی شہادت عرض کیا: بھائی جان! اور تمام مصیبتیں منظور ہیں مگر  
اس شیر غوار اصغر کی حالت نہیں دیکھی جاتی۔

آپ نے فرمایا: لاؤ اسے مجھے دو، شاید اس بچے پر کسی کو ترس آجائے۔  
آپ اسے ہاتھوں پر اٹھا کر لے گئے اور فرمایا: اسے قوم جفا کار! اس دودھ پیتے بچے  
نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا ہے کم از کم اسے تو ایک گھونٹ پانی دے دو۔  
اشقیاء کے دل پتھر ہو چکے تھے۔ پانی کے ایک گھونٹ کی بجائے حطلہ کا تیر آیا اور  
علی اصغر کے گلے کو چیرتا ہوا امام عالی مقام کے بازو میں پویست ہو گیا۔ آپ نے ایک  
حسرت بھری نگاہ سے آسمان کی طرف دیکھا اور تیر نکال کر پھینک دیا۔ خون کا فوارہ معصوم  
گلے سے ابل رہا تھا۔ امام عالی مقام نے اس خون سے ایک چلو بھر کر آسمان کی طرف

پھینکا اور کہا: یا اللہ! یہ تو ایک علی اصغر ہے ایسے ہزاروں علی اصغر ہوں تو ایک ایک کر کے تیری راہ میں قربان کرتا چلا جاؤں۔ اگر تیری رضا اسی طرح ہے تو حسین بھی اسی طرح راضی ہے۔

پھر وہاں سے جولا شہ لیے ہوئے شبیر  
کھڑی تھیں ڈیوڑھی میں رو رہی تھیں سب دلگیر  
قریب آ کے یہ بولے وہ شاہِ عرش سریر  
سدا رہے اصغر بے شیر کھا کے حلق پہ تیر  
تمہارا نہ لقا خون میں مہر گیا بانو  
ترپ کے گود میں معصوم مر گیا بانو

اب صرف شہزادہ زین العابدین اور امام حسین ہی  
امام حسین میدانِ کارزار میں باقی رہ گئے تھے۔ ان کے علاوہ بستانِ نبوی کی ساری  
کلیاں نسلی باپ کی تھیں۔ بیمار زین العابدین نے عرض کیا: "ابا جان! میں بے شک بیمار ہوں  
مگر پھر بھی میرے ہوتے ہوئے آپ میدانِ جنگ میں نہ جائیں مجھے اجازت دیجئے۔" مگر آپ  
نے فرمایا: "بیٹا! تم بیمار ہو تم کیسے جاسکتے ہو!"

آہ! کتنا استقلال اور حوصلہ ہے۔ بھائی، بھتیجے، بیٹے، بھانجے سب خون کی چاریں  
اوڑھ کر سو چکے تھے، لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے پڑے تھے، سہارے ٹوٹ چکے تھے،  
امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ مگر قربان جاؤں زہرا کے لال پر کہ ماستھے پر ذرہ بھر بھی شکن نہیں تھی۔  
خیمے میں آئے اور ہتھیار لگا کر میدان میں جانے کی تیاری کرنے لگے۔ اتنے نازک اور امتحان کے  
وقت بھی آپ صبر کی تلقین فرما رہے تھے۔ تمام بیٹیوں کو اکٹھا کر کے فرمایا: "میری وفات پر بال  
نہ نوچنا، کپڑے نہ پھاڑنا۔ آہ و بکا، نالہ و شیون مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو زیب  
نہیں دیتا۔"

لو! لوداع لاش پہ اب آ کے روئیو      لیکن نہ خاک اڑا کے نہ چلا کے روئیو  
زانو پہ سر رکھ کے نہوڑا کے روئیو      قبرِ رسولِ پاک پہ ہاں جا کے روئیو

لُٹے میں میر شکر تباہی میں چاہیے

رونا بشر کو خوفِ الہی میں چاہیے

آپ ایک ایک کو تسلیاں دے رہے ہیں۔ جب آپ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو دیکھا کہ گھوڑا کانپ رہا ہے۔ آپ نے دیکھا گھوڑے کے ساتھ معصوم سکیں کھڑی ہے اور رو رہی ہے "ابا جی! مجھے تیم کر کے جا رہے ہو، اب ابا جان" کہہ کر پکاروں گی۔" امام عالی مقام نے گھوڑے سے اتر کر بچی کو سینے سے لگایا اور تسلی دی۔ اس بیٹی کو تسلی دے رہے تھے کہ دوسری بیٹی کا خط پہنچا۔ اس خط کا مضمون بعض روایتوں میں اس طرح آتا ہے، پنجابی کے ایک شاعر نے اس کو یوں نظم کیا ہے: نہ

### صغریٰ کا خط

✓ حال زار دے رب رسول شاہد اشکبار نے ارض و سما بابا  
تساں جدوں مدینوں کوچ کیتا دستاں یکہ ورتی میرے بھابھا  
پھوپھی جی زینب، اتاں شہر بانو طسن کہوں کلیرے لا بابا  
چھپی کسے بیمار دی سار ناہیں گئیاں مدتاں ڈھیر ودا بابا  
اصغر بال ہن تے گلاں ہوگ کر دا دہن وچ کلیرے گھا بابا  
نختے لال دا رونی ہاں رات پھلی جھولا نال خیال جھلا بابا  
کدی فاطمہ بی بی دی قبرا تے کدی روئے تے رونی ہاں جا بابا  
آہیں میریاں تھیں ڈردی اڈ جاندی ٹھنڈی صبح دی باد صبا بابا  
نام رب دے سد نو کول اپنے کرساں خدمتاں ادب بجا بابا  
بھیا اصغرنوں لوریاں دیوساں گی نالے لواں گی کول سلا بابا

لے یہ خط امام عالی مقام کی صاحبزادی صغریٰ کا تھا جو مدینہ طیبہ ہی میں رہ گئی تھیں اس لیے کہ ان کے خاوند حضرت امام حسین کے بڑے بھائی محمد بن حنیفہ کے پاس ہی رہ گئے تھے۔



ایسا صُغریٰ غریب نوں بھل گئے ہو بختو چا جے کوئی خطا بابا  
 گرتے اصغر لئی اک تیار کیتا ہمتیں دیوساں آپ پہنا بابا  
 من واسطے بہت اُداس ہاں میں کرو کرم بنام خدا بابا  
 پانی بھراں گی کپڑے دھو دوساں گی کھانا لواں گی خوب پکا بابا  
 امام عالی مقام اس درو بھرے خط کو لے کر خیمے میں گئے۔ خط سننے ہی ایک دم کُہرام برپا ہو گیا۔  
 مخلصانے کے بعد آپ خیمے سے باہر آئے اور قاصد سے کہا کہ اس امتحان کرب و بلا میں آئیوالے  
 واپس مدینہ پاک جا کر میری بیٹی کو میرا بھی ایک پیغام پہنچا دے۔ آپ نے فرمایا:

### خط کا جواب

آکھیں صُغریٰ توں جا کے باپ تیرا کربل و سدی جھوک لٹا بیٹھا  
 نیچے عون و محمد تے اکبر اصغر قاسم آتے عباس کُما بیٹھا  
 اپنے وچ مقصد کامیاب ہو کے سید رب دا شکر بجا بیٹھا  
 باقی دم دا دم مہمان ہاں میں لگی پیرت نوں توڑ نہیا بیٹھا  
 آکھیں قاصدا خط نوں چم کے تے بابا رو رو زیر ودا بیٹھا  
 میرا باغبان باغ اُجاڑیا اسے کر کے صبر میں تن تنہا بیٹھا  
 میری یاد ستائے تے صبر کرنا صبر نال مقصود میں پا بیٹھا  
 ساتی پوریا جام شہادتاں دا منہ شوق دے نال میں لا بیٹھا  
 اب امام عالی مقام رضی اللہ عنہ ابن سعد کے لشکر کے سامنے جلوہ افروز ہیں۔ کوئی  
 فوج علی کے شیر کارِ عیب و دبدبہ دیکھ کر لرز گئی ہے

کس شیر کی آمد ہے کہ زن کانپ رہا ہے

زن ایک طرف چرخ کھن کانپ رہا ہے

آپ نے لشکر کے سامنے تشریف لا کر ان سنگ دل ظالموں کو آخری بار قرابتِ سول

اور اپنی عزت و حشمت یاد دلائی۔

کہنے لگے حسین ہوں ابن رسول ہوں  
 سردار اہل خلد ہوں جنت کا پھول ہوں  
 آپ نے کوئی شکر کے سامنے زندگی کا آخری خطبہ دیا، جسے  
 آخری خطبہ ابن خلدون نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

”اے قوم! خدا سے ڈرو جو سب کا مالک ہے۔ جان دینا، جان لینا سب  
 اس کی قدرت، اس کے اختیار میں ہے۔ اگر تم خداوندِ عالم جل جلالہ پر یقین  
 رکھتے ہو اور میرے بڑے امجد سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر  
 ایمان لائے ہو تو ڈرو کہ قیامت کے دن میزانِ عدل قائم ہوگی، اعمال  
 کا حساب کیا جائے گا۔ میرے والدین محترمین اپنی آل کے بے گناہ خونوں  
 کا مطالبہ کریں گے۔ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شفاعت  
 گنہگاروں کی بخشش کا ذریعہ ہے اور تمام مسلمان جن کی شفاعت کے امیدوار  
 ہیں وہ تم سے میرے جاں نثاروں کے خونِ ناحق کا بدلہ طلب کریں گے۔ تم  
 میرے اہل و عیال، اعزہ و اطفال و موالیٰ میں سے ستر سے زیادہ کو شہید کر چکے  
 اور اب میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہو۔ خبردار ہو جاؤ کہ عیش دنیا میں پائیداری  
 قیام نہیں اگر سلطنت کے طمع میں میرے درپے آزار ہو تو مجھے موقع دو کہ میں  
 عرب چھوڑ کر دنیا کے کسی اور حصہ میں چلا جاؤں۔ اگر یہ کچھ منظور نہ ہو اور اپنی حرکت  
 سے باز نہ آؤ تو ہم اللہ کے حکم اور اس کی مرضی پر صابر و شاکر ہیں۔“

امام عالی مقام کی زبانِ پاک سے یہ کلمات سن کر بہت سے کوفیوں کی آنکھوں میں آنسو  
 آگئے۔ وہ جانتے تھے کہ ہم برسرِ ظلم و جفا ہیں اور امام مظلوم حق پر۔ ابن سعد یہ صورت دیکھ کر  
 گھبرا گیا، کہنے لگا آپ قصہ مختصر کیجئے اور ابن زیاد کے پاس چل کر یزید کی بیعت قبول کر لیجئے۔ ورنہ  
 جنگ کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

اس بات سے حضرت امام بخاری واقف تھے مگر آپ نے یہ خطبہ اتمامِ حجت کے لیے

فرمایا تھا۔ باطل کے ہاتھ پرستی کیسے بیعت کر سکتے ہیں! آخر شہر کی بھڑکانی ہوئی قوم  
تن تنہا اور مظلوم شہزادہ پر تلوا ریں چلانے کے لیے تیار ہو گئی۔ جب امام عالی مقام نے دیکھا کہ  
یہ لوگ جنگ کے بغیر ٹلنے والے نہیں ہیں تو آپ یہ جہز پڑھتے ہوئے میدان میں آگئے یہ

أَنَا ابْنُ عَلِيٍّ الْخَيْرِ مِنْ آلِ هَاشِمٍ  
كُنَّا فِي هَذَا مَفْخَرًا حِينَ أَفْخَرُ  
وَجَدِي رَسُولُ اللَّهِ أَكْرَمُ مِنْ مُنَى  
وَنَحْنُ سِرَاجُ اللَّهِ فِي النَّاسِ أَنْزَلَهُ  
وَفَاطِمَةُ أَرْحَى سُلَالَةَ أَحْمَدَ  
وَعَمِّي يُدْعَى ذَا الْجَنَاحَيْنِ جَعْفَرُ  
وَفِينَا كِتَابُ اللَّهِ أَنْزَلَ صَادِقًا  
وَفِينَا الْقُدَى وَالْوَحْيُ وَالْخَيْرُ يُذَكِّرُ

”میں اس علی کا فرزند ہوں جو بہترین بنو ہاشم تھے۔ نبی فخر کے وقت یہ بات  
میرے لیے کافی باعث افتخار ہے اور میرے نانا رسول خدا تھے جو ساری  
خلق سے افضل ہیں اور ہم لوگ انسانیت کے لیے اللہ کا روشن چراغ ہیں اور  
میری والدہ فاطمہ ہیں جو رسول اللہ کا جگر پارہ تھیں اور میرے چچا حضرت جعفر  
طیار ذوالجناحین ہیں ہم پر اللہ کی سچی کتاب نازل ہوئی اور ہمارے گھرانے  
میں ہدایت، وحی اور نیکی کا پر چاہے۔“

چشم فلک میں یہ منظر کبھی نہ آیا ہو گا۔ بیس ہزار عراقی سورما ایک طرف، مدینہ کا مظلوم  
مجاہد ایک طرف۔ انعام و اکرام کی لالچی مسلح فوج ایک طرف اور راہ حق میں بھلبھے، بھتیجے،  
بیٹے قربان کرنے والا تنہا مسافر ایک طرف شکستہ دل ہے، خستہ جاں ہے، غم زدہ و  
غم خوردہ ہے اور پھر گرمی کی شدت، پیاس لہجہ بہ لہجہ بڑھتی جا رہی ہے۔ ایک بے جیا ابن شیر خدا  
کے مقابل آیا، اپنی بہادری کی ڈینگیں مار رہا ہے، غرور و تکبر میں سرشار ہے، اپنے لشکر  
اور تنہائی امام پر نازاں ہے! ظالم نے تلوار کھینچی ابھی وار کرنا ہی چاہتا ہے، ہاتھ اٹھایا ہی تھا



کہ فاتحِ خیبر کے لال نے ایک ہی ضرب میں سر کاٹ کر دُور پھینک دیا، غرور و شجاعت خاک میں مل گئی۔ دُوسرا بڑھا اور چاہا کہ امام کے مقابلہ میں اپنی ہنرمندی کا مظاہرہ کر کے سیاہ دلوں میں سرخروٹی حاصل کر لے۔ کہنے لگا کہ بہادرانِ کوہِ شکن میری بہادری کا لوہا مانتے ہیں۔ مصر و شام اور عراق میں میری شجاعت کے غلغلے ہیں حسین! آج تم بھی میرے داؤ پیچ دیکھو گے۔

کوفہ کی فوج اس کی تعلیموں سے بہت خوش ہوئی۔ ابنِ سعد کے لشکریوں کو یقین تھا کہ حضرت امام پر بھوک و پیاس کی تکلیف حد سے گزر چکی ہے، صدموں نے کمزور کر دیا ہے۔ ایسے وقت میں امام پر غالب آجانا کچھ مشکل نہیں ہے۔ سپاہِ شام کا یہ سرکش گستاخ جب امام عالی مقام کے سامنے کیا تو آپ نے فرمایا: تُو مجھے جانتا نہیں جو میرے مقابل اس دلیری سے آتا ہے سمجھتا ہے کہ بیکس و بے کم ہوں، یاد رکھ کہ تمہاری فوج کے ایک ایک بہادر کی بہادری و سرکشی خاک میں ملا دوں گا، میری نظر میں تمہاری کوئی حقیقت نہیں۔ یہ سن کر شامی جوان کو اور زیادہ طیش آیا اس نے بڑھ کر حضرت امام پر وار کیا۔ آپ نے وار پچا کر اس کی کمر پر تلوار ماری، معلوم ہوتا تھا پھر اسے جو کٹ گیا ہے۔

ابنِ سعد کے لشکر کو اطمینان تھا کہ امام حسین کے بغیر اب باقی تو رہا ہی کوئی نہیں کب تک نہ تھکیں گے ایک ایک کے مقابلے میں ہمارا کوئی بہادر تو کامیاب ہو گا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے ایک ایک سورا آتا رہا۔ ابنِ زہرا نے کسی کے سر پر تلوار ماری تو زینِ تھک کاٹ ڈالی، گردن پر ماری تو خزاں کے پتوں کی طرح اڑنے لگے کسی کے حمالی ہاتھ مارا تو قلمی تراش دیا۔ خود کاٹے، مغز اڑائے، جوشن و آئینے قطع کر دیے۔ نینو پر اٹھا کر پٹکا، پسلی پسلی چور کر دی کسی کے سینے میں نیزہ مارا تو پار کر دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ زمین کربلا میں لاشوں کے کھیت بو دیے گئے ہیں۔ بڑے بڑے فخر و روزگار ختم ہو گئے۔ بہادرانِ کوفہ کی نعشوں کے انبار لگا دیے۔ دشمن کے لشکر میں شور برپا ہو گیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو حیدر کا شیر کوفہ کے زن و اطفال کو بیوہ اور یتیم بنا دے گا۔ اس کی تیغِ خون آشام سے کوئی بچ کر نہ نکل سکے گا۔ موقعِ مت دو، چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کر دو۔

ماہِ چرخِ حقانیت پر جو ز و جفا کی تاریک گھٹاپا چھا گئی۔ ہزاروں کوئی تنہا امام پر اپنی بہادری کے

جو ہر دکانے کے لیے دوڑ پڑے اور تلواروں سے حملہ کر دیا۔ حیدر کرار کے شہزادے نے انہیں  
 بڑھ کر روکا اور ایسا جوابی حملہ کیا معلوم ہوتا تھا جو بکریوں کا ریوڑ ہے کہ شیر سے جان بچاتا پھر رہا ہے  
 امام حسین نے جس طرف گھوڑا بڑھایا پرے کے پرے کاٹ ڈالے۔ دشمن ہیت زدہ ہو گیا فوج  
 کے پاؤں اکھڑ گئے۔ شدت قتال سے آپ پر تشنگی غالب آنے لگی۔ آپ قطاروں کو کاٹتے  
 ہوئے فرات کے کنارے پہنچ گئے۔ شمر چلایا کہ حسین کو پانی نہ پینے دینا ورنہ یہ ہمارا ایک آدمی بھی  
 زندہ نہ چھوڑے گا۔ آپ نے پانی کا چٹوا اٹھایا ہی تھا کہ حسین بن نمیر نے دندان مبارک پر تیر مارا۔  
 دہن اٹھر سے خون کا فوارہ چھوٹا اور پانی کا چٹو خون کے چٹو میں تبدیل ہو گیا۔ آپ نے اس کو  
 آسمان کی طرف اچھال دیا۔

یہ حوصلہ اہل رضا تو بھی دیکھ لے

او بے نیاز خون وفا تو بھی دیکھ لے

ابن سعد اور اس کے مشیر بہت گھبرائے کہ کوفیوں کی عزت خاک میں مل گئی۔ تمام ناموران  
 کوفہ کی جماعتیں ایک جہازی جوان سے شکست کھا گئیں۔ تاریخ عالم میں ہماری نامردی کا یہ واقعہ  
 ہمیں ہمیشہ رُسوا کرتا رہے گا۔ کوئی تدبیر ہو کہ اس شیر سے اپنی بھیڑیں بچا سکیں یا اسے کسی  
 دھوکہ سے جال میں پھنسا سکیں۔ تجویز یہ ہوئی کہ تلواروں کی جنگ ہم جیت نہیں سکتے۔ حسین کی  
 ایک تلوار ہزاروں پر حاوی ہے۔ اس کے بغیر اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ چاروں طرف سے  
 امام پرتیروں کی بارش کی جائے۔ چنانچہ ہر طرف سے تیر برسے لگے۔ گھوڑا زخموں سے چور چور ہو گیا،  
 جسم نازنین ہزاروں تیروں سے چھلنی ہو گیا۔

آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے

ظلم کی چاند پہ زہرا کے گھٹا چھائی ہے

اس طرف لشکرِ اعداء میں صف آرائی ہے

یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے

برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں

مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاریوں میں

خون میں ترویج عامے کے ہیں سر زخمی ہے  
 ہے جیں چاند سی پُر نور مگر زخمی ہے  
 سینہ سب بر چھپوں سے تا بہ کمر زخمی ہے  
 تیر بیداد سے دل زخمی جگر زخمی ہے  
 شدتِ ضعف سے جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں

سینکڑوں تیر ستم تن سے گزر جاتے ہیں

یہاں تک کہ گھوڑے میں سکت باقی نہ رہی۔ امام ایک مقام پر کھڑے  
 ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف سے تیر آرہے ہیں۔ نورانی جسم لہو لہان ہو رہا ہے۔ ایک تیر آپ کی  
 پیشانی اقدس پر لگا۔ یہ پیشانی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بوسہ گاہ تھی۔ ایک اور تیر گردن میں  
 پیوست ہو گیا۔ ابھی آپ اسے نکال ہی رہے تھے کہ زر بن شریک نے تلوار کے کئی وار کیے۔  
 اور سنان نے نیزہ مارا جس سے جسم نڈھال ہو گیا، اور آپ زمین پر گر گئے۔ جسم نازنین  
 پر ۳۳ زخم نیزے کے، ۲۴ تلوار کے اور تیروں کا تو شمار ہی نہیں۔ ضعف کے سبب زمین سے  
 اٹھا نہیں جاتا۔ سنان بن انس نخعی نے خولی بن یزید کو حکم دیا کہ سر کاٹ لے۔ وہ آگے بڑھا  
 مگر ہمت نہ ہوئی۔ سنان نے کہا تیرا ہاتھ کیوں شل ہو گیا۔ پھر خود گھوڑے سے اُترا اور تاجور مات  
 کا سر اقدس جسم اطہر سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

محرم کی دس تاریخ ۱۱۸ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۷۸۵ء بروز جمعہ ۵۶ سال ۵ ماہ اور ۵ دن  
 کی عمر میں آپ نے رفیقِ اعلیٰ کی طرف سفر فرمایا۔

اس میں ہوئی ہیں موت کو پیہم ہزیمتیں  
 کربِ بلا کی خاک ہے میدانِ زندگی

①

جس نے حق کر بلا میں ادا کر دیا  
 اپنے نانا کا وعدہ وفا کر دیا  
 گھر کا گھر سب سپردِ خدا کر دیا



کر لیا نوش جس نے شہادت کا جام  
اس حسین ابن حیدر پر لاکھوں سلام  
ظالم کوفیوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خیموں میں گھس گئے۔ سامان لوٹ لیا اور آگ  
لگادی۔ لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر وحشت و بربریت کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اس طرح ۲۰ محرم کو  
اترنے والا قافلہ اپنے میزبانوں کے انتہوں بالکل بجز چکا تھا۔  
سیمان بن قتیبہ خدری کہتا ہے:۔

مَرَدْتُ عَلَى أَيْيَاتِ آلِ مُحَمَّدٍ  
فَلَمَّا أَرَأَيْتُهَا يَوْمَ حَبَلَتْ  
وَكُنَّا نُوَاغِيَا ثَائِمًا ضَحِيًّا مَرِيئًا  
إِلَّا عَظُتُ رَيْلَكَ الرِّدَايَا وَحَلَّتْ

”میں اولاد رسول کے خیموں کے پاس سے گزرا تو مجھے وہ رونق نظر نہ آئی جو  
اُن کے یہاں اُترنے کے وقت تھی۔ یہ تو لوگوں کے حامی و ناصر تھے اور  
اب خود مظلوم بن کر رہ گئے ہیں، ہائے یہ کتنے عظیم مصائب ہیں۔“

آسمان سُرخ ہو گیا  
امام عالی مقام کی شہادت کے فوراً بعد آسمان کے کناروں  
سے سُرخ بخار اُٹھا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام جہان تاریک  
ہو گیا اور اس قدر اندھیرا چھا گیا کہ پاس کھڑے ہوئے آدمی کی صورت تک نظر نہ آتی تھی۔  
تھوڑی دیر بعد وہ اندھیرا دور ہو گیا اور آسمان سے خون ٹپکنے لگا یہاں تک کہ جس چیز کو  
دیکھتے تھے اس میں خون ہی خون نظر آتا تھا۔ جس پتھر کو اٹھایا جاتا اس کے نیچے تازہ خون  
موجود ہوتا۔ تھوڑی دیر بعد غائبانہ آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ یہ آوازیں جنات کی تھیں وہ  
یہ اشعار پڑھ رہے تھے:۔

مَسَحَ النَّبِيُّ جَبِينَهُ      فَلَمَّا بَرِيَتْ فِي الْخُدُودِ  
أَبَوَاهُ مِنْ عُلْيَا قُرَيْشٍ      وَجَدَهُ خَيْرَ الْجُدُودِ  
”نبی نے ان کی پیشانی سے چومی      کہ روشن جس کا چہرہ چاند سا تھا

علی تھے باپ گر اعلیٰ قریشی تو نانا ان کا تھا سرور جہاں کا  
 سنگدل کوئی فوجوں نے اپنی نام نہاد فتحمندی کی خوشی میں ایک جشن  
 گوفیوں کا جشن ترتیب دیا۔ اس جشن میں امام عالی مقام کے ساتھیوں کے سر کو تقسیم کیا گیا۔  
 بائیس سر قبیلہ بنی ہوازن کو دیے گئے، تیرہ ابن اشعث کو، چھ بنی اسد کو، چودہ بنی تمیم کو،  
 پانچ بنی کنندہ کو اور بیس متعدد اہل شہر کے حوالے کیے گئے۔

امام عالی مقام کا سر انور خولی بن زید کے پاس تھا۔ آپ کا عمامہ عمرو بن زید نے لیا، چادر  
 زید بن سعد نے، زہرہ اور انگوٹھی سنان بن یحییٰ نے، ذوالفقار مالک بن شبیر نے، قمیص  
 یحییٰ بن کعب نے، اور بقیہ لباس مع نعلین مبارک مالک بن کندی کے ہاتھ آیا۔ تقسیم کے  
 بعد اعلان ہوا کہ تمام سروں کو نیزوں پر چڑھایا جائے۔

کاروان نبوت کے ان صابر کاروانیوں کی راہ میں ابھی کچھ اور منزلیں بھی  
 کوفہ کو واپسی طے کرنا باقی تھیں۔ ابی سعد کے سپاہی فاطمی خواتین، بچیوں اور عابد بیمار کو  
 ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بیسیوں نے اپنے شہداء کی لاشیں زمین پر بے گورد  
 کفن دیکھیں۔ خاندان نبوت سے یہ منظر نہ دیکھا گیا۔ امام حسین علیہ السلام کی ہمشیرہ حضرت زینب  
 دوڑ کر اپنے بھائی کے لاشے سے چٹ گئی، رو رو کر عرض کیا: اے

دوس میرے سر کج نہ دیوں آج بھین تیری مجبور لے  
 رکتوں لیاناں کفن تیرا میں ایتھوں شہر دینہ دور اے

ایک شاعر نے کہا ہے: ۵

کون شبیر وہ جس کا نانا نبی  
 جس کی ماں فاطمہ جس کا بابا علی  
 خاک پر پائے گھوڑوں سے کچلا ہوا

اُس کا لاشہ پڑا آج کی رات ہے

کس کا سر لے چلے تن سے کر کے جدا  
 جسم اطہر تڑپتا ہوا رہ گیا

لب پر مشیر کے نیزہ شام پر

الوداع الوداع آج کی رات ہے

شہداء کے سروں کو اٹھائے ہوئے یہ لشکر خوشیاں مناتا ہوا واپس کوڑا رہا تھا۔ ابھی زیادہ دُور نہیں جاسکے تھے کہ سامنے ہوا میں ایک ہاتھ نظر آیا جس پر یہ لکھا تھا: ہ

اَتَرْجُوا اُمَّةٌ قَلَّتْ حُسَيْنًا

شَفَاعَةَ جَدِّهِ يَوْمَ الْحِسَابِ

”جس قوم نے حسین کو قتل کیا، کیا اس کے نانا کی شفاعت کی امید رکھ سکتی ہے؟“

مٹی خون بن گئی۔ ترمذی شریف جلد ثانی میں ہے ایک عورت کہتی ہے میں محرم کی دس تاریخ مٹی کو مدینہ طیبہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں۔ میں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو ام المومنین نے فرمایا میں نے ابھی ابھی خواب دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر انور اور ریش مبارک پر گر دو غبار ہے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے؟ تو آپ نے فرمایا، میں ابھی کربلا سے آرہا ہوں آج میرے حسین کو قتل کر دیا گیا ہے۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ مجھے وہ مٹی یاد آگئی جو شہزادہ حسین کی پیدائش کے وقت جبریلؑ نے میدان کربلا سے لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی مجھے دے کر فرمایا، اے ام سلمہ! اس مٹی کو اپنے پاس رکھو، جس دن میرا حسین قتل ہو گا یہ مٹی خون ہو جائے گی۔ آج حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ مٹی دیکھی تو وہ خون بن چکی تھی۔ اس مٹی کو میں نے ایک شیشی میں سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

خولی بن یزید لشکر سے کافی آگے نکل چکا تھا۔ راستے میں ایک راہب کا ایک راہب عبادت خانہ نظر آیا۔ خولی ذرا سستانے بیٹھ گیا۔ راہب نے باہر نکل کر پوچھا،

یہ سرکس کا ہے؟



خولی : حسین کا ہے۔

سراہب : حسین کون ؟

خولی : علی شیر خدا کا بیٹا۔

سراہب : وہی علی جو تمہارے نبی کے داماد تھے ؟

خولی : ہاں۔

سراہب : پھر یوں کیوں نہیں کہتے کہ ہمارے نبی کے نواسے کا سر ہے ، فاطمۃ الزہراء کے نورِ نظر اور نعتِ جگر کا سر ہے۔

راہب نے خولی سے کہا کہ دس ہزار درہم میں تمہیں دے دوں گا یہ سرِ اقدس ایک رات میرے پاس رہنے دو صبح جاتے وقت لے لینا : خولی جس نے درہم کے بدلے ایمان بیچا تھا کب انکار کرتا تھا فوراً دے دیا۔ اس راہب نے خوشبو لگا کر ایک بلند چوٹی پر رکھا اور ساری رات اس کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہا۔ جب نصف رات گزر گئی تو سرِ اقدس کی پیشانی سے ایک نور نکلا جس سے عبادت خانہ روشن ہو گیا۔ راہب نے کہا : یا حسین ! بیشک آپ زندہ ہیں میں آپ کو گواہ کر کے کہتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ

حسن زبیر و بلال ز حبش صہیب از روم

ز خاک مکہ بوجہل زیں چہ بواجبھی ست

راہب نے صبح سرِ اقدس کو واپس کیا تو اس نعمت کی واپسی پر اس کا دل لیج رہا تھا آنکھیں رو رہی تھیں۔ خولی بن یزید نے جب راستے میں حاصل کیے ہوئے درہم کھولے تو وہ ٹھیکریاں بن چکے تھے اور ان کے ایک طرف لکھا تھا :

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ۔

خدا کو ظالموں کے کردار سے غافل نہ جانو !

اور دوسری طرف یہ آیت مکتوب تھی :

وَسَيَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مَنَقَلٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۔

”اور ظلم کرنے والے معتریب جان لیں گے۔“

شکر کو فہ پہنچ گیا ابن سعد کا لشکر خوشیاں مناتا جب واپس کو فہ پہنچا تو ابن زیاد نے تمام شہر میں اعلان کرایا کہ کوئی آدمی ہتھیار لے کر باہر نہ نکلے۔ عوام خاندان نبوت کے لئے ہوئے قافلے کی بے کسی پر زار زار رونے لگے شہسزادہ زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

”تم روتے ہو بتاؤ ہمیں قتل کس نے کیا ہے؟“

خولی بن یزید کی بیوی خولی سراقہ کو لے کر کو فہ پہنچا، گھر گیا اور سر مبارک کو تنور میں رکھ دیا اور سو گیا۔ اس کی بیوی بڑی نیک تھی۔ رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی تو دیکھا کہ تنور میں روشنی تھی۔ اس نے کہا میں تو آگ بجھا کر سوئی تھی یہ روشنی کیسی! قریب گئی تو عجیب منظر دیکھا، تنور میں ایک سر موجود ہے اور اس سے نور نکل رہا ہے اور اس کے گرد چار عورتیں بیٹھی ہیں، ان سے ایک کہہ رہی تھی،

”اے میرے لال! اے میرے شہید! اے میری آنکھوں کے نور! اللہ روز جزا تیرا انصاف فرمانے گا، جب تک تیرا خون بہا نہ لے لوں گی عرش الہی کا کنگرہ نہ چھوڑوں گی۔“

خولی کی بیوی یہ منظر دیکھ کر بیہوش ہو گئی۔ غیب سے آواز آئی کہ تم پریشان نہ ہو خداوند کے گناہ میں تم ماخوذ نہ ہو گی یہ بیبیاں جو تو دیکھ رہی ہے یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت فاطمۃ الزہراء، حضرت مریم اور حضرت آسیہ رضی اللہ عنہن ہیں۔ اس نے سراقہ کو تنور سے نکال کر نہایت تعظیم و تکریم سے بلند مقام پر رکھا اور خولی کو جگا کر کہا،

”اے مردود! تو نے کہا تھا کہ ایک باغی کو قتل کرنے گیا تھا اور یہ نبی کے نواسے کا سر! ظالم! یہ دیکھ آسمان تجھ پر لعنت بھیج رہا ہے، اور دیکھ اس سر کی زیارت کے لیے ملائکہ آ رہے ہیں۔ بس میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اے سنبھال اپنے گھر کو میں جاتی ہوں۔“

خولی نے کہا کہ تیرے جانے سے میرا گھر تباہ و برباد ہو جائے گا۔ عورت نے کہا خدا کرے تیرا گھر برباد ہو جائے، تیرے سب بچے تباہ ہو جائیں۔ تو نے خاتون جنت کا گھر اجاڑا ہے خدا تیرا

گھرا جاؤں۔

یہ کہہ کر اس نے چادر اوڑھی اور جنگل کو نکل گئی۔ پھر کسی نے اس کا نشان نہ پایا۔

رات گزر گئی صبح ابن زیاد نے دربار لگایا۔ مجلس لوگوں سے بھر گئی۔

ابن زیاد کا دربار ابن زیاد کے ہاتھ میں چھڑی تھی، حضرت امام عالی مقام کے لب پر مارنے لگا۔ دربار میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی زید بن ارقم موجود تھے۔ ابن زیاد کی یہ حرکت برداشت نہ کر سکے، بولے،

”اوغلام! تجھ پر خدا کی مار، چھڑی ہٹا لے، خدا کی قسم یہ وہ مبارک لب ہیں جن کو

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ حضور علیہ السلام بار بار چوما کرتے تھے۔

خدا تیرے ہاتھ توڑ دے، اللہ تجھے فنا کرے۔“

ابن زیاد نے کہا،

”اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو میں ابھی تیری گردن اڑا دیتا۔“

حضرت زید بن ارقم یہ کہتے ہوئے مجلس سے اٹھ کر چلے گئے کہ،

”اے کوفہ والو! آج کے بعد تم غلام ہو، تم نے زہرا کے لاکھ قتل کر دیا اور ابن مرجانہ

ابن زیاد کو حاکم بنایا۔ تمہارے نیکوں کو قتل کرتا ہے اور شریروں کو زندہ رکھتا ہے۔

تم نے ذلت پسندی کی خدا تمہیں غارت کرے۔“

ابن زیاد کی نظر حضرت امام زین العابدین پر پڑی تو اس نے ان کے قتل کا بھی حکم

دے دیا مگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شدید نصیحت نے ابن زیاد کے اس ارادہ کو بدل دیا۔

ابن زیاد نے کہا اچھا میں زین العابدین کو قتل نہیں کرتا، مگر دیکھا تمہارے اہل بیت کے ساتھ

اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک کیا؟“

حضرت زینب نے جواب دیا،

”بے شک ان کی شہادت مقدّر ہو چکی تھی، وہ مقتل میں تشریف لائے، مگر

عنقریب دادِ محشر کے حضور وہ تم سے ضرور انصاف طلب کریں گے۔“



ابن زیاد نے حکم دیا کہ تمام سروں کو کوفہ کے  
سراقدس کوفہ کے بازاروں میں بازاروں میں پھیرا جائے۔ ابن عساکر نے  
منہاں بن عمرو سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں خدا کی قسم میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔  
جب امام حسین کا سراقدس ایک مکان کے قریب پہنچا تو اس مکان کا مالک قرآن کریم کی یہ  
آیت تلاوت کر رہا تھا،

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا  
کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پہاڑ کی کھوہ اور جنگل کے کنارے والے ہماری ایک عجیب نشانی تھے؟  
تو سر مبارک سے آواز آئی،

إِنَّ قَتْلَ الْحُسَيْنِ كَانَ مِنْهُ عَجَبًا  
حسین کا قتل اس سے بھی عجیب ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں،

أَعْجَبٌ مِنْ أَصْحَابِ الْكَهْفِ قَتْلُ وَحَمَلُ

”میرا قتل اور نیزہ پر سوار ہونا ان سے بھی زیادہ عجیب ہے۔“

دمشق کو روانگی کوفہ میں خوب تشہیر کے بعد ابن زیاد نے شمر کو کہا کہ سر حسین اور تمام اہلبیت کو  
دمشق کو روانگی دمشق میں یزید کے دربار میں لے جاؤ۔ شمر پانچ ہزار کے لشکر سمیت دمشق  
کو روانہ ہوا۔ دمشق کے سفر میں امام عالی مقام کے سراقدس سے بے پناہ کرامتیں ظاہر  
ہوئیں مگر سیاہ و بد باطن جن کی آنکھوں پر زرد جواہرات کے پرے پڑے ہوئے تھے یہ چیزیں  
کب دیکھ سکتے تھے۔ یہ کارواں جب شہر معمورہ کے پاس پہنچا تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

معمورہ شہر کا حاکم ایک یہودی عزیز بن ہارون تھا وہ رات کو سویا تو خواب میں  
وقت شیریں اسے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ دیکھا  
کہ موسیٰ علیہ السلام منہم ہیں۔ عزیز نے عرض کیا، حضور کی طبیعت منہم کیوں ہے؟ آپ نے  
فرمایا، ”عزیز! محبوب خدا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے شہید کر دیے گئے ہیں۔ ان کا سر مبارک  
صبح تیرے شہر معمورہ کے قریب سے گزر رہا ہے، حسین کی آزاد کردہ لونڈی شیریں تیرے دروازے

پر آئے گی، تجھے چاہیے کہ ان کی خدمت کرے اور سر حسین کو میرا سلام پہنچا دے۔“ عزیز نے عرض کیا: کیا محمد پتے رسول ہیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: وہ تو انبیاء کے بھی رسول ہیں۔ ان پر ایمان لانے کا اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ لیا ہے جو ان کو تسلیم نہیں کرتا وہ جہنم میں جائیگا۔ ادھر جب قافلہ معمورہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں رُکا تو شیریں (جو امام حسین کی آزاد کردہ لونڈی تھی) نے اہل بیت کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے پاس کچھ زیور ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو انھیں شہر میں بیچ کر آپ کے لیے کپڑے بے آؤں؟ اہل حرم نے اس کے اصرار پر اسے اجازت دے دی۔ جب شیریں شہر کے دروازے پر پہنچی تو دروازہ بند تھا، دستک دی۔ اس وقت تک سنی زین مارون دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے کہا ”شیریں! ٹھہرو، دروازہ کھولتا ہوں۔“

یہ سن کر شیریں حیران رہ گئی کہ یہ آدمی میرا نام کیسے جانتا ہے۔ سوال کرنے پر عزیز نے خواب کا سارا واقعہ سنایا اور کافی سامان اور کپڑے لے کر امام زین العابدین کی خدمت میں پیش کیے اور سراقہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سلام پہنچایا۔ سر مبارک سے سلام کا جواب آیا تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔ امام زین العابدین نے چاہا کہ شیریں کا نکاح عزیز سے کر دیا جائے مگر شیریں نے عرض کی کہ میں اہل حرم سے جدائی پسند نہیں کرتی۔ مجھے ان مصائب و مشکلات میں بھی راحت ہے۔ حضرت شہر بانو رضی اللہ عنہا (جو اس لونڈی کو ایران سے لے آئے تھے) اصرار فرمایا تو شیریں نے تسلیم کر لیا اور اس کا نکاح عزیز سے کر دیا گیا۔

یزید پریشان ہو گیا غزے حالات سنانے لگا۔ غازی بن ربیعہ کہتے ہیں اس وقت میں یزید کے پاس بیٹھا تھا، یزید نے پوچھا: ”کیا خبر ہے؟“ زحر بن قیس نے کہا: ”فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں، حسین بن علی اپنے انیس اہل بیت اور ہشت ساتھیوں سمیت ہمارے پاس پہنچے، ہم نے انھیں بڑھ کر روکا اور مطالبہ کیا کہ ہمارے امیر المومنین یزید کی بیعت قبول کر لو مگر انھوں نے اطاعت کی بجائے لڑائی کو پسند کیا۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر تلہ بول دیا اور ان کی آن میں سب کا خاتمہ کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ

پڑے ہیں، ان کے کپڑے خون میں تر ہیں، ان کے رخسار غبار سے اٹے پڑے ہیں، ان کے جسم دھوپ کی شدت سے خشک ہو رہے ہیں۔“

یہ سن کر یزید سخت پریشان ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ زحر بن قیس کو کوئی انعام نہیں دیا اور کہا: ”لغت ہو ابن زیاد پر۔ اگر میں وہاں ہوتا تو حسین سے درگزر کرتا۔ خداوند کریم حسین کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔“

در اصل اس کا یہ گریہ بھی وقتی تھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ کلنک کا ٹیکہ کبھی دھویا نہ جائے گا۔ یہ لٹا ہوا قافلہ جب یزید کے دربار میں پہنچا تو امام عالی مقام کا سر اقدس ایک یزید کا دربار طشت میں رکھ کر یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ یزید کہنے لگا: اس کا چہرہ اب بھی کتنا خوب صورت ہے۔ یزید کے دربار میں قیصر روم کا ایک نصرانی قاصد بیٹھا ہوا تھا اس نے پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ یزید نے کہا: یہ حسین ابن علی کا سر ہے۔ انہوں نے میرے خلاف بغاوت کی تھی۔“

قاصد روم نے کہا: ہم جہاں عیسیٰ علیہ السلام کی سواری کے پاؤں کے نشان پاتے ہیں آج تک ان کی حرمت کرتے چلے آتے ہیں اور زرد و جواہرات قربان کرتے چلے آتے ہیں۔ مگر حیف ہے تم پر کہ تم نے اپنے نبی کے نواسے کو مار ڈالا کیا یہی تمہاری مسلمانی ہے؟ تم لوگ بدترین ظالم ہو۔“

یہ بات سن کر یزید سخت خفا ہوا اور کہا: اگر تو سلطان روم کا قاصد نہ ہوتا تو ابھی تیری گردن اڑا دیتا۔“

قاصد نے کہا: افسوس ہے کہ روم کے قاصد کا اتنا پاس ہے اور اپنے نبی کے فرزند کے قتل میں کچھ بھی دسو اس نہیں ہے۔ یہ کہہ کر قاصد روم دربار سے چلا گیا۔

یزید سر پیٹ کر رہ گیا۔ ہانے اب کیا ہوگا ساری دنیا میں بدنام ہو جاؤں گا، خلق خدا مجھے کیا کہے گی!

یزید نے اہل حرم کو اپنے گھر بھیج دیا اور اپنے گھر والوں کو حکم دیا۔



اَقْمِنَ عَلَيْهِمَ الْمَائِمَةَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ۔ (اخبار ماتم ص ۹۶)

”ان پر تین دن تک ماتم کرو۔“ (جلال العیون ص ۵۰۰)

یہ دیکھ کر حضرت امام عالی مقام کی ہمشیرہ حضرت زینب نے فرمایا:

يَا اَهْلَ الْكُوفَةِ اَتَبْكُونُ وَتَتَوَحَّوْنَ رَاىَ وَاللّٰهِ فَاَبْكُوا

كَثِيْرًا وَّاَضْحَكُوا قَلِيْلًا۔ (اخبار ماتم ص ۸۰۵)

”اے کوفیو! امام کو خود قتل کر کے اب خود ہی روتے اور پیٹتے ہو۔ اللہ کے ہمیشہ روتے رہو۔“

پھر زید نے امام زین العابدین کو بلا کر کہا:

”جو کچھ ہوتا تھا ہو گیا، وہ وقت اب واپس نہیں آسکتا۔ اب آپ مجھ سے کچھ

خواہش کریں تاکہ اسے پورا کروں۔“

زین العابدین: مجھے تجھ سے کچھ امید نہیں۔

یزید: آپ حکم فرمائیں۔

زین العابدین: پیار باتیں ہیں اگر پوری کر دے۔

یزید: ضرور کروں گا، فرمائیے۔

زین العابدین: ① پہلی بات یہ ہے کہ میرے باپ کے قاتل میرے سپرد کر دو۔

② سر ہائے شہداء مجھے دے دو تاکہ ان کے جسموں کے ساتھ دفن کر سکوں۔

③ آج جمعہ کا دن ہے مجھے اجازت دے کہ منبر پر خطبہ پڑھوں۔

④ ہمارے لئے ہوئے قافلے کو واپس مدینہ پاک بھیج دے۔

یزید: (درباریوں سے متوجہ ہو کر) بتاؤ قاتل کون ہے؟

لوگوں نے کہا خولی ہے۔ خولی نے انکار کر دیا اور کہا سنان بن انس قاتل ہے۔ سنان

سے پوچھا۔ اس نے کہا میں تو قاتل امام پر لعنت بھیجتا ہوں۔ زید نے غصہ میں آ کر کہا:

”آخر کسی نے قتل بھی کیا ہے یا نہیں؟“

سنان نے کہا: یہ فعل شمر کا ہے۔ مگر شمر بڑا گیا اس نے کہا: میں کیوں قاتل ہونے لگا؟

میری کون سی سلطنت حسین نے دبار کھی تھی۔ قاتل وہ ہے جس کو حسین سے خوف تھا، جس نے ذرہ ہوا ہرات کے بدلے لوگوں کے ایمان خراب کیے، عہدوں اور حکومتوں کا لاپحہ دے کر حسین کو قتل کرایا۔ غرضیکہ بڑا شور ہوا۔

یزید، (امام زین العابدین سے) حضرت قاتل والا معاملہ تو مشکل ہے کوئی مانتا ہی نہیں۔ یہ جانے دیجئے، باقی تینوں خواہشات پوری کر دیتا ہوں۔  
نرین العابدین، مجھے پہلے ہی تجھ سے اُمید نہیں تھی۔

جامع مسجد دمشق۔ یزید نے خطبہ جمعہ پڑھنے کی اجازت بھی بادلِ ناخواستہ ہی دی۔ مسجد نمازیوں سے کچا کچھ بھر چکی تھی۔ امام حسین کا شہزادہ منبر پر جلوہ افروز ہوا۔ آپ نے حمد و ثنا کے بعد کچھ اس انداز سے تقریر فرمائی کہ حاضرین زار زار رونے لگے۔ یزید نے دیکھا کہ تمام لوگ زین العابدین رضی اللہ عنہ سے شدید طور سے متاثر ہو چکے ہیں تو اس کو فکر ہوئی کہ سارا کھیل بگڑ نہ جائے۔ اس نے مؤذن کو اشارہ کیا کہ جلدی سے اذان پڑھ دے۔ مؤذن نے فوراً اذان شروع کر دی۔

مؤذن: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔  
نرین العابدین: نَعَمْ لَا شَيْءٌ أَكْبَرُ مِنْهُ۔

”ہاں اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔“

مؤذن: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

نرین العابدین: نَعَمْ شَهِدَ بِهَا لِحُجِّي وَشَعْرِي وَدَمِي۔

”ہاں میرے جسم کی ایک ایک چیز نے اس کی گواہی دی۔“

مؤذن: أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ط

نرین العابدین: تجھے اسی نام کا واسطہ ہے ذرا خاموش ہو جاؤ۔

مؤذن خاموش ہو گیا آپ نے یزید کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا،

”اے یزید! محمد تیرے دادا ہیں یا میرے؟ اگر اپنے دادا کے گاتو دنیا جھوٹا کے گی۔

اور اگر حقیقت بیان کرے گا تو بتا کہ میرے باپ کو کیوں شہید کیا؟ مجھے قیم کیا اہلیت کو

شہر بہ شہر پھرایا، قید کرایا اور میرے دادا کے دین میں رخنہ ڈالا، سالا نکہ تو ان کا  
کلمہ پڑھتا ہے پھر بھی شرم نہیں کرتا۔“

آپ نے لوگوں سے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس کا دادا رسول خدا ہو؟  
شہزادہ زین العابدین کی اس درد بھری تقریر سے عوام میں یزید سے شدید نفرت پیدا  
ہو گئی۔ یزید نے نوؤن کو ڈانٹا کہ جمعہ کی نماز کو دیر ہو رہی ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد اس نے  
ایک اجلاس عام بلایا۔ شہر کے تمام رؤسا اور معززین کو کہا کہ تم حسین کے لیے روتے ہو۔ میں  
تم پر تب راضی ہوتا کہ تم حسین کو میرے پاس زندہ لے آتے، میں ان سے کسی شرط پر صلح کر لیتا۔  
لعنت ہو ابن زیاد پر جس نے اہل بیت پر زیادتی کی؟

اس کے بعد یزید لگاتار امام زین العابدین کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتا رہا اور عزت و احترام  
کرتا رہا اور بہت سی نقدی حضرت زینب کی خدمت میں پیش کر کے کہا کہ اپنے بھائی کے قتل  
کے بدلے میں قبول کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: ظالم! یہ دنیا کی دولت شہزادہ ٹکڑوں قبہ راکب  
دوشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ بناتا ہے، میں ایسی دولت کو ٹھوکر مارتی ہوں۔  
آخر یزید نے نعمان بن بشیر کو پانچ ہزار سوار دے کر قافلہ کو واپس کر دیا۔  
میں نے کو واپسی لٹا ہوا کاروانِ محسندی جب واپس کر بلا کے میدان کے قریب  
پہنچا تو عجیب منظر تھا۔ ابھی تک مبارک جسم بے گور و کفن پڑے تھے۔

نغم ذرا بے تابانی دل ٹھہر جانے دے مجھے

اور اس بستی پہ پار آنسو بہانے دے مجھے

یہاں قافلہ ٹھہرا تو امام زین العابدین نے تمام شہداء کے جسموں کے ٹکڑوں کو جوڑ کر  
دفن کر دیا۔ ابھی تک جسموں سے تازہ خون ریس رہا تھا۔ کرب و بلا کے میدان سے واپسی  
بھی کیا درد انگیز ہے۔ کس شان سے بلائے گئے اور اب کس حال میں واپس کیے جا رہے ہیں۔

جن کو غیموں سے باہر نکالا گیا

جن کو زنداں میں لیجا کے ڈالا گیا



جن کی تشہیر گونے کی گلیوں میں کی  
ان پر سترباں حیا آج کی رات ہے

چپے چپے زمیں کا ہے مہوت غم  
ڈرہ ڈرہ فلک کا ہے بحر الم  
شرق سے غرب تک عرش سے فرش تک

حشر کا دن ہے یا آج کی رات ہے

جب یہ لٹا ہوا کارواں مدینہ الرسول پہنچا تو مدینہ طیبہ میں ایک گھرام چم گیا  
مدینہ الرسول کتنا در آئینہ منظر ہو گا۔ جب یہ قافلہ گلیوں سے گزرا ہو گا تو مدینہ کے فندوں  
اور دیواروں نے پوچھا ہو گا:

قافلے والو! ابن رسول کہاں ہیں؟ پارہ قلب بتول کہاں ہیں؟  
مدینے کا ڈرہ ڈرہ رو رہا ہے۔ یہ منظر کسی سے دیکھا نہیں جاتا  
روضہ رسول پر حاضری اہل حرم اسی حالت میں روضہ رسول کریم پر حاضر  
ہوتے ہیں اور رو کر عرض کرتے ہیں: ہ

یا رسول اللہ! ذرا دیکھو ہمارا حال زار  
دشمنوں کے ہاتھ سے کیسے ہوئے ہم لشکار

جو مصیبت ہم پہ گزری کیا کریں اس کا بیان  
کوئی دنیا میں نہ ہو گا اس طرح زار و نزار

○

یا رسول اللہ! بگڑا زور و ضلالتا ہنگامی  
اہل بیت خوشتن را زار و بیمار و حزین  
در بلائے دشمنان زین گرفتار آمدہ

کس مبادا در جہاں ہرگز گرفتار اینچنین  
برادران اسلام! کربلا کا واقعہ بہت طویل اور دردناک ہے۔ یہاں میں نے مختصراً

عرض کیا ہے آپ یقین فرمائیں کہ کرب و بلا کے میدان میں قربانی دینے والے اپنی جانیں  
راہِ خدا میں پیش کرنے والے زندہ ہیں، ان کی یاد گھر گھر میں تازہ ہے۔

**کربلا کا انتقام** حضرت امام حسین کے قاتلین کے متعلق تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ  
ان میں سے کوئی بھی عذابِ الہی کی گرفت سے نہ بچ سکا۔ بعض کو  
ایسے دردناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا کہ موت ان مصائب کے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان تھی۔  
عبد الملک بن مروان کے زمانے میں جب مختار بن ابوعبیدہ ثقفی کوفہ کا حاکم مقرر ہوا، تو  
اس نے چُن چُن کر ایسے لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا جنہوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی  
شہادت میں حصہ لیا تھا اور اس فوج میں شامل تھے جو آپ سے لڑنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔  
مورخین نے لکھا ہے کہ اس نے ایک دن میں دو سو چالیس قاتلانِ حسین کو قتل کیا۔  
شمر نے بھاگنے کی کوشش کی مگر اسے مختار کے آدمیوں نے پکڑ کر قتل کر ڈالا اور اس کی لاش کو  
کتوں سے چھوڑ دیا۔ خولی بن یزید مختار کے پاس لایا گیا مختار نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس کے  
بعد اس کی لاش جلادی گئی۔

ابن زیاد کے لشکر کے قائد عمرو بن سعد کا بھی یہی حشر ہوا اور اسے بھی اس کے بیٹے کے ساتھ  
قتل کر دیا گیا۔

کوفہ میں قاتلین کا کام تمام کرنے کے بعد مختار نے ابراہیم بن اشتر کو عبید اللہ بن زیاد کے  
ساتھ لڑنے کے لیے بھیجا۔ ابن اشتر کے ساتھ بہترین آزمودہ کار افسر تھے۔ ابن زیاد بھی  
شام سے ایک عظیم الشان لشکر لے کر اس کے مقابلے کے لیے نکلا۔ نہرِ خازر پر دونوں لشکروں  
میں زبردست مقابلہ ہوا جس میں ابن زیاد کو شکست فاش ہوئی اور وہ میدانِ جنگ میں ابن  
اشتر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ابن زیاد کے علاوہ دوسرے شامی سردار حسین بن نمیر اور شریل بن  
ذی الکلاع وغیرہ بھی مارے گئے۔ ابن اشتر نے ابن زیاد اور دوسرے شامی سرداروں کے  
سر کاٹ کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ مختار کے پاس بھیج دیے جو اسی قصرِ الامارہ میں رکھے گئے  
جہاں امام حسین اور آپ کے ساتھیوں کے سر رکھے گئے تھے۔ مختار نے ابن زیاد اور عمرو بن  
سعد کے سردار ام زین العابدین کی خدمت میں بھیج دیے۔ امام زین العابدین سجدے میں گر گئے

اور کہا اللہ کا شکر ہے جس نے دشمنوں سے انتقام لے لیا۔

یزیدی ہمیشہ کے لیے غم ہو گئے اور راہِ حق میں جان دینے والوں کے لیے یہ اعلانِ العام کافی ہے،

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ  
عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔

وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے انھیں مردہ گمان بھی نہ کرو وہ زندہ ہیں انھیں  
اپنے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے۔

وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔



# ماہ صفر کی تقریر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ  
وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ  
الطَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ الْمَهْدِيَيْنِ الرَّاشِدِينَ  
الْمُسْتَرشِدِينَ ○

أَقْبَعُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْآيَاتُ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○

برادرانِ امت! یہ ماہ صفر ہے۔ چونکہ اس مہینے میں متعدد اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے  
اعراس کی تقریبات منائی جاتی ہیں اس لیے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ مبارک میں  
شانِ ولایت اور اولیاء اللہ کا ذکر کیا جائے۔ کوشش کروں گا کہ اس محفل میں حضرت امانیہ بخش  
مخدوم بھیری، حضرت مجدد الف ثانی، غوثِ بہا الحق ذریا ملتان اور حضرت سید پیر مہر علی شاہ  
صاحب گولڑ دی علیہم الرحمۃ کے مختصر حالاتِ زندگی بھی عرض کرتا چلا جاؤں کیونکہ ان اولیاءِ امت  
کے عرس بھی اسی ماہ میں منائے جا رہے ہیں۔

جس آیت کریمہ کو میں نے عنوانِ تقریر بنایا ہے اس کا ترجمہ سماعت فرمائیے۔ ارشاد  
ہوتا ہے "الْآيَاتُ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ" بیک اللہ تعالیٰ کے ولی "لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
"ان پر کوئی خوف نہیں" وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ "اور نہ انہیں کوئی غم ہوگا"  
معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ولی حشر کے دن بے خوف و خطر ہوں گے انہیں کسی قسم کا

کوئی خوف نہ ہو گا۔ اس آیت کریمہ کی تشریح سب سے پہلے سید الکونین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیضِ ترجمان سے سنئے۔

اس حدیث کے راوی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ حدیث شریف فرماتے ہیں،

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ لَأُمَّةً مَّا هُمْ بِأَنْبِيَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ يَعْبُطُهُمُ الْإِنِّيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِمَكَانِهِمْ مِنَ اللَّهِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ تُخْبِرُنَا مِنْهُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَخَابَوْا إِلَى اللَّهِ مِنْ غَيْرِ أَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَأَمْوَالٍ يَتَعَلَّقُونَ بِهَا قَوْلَ اللَّهِ إِنَّ وَجُوهُهُمْ لَنُورٌ وَإِنَّهُمْ لَعَلَى نُورٍ لَا يَخَافُونَهُمْ إِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا يَحْزَنُونَ إِذَا حَزَنَ النَّاسُ وَقَوْلُهُ هَذِهِ آيَةُ الْآرَاءِ أَوْلِيَاءُ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (ابوداؤد)

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بندوں میں بعض وہ لوگ ہیں جو انبیاء اور شہداء تو نہیں لیکن انبیاء اور شہداء ان کے مرتبوں پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون ہوں گے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا وہ وہی لوگ ہوں گے جو بغیر کسی قرابت داری اور دنیاوی تعلقات کے اللہ کی رحمت سے لوگوں میں محبوب ہو گئے۔ پس خدا کی قسم ان کے چہرے منور ہوں گے اور انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہو گا۔ اور آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا: (ترجمہ) خبردار! اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

اولیاء اللہ کی شان میں قرآن کریم کی متعدد آیات موجود ہیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ نبی ہیں یا ولی۔ مگر زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ ولی ہیں۔ اللہ کریم جل جلالہ نے ان کو جو نقص سوچے ہیں ان کی ایک جھلک آپ کو اس

واقعہ سے ملے گی۔

واقعہ مختصر و موسیٰ علیہما السلام پروردگار عالم کی بارگاہ اقدس میں عرض کی  
 ”یا اللہ! میں چاہتا ہوں کہ تیرے کسی مقبول ولی کی زیارت کروں۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرا  
 بندہ تمہیں اس جگہ ملے گا جہاں دو سمندر اکٹھے ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک خادم  
 یوشع بن نون کو ساتھ لیا اور سفر فرمایا۔ نبی اللہ ولی اللہ کو ملنے جا رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ  
 نبی کا ہر فعل امت کی تعلیم کے لیے ہوا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ولی اللہ کی زیارت کے لیے  
 سفر کرنا حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی سنت ہے۔

آپ چلتے چلتے وہاں پہنچ گئے جہاں پانی کے دو دہانے تھے۔ ایک پتھر کے قریب  
 سو گئے۔ کھانے کے لیے پھلی ساتھ لائے تھے جو ایک تھیلے میں بند تھی اور یوشع بن نون نے  
 اسے اٹھا رکھا تھا۔ علامت یہ تھی کہ جس جگہ وہ پھلی زندہ ہو جائے گی وہاں میرے مقبول بندے  
 کی ملاقات ہوگی۔

موسیٰ علیہ السلام آرام فرما رہے تھے اور یوشع بن نون نے دیکھا کہ وہ پھلی تڑپتی اور  
 تھیلے سے باہر آ کر دریا میں چھلانگ لگا گئی۔ مگر عجیب صورت تھی کہ جس جگہ سے گزرتی گئی وہاں  
 پانی نہیں ملتا تھا اور پانی میں ایک غاری بن کر رہ گئی۔ حضرت یوشع بن نون حیران ہو گئے  
 سوچا کہ کلیم اللہ بیدار ہوں گے تو یہ واقعہ عرض کر دوں گا مگر صبح ہوئی تو یوشع بھول گئے۔ اور  
 پھر آگے سفر شروع فرما دیا۔

دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب فرمایا تو یوشع  
 نے عرض کیا: حضور! مجھ سے سخت غلطی ہوئی میں بات عرض کرنا بھول گیا۔ جہاں ہم نے  
 رات گزاری تھی پھلی تو اسی جگہ حیرت انگیز طور پر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام  
 نے فرمایا: وہی تو ہماری منزل تھی چلو واپس چلیں۔“

جب واپس پھر وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:  
 قَوْحَدَّ عَبَدْنَا اِٰمَنُ عِبَادِنَا اَتَيْنَاهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ



عَلَّمَنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عَلِمًا۔

”تو انھوں نے میرے مقبول بندے کو پالیا جسے ہم نے رحمت اور علم لدنی سے نوازا تھا۔“

اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ ”خضر“ ان کا لقب ہے۔ ان کا نام بعض لوگوں میں احمد اور بعض کتابوں میں بلیا بن ملکان آیا ہے۔ ان کا لقب ”خضر“ اس وجہ سے ہے کہ وہ جس خشک زمین پر قدم رکھتے ہیں وہاں سبزہ اُگ اُٹا ہے۔ جس خشک درخت کے پاس سے گزر جاتے ہیں فوراً سرسبز ہو جاتا ہے۔ لفظ ”خضر“ تین طرح سے پڑھا جاتا ہے، خَضَرُ، خَصْرُ، خِصْرُ۔

موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی گفت گریوں شروع ہوئی، موسیٰ، ہم آپ کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تاکہ دیکھیں کہ اپنے فرائض جو اللہ کریم نے آپ کے ذمے لگائے ہیں کس طرح ادا کرتے ہیں، ہم یہی علم حاصل کرنے یہاں آئے ہیں۔ خضر: حضور! مجھے کوئی انکار نہیں مگر إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ آپ میرا کام دیکھ کر صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ صبر بھی کیسے فرما سکتے ہیں جبکہ آپ ان کاموں سے متعلق ہی نہیں۔

موسیٰ، آپ! ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے میں آپ کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کروں گا۔ خضر، اچھا اگر آپ مجبور ہی فرماتے ہیں تو نہایت خاموشی سے میرے کام دیکھتے جانا، اعتراض بالکل نہ کرنا، میں خود ہی اس کی تشریح کروں گا۔ موسیٰ، مجھے منظور ہے میں نہایت خاموشی سے دیکھتا جاؤں گا۔

قرآن کریم فرماتا ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں چلے۔ یوشع واپس ہو گئے یا وہیں ٹھہر گئے یا ساتھ ہی رہے۔ مگر قرآن کریم نے فرمایا، ایک دریا کے کنارے پہنچے ملاح نے آپ سے پیسے وصول نہیں کیے۔ جب کشتی دریا کے درمیان گئی تو خضر علیہ السلام نے کشتی کے نیچے سے دو پتھر اکھاڑ دیے۔

موسیٰ، اَخْرَجْتُمَا لِتُغْرَقَ اَهْلُهَا آپ نے کشتی اس لیے پھاڑ دی کہ یہ سب لوگ

غرق ہو جاتیں۔ خضر! تو نے اچھا نہیں کیا، ملاخوں نے ہمارا احترام کیا اور پیسے نہیں لیے اور تو نے کشتی ہی خراب کر دی۔

خضر: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا "آپ صبر نہیں فرما سکیں گے۔"

موسٰی: اس کے بعد اب کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔

خضر علیہ السلام نے کشتی کو پہاڑا مگر پانی کا ایک قطرہ بھی کشتی میں نہیں آیا۔ یہ شانِ ولایت ہے۔ پھر دونوں چل دیے۔ چلتے چلتے ایک میدان میں آئے، بچے کھیل رہے تھے، ایک نہایت ہی خوب صورت اور حسین و جمیل بچہ ان میں موجود تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کو پکڑا اور گردن مروڑ دی۔ قتل اور وہ بھی ایک معصوم بچے کا۔ کلیم اللہ کیسے برداشت کر سکتے تھے فوراً بولے موسٰی، خضر! تو نے بہت ظلم کیا۔ ایک بے گناہ، معصوم بچے کو قتل کر ڈالا۔ تو نے بہت بُرا کیا ہے۔ اس بچے نے کیا قصور کیا تھا؟

خضر: میں نے کہا نہیں تھا اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا "آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔" آپ میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

موسٰی: ایک اور موقع دیجئے۔ اس کے بعد اگر میں نے اعتراض کیا تو پھر مجھے بے شک اپنے ساتھ نہ رکھنا۔

پھر دونوں نے سفر کیا ایک بستی کے پاس سے گزرے، بھوک لگ رہی تھی۔ بستی والوں سے کہا کہ تم تمہارے مہمان ہیں۔ بستی والوں نے کہا یہاں مہمانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں کسی اور بستی میں چلے جائیے۔ اس بستی سے نکلنے لگے تو دیکھا کہ ایک دیوار گرنے کے قریب تھی خضر علیہ السلام نے اس کو ہاتھ سے سیدھا کر دیا۔

موسٰی: اعتراض تو نہیں کرتا، مگر ان بستی والوں نے ہمیں کھانا بھی نہیں کھلایا اور آپ ہیں کہ دیوار سیدھی کرتے پھر رہے ہیں۔ تَوَشَّيْتُ لَا تَتَّخِذْتُ عَلَيْكَ أَجْرًا۔ "اگر تم چاہتے تو اجرت لے سکتے تھے تاکہ ہم ان پیسوں سے کم از کم کھانا ہی حاصل کر لیتے۔"

خضر: میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا، اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا "آپ میرے کام پر صبر نہیں کر سکیں گے" "هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ" بس میری اور آپ کی جدائی۔"

موسٰی: اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا آپ کے تشریف لے جانے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ ان کاموں کا باطن بھی آپ پر واضح کر دوں جن کے ظاہر پر آپ نے اعتراض فرمایا تھا۔  
موسٰی: فرمائیے۔

خضر: وہ کشتی جو میں نے پھاڑ دی تھی وہ غریب لوگوں کی تھی اور وہ اسے چلا کر اپنے بال بچوں کا گزر کرتے تھے۔ اس دن جس وقت ہم اس پر سوار ہوئے، دریا کے دوسرے کنارے ایک ظالم بادشاہ بیٹھا ہوا تھا، جو کشتی بھی اچھی اور ٹھیک ہوتی اسے فوراً پھین لیتا۔ میں نے سوچا کہ کشتی کو عیب لگا دوں تاکہ ان مسکین لوگوں کی کشتی بچ جائے۔ اس طرح وہ کشتی ظالم بادشاہ نہیں لے گا اور دوپٹے جو میں نے اکھاڑ پھیلے تھے یہ اس کی مرمت کرا لیں گے۔ میری نگاہ دریا کے دونوں کناروں پر تھی۔

اور وہ بچہ جو میں نے قتل کیا تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ایک معصوم بچے کا قتل کتنا جرم ہے، مگر یہاں بات اور تھی۔ اس لڑکے کے والدین مومن ہیں اور اس لڑکے کی پیشانی پر لکھا ہوا ہے کہ یہ کافر ہے۔ والدین کو اس سے بہت پیار تھا۔ ہم نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکے کی محبت والدین کو بے ایمان کر دے۔ لہذا والدین کے ایمان کی حفاظت کے لیے لڑکے کو قتل کر دیا گیا اور ہم نے ارادہ کر لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے والدین کو اس سے بہتر بچہ عطا فرمائے گا۔

اور جس بستی والوں نے ہماری دعوت سے انکار کر دیا تھا اور میں نے ان کی گرتی ہوئی دیوار کو ٹھیک کر دیا تھا اس کا معاملہ یہ ہے کہ اس دیوار کے مالک یتیم بچے تھے ان کا والد نیک انسان تھا اس نے اپنے بچوں کے لیے اس



دیوار کے نیچے خزانہ دفن کر دیا تھا۔ اگر آج دیوار گر جاتی تو خزانہ لوگ لوٹ کر لے جاتے اور بچے ابھی چھوٹے ہیں اس لیے میں نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا تاکہ ان یتیموں کا خزانہ ضائع نہ ہو جائے۔ جب یہ بچے جوان ہوں گے تو ہم انہیں بتا دیں گے کہ تمہارے والد نے تمہارے لیے اس دیوار کے نیچے خزانہ رکھا ہوا ہے۔

ہاں تو یہ سب کام مَا فَعَلْتُ عَنْ أَمْرِي میں اپنی مرضی سے نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرا ان کاموں کے کرنے پر تقرر ہے۔  
حاضرین کرام! یہ واقعہ جو قرآن کریم نے نہایت مفصل طریقے سے بیان فرمایا ہے اس سے شانِ اولیاء اللہ پر بے پناہ دلائل واضح ہو رہے ہیں چند باتیں جو بالکل بادی النظر میں سامنے آ جاتی ہیں یہ ہیں:

سترہ باتیں ① اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضری کے لیے سفر کرنا۔  
② ان سے روحانی و باطنی فیض حاصل کرنا۔  
③ اولیاء اللہ کے دربار میں مردہ مچلی زندہ ہو گئی۔

④ پھر اس مچلی کا پانی پر تصرف ہو گیا اور وہ جہاں سے گزرتی گئی راستہ بنتا گیا۔  
⑤ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص رحمت اور علم لدنی عطا ہوتا ہے۔  
⑥ اللہ تعالیٰ نے ایک باطنی نظام بھی مقرر فرما رکھا ہے جسے اللہ کے مقبول بندے چلاتے ہیں۔

⑦ اولیاء اللہ کا پانی پر پورا پورا تصرف ہوتا ہے۔  
⑧ اولیاء اللہ کی نگاہ دونوں کناروں پر ہوتی ہے۔ دنیا و آخرت ان کے سامنے ہوتے ہیں۔

⑨ اللہ کے مقبول بندے پیشانی پر نگاہ سے ہی تمام احوال معلوم کر لیتے ہیں۔

⑩ لوح محفوظ اولیاء کے پیش نظر ہوتی ہے۔

⑪ وہ تقدیریں بدل دیتے ہیں۔

⑫ ایمان جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔

۱۳) اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے وہ لوگوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں۔

۱۴) ان کی نگاہ زمین کے نیچے و فنی چیزوں کو دیکھ سکتی ہے۔

۱۵) اولیاء گرتی ہوئی اشیاء کو روک دیتے ہیں۔

۱۶) ان کے کاموں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

۱۷) ہر چیز کے صرف ظاہر پر ہی نظر نہیں رکھنی چاہیے۔

مندرجہ سترہ باتوں کے علاوہ بھی اس سے بے شمار موتی نکلتے ہیں۔ آج کی تقریر میں ہم ان سترہ چیزوں کے متعلق عرض کریں گے اس لیے کہ ان کا اصل قرآن کریم سے ثابت ہو گیا اور قرآن سے بڑھ کر کون سی کتاب ہے۔ جو بات قرآن حکیم سے ثابت ہو جائے اس میں شک و شبہ مومن کی شان سے بعید ہے۔

اب آپ حضرات ان سترہ باتوں کی تفصیل سماعت فرمائیں۔

**تفصیل** اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضری کے لیے سفر تو قرآن کریم کی اس آیت پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء سے ملاقات کے لیے حاضری انبیاء کی سنت ہے۔ اولیاء اللہ کی حاضری کے متعلق یہاں صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جس سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مقبولانِ خدا کی بارگاہ میں حاضری کے آداب کیا ہیں۔

بہجۃ الاسرار شریف میں ہے حضرت عبداللہ قمی شہنشاہ جیلان اور ایک غوث فرماتے ہیں کہ میرا طالب علمی کا زمانہ تھا اور میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کرتا تھا ایک دن ہمیں علم ہوا کہ شہر سے کچھ دور ایک مقبولِ خدا ہیں جنہیں غوث کہا جاتا ہے۔ ہمیں ان کی زیارت کا شوق ہوا۔ میں اور میرے دو ساتھی طالب علم، ابنِ سقانے کہا کہ میں اس غوث سے ایسا سوال کروں گا کہ وہ پکارا جائے گا اور میرے سوال کا جواب نہیں دے سکے گا۔

میں نے کہا میں سوال تو بڑا سخت کروں گا، دیکھوں اس کا کیا جواب دیتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے کہا تمہارے الفاظ ٹھیک ہیں، یہ کلمات بے ادبی سے بھرے ہوئے ہیں، میں تو ان کی خدمت میں حاضر ہو کر صرف یہ دیکھوں گا کہ مجھے کتنا فیض ملتا ہے۔

تینوں جب وہاں پہنچے تو وہ بزرگ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئے۔ پھر اچانک ظاہر ہوئے اور ابن سقا کی طرف غضب کی نگاہ کر کے فرمایا:

”اے ابن سقا! خدائے ابرہہ نہ کرے، تو مجھ سے ایسا مسئلہ پوچھتا ہے جس کا جواب مجھے نہ آتا ہو۔ سن! تیرا سوال یہ ہے اور یہ اس کا جواب ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے جسم میں کفر کی آگ کے شعلے نکل رہے ہیں۔“

عبداللہ بن علی قمی فرماتے ہیں پھر وہ بزرگ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”اے عبداللہ! تیرا خیال ہے کہ میں تیرے سوال کا جواب نہ دے سکوں گا؟ تیرا سوال یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ دنیا تیرے کانوں کی لوت تک پہنچ چکی ہے۔“

پھر شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو سینے سے لگایا۔ فرمایا:

”اے عبدالقادر! تم نے ادب کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کو راضی کر لیا ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تو بغداد کے منبر پر بیٹھا ہوا وعظ کر رہا ہے اور لاکھوں انسان تیرے بیان سے فیض یاب ہو رہے ہیں اور تو کسہ رہا ہے؟“

قَدِمْتُ هَذَا عَلَى رَقِيبَةِ كُلِّ وَلِيِّ اللَّهِ

”میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے۔“

اور مجھے یہ بھی نظر آ رہا ہے کہ تمام اولیاء اللہ نے تیری بزرگی کے سامنے اپنی گردنوں کو جھکا دیا ہے۔“

یہ کہہ کر وہ بزرگ ہم سے پھر غائب ہو گئے اور پھر ان کا کسی کو پتا نہ چل سکا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ جس طرح اس خوشی نے کہا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کر دیا۔

ابن سقا نے ہر علم میں شاندار کامیابی حاصل کی۔ ساری دنیا میں اس کے علم کا چرچا ہونے لگا۔ بڑے بڑے عالم اس سے مناظرہ میں شکست کھا گئے۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے اپنے تمام پادریوں کو جمع کیا اور ابن سقا کو مناظرہ کی دعوت دی۔ ابن سقا نے تمام



پادریوں کو شکست فاش دی اور لاجواب کر دیا۔ بادشاہ اس صورتِ حال سے سخت پریشان ہوا اچانک اس کی جوان بیٹی پر ابنِ سقا کی نظر پڑ گئی اور وہ اس پر عاشق ہو گیا۔ بادشاہ کو کہا کہ اپنی اس لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دے۔ بادشاہ نے کہا اس شرط پر نکاح کر سکتا ہوں کہ تو اس دم کو چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لے۔ ابنِ سقا نے فوراً اسلام کو خیر باد کہہ دیا اور مرتد ہو گیا۔

بادشاہ نے اپنی لڑکی کا نکاح اس سے کر دیا۔ نکاح کے ساتھ ہی اس کے جسم میں کوڑھ کی بیماری پھیل گئی بادشاہ نے اس کو اٹھوا کر شہر سے باہر پھینک دیا۔ جو آدمی اس کے پاس سے گزرتا تھا اس پر لعنت بھیجتا تھا۔ لوگ کہتے یہ آدمی ہے جس نے ایک ولی اللہ کی بے ادبی کی ہے۔ آخر وہ اسی حالت میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے :  
 چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درو  
 میلش اندر طعنہ پاکاں زند  
 ”جب اللہ تعالیٰ کسی کو ذیل کرنا چاہتا ہے تو وہ پاک لوگوں پر طعن شروع کر دیتا ہے۔“

وَعَالِيَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی اپنے مقبول بندوں کا ادب کرنے کی توفیق دے۔ ماں باپ کا بے ادب، استاد کا بے ادب، پیر کا بے ادب کبھی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ میاں محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :  
 بے ادباں مقصود نہ حاصل نہ درگا ہے دھوئی  
 تے منزل مقصود نہیں پہنچا باجھ ادب دے کوئی

اولیاء اللہ کے بارے میں اور ان کی شان میں گستاخیاں کرنے والے لوگوں کو ابنِ سقا کا واقعہ سن کر اللہ تعالیٰ سے خوف کرنا چاہیے۔ حدیثِ قدسی میں ہے۔ حدیثِ قدسی وہ ہوتی ہے جو کلام اللہ تعالیٰ کا ہو اور راوی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :  
 مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ لِلْحَرْبِ

”جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں اسے جنگ کا چیلنج دیتا ہوں۔“  
بھلا اللہ سے کون جنگ کر سکتا ہے۔

عبد اللہ تمیمی فرماتے ہیں کہ جس طرح اس غوث نے فرمایا تھا، میں نے دیکھا ابن ستقا پر اسی طرح گزری۔

معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے منہ سے جو بات نکلتی ہے اسی طرح ہو کر رہتی ہے۔  
راوی کہتے ہیں مجھے تحصیل علم کے بعد سلطان نور الدین شہید نے دمشق میں بلایا اور وزیر اوقات بنایا۔ میں نے دیکھا دنیا میرے کانوں کی ٹوٹک پہنچ گئی ہے۔ میرے معاملہ میں بھی غوث کا کہنا صحیح ہوا اگر ایمان سلامت رہا کیونکہ میری بے ادبی اس سے کم تھی۔ اسی شیخ عبدالقادر کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بغداد کی جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر فرما رہے ہیں،  
قَدَرْنِي هَذَا عَلَى مَرَقَبَةٍ كُلِّ وَلِيٍّ اَللّٰهُ  
”میرا یہ قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔“

جن کی منبر بنی گردنِ اولیاء  
اس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام  
شیخ علی بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس سے اُٹھ کر غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قدم بکرا کر اپنی گردن پر رکھ لیا۔ دو ہزار اولیاء آپ کی محفل میں حاضر تھے سب نے اپنی گردنیں جھکا دیں۔  
اُس وقت سلطان الهند خواجہ  
سلطان الهند علیہ الرحمۃ کا اعتراف معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ  
غزنی کے پہاڑوں میں عبادت فرما رہے تھے شہنشاہِ بغداد کا اعلان سُنتے ہی سر جھکا دیا اور  
کہا:

لَا بَلَّ عَلَى عَيْنِي وَرَأْيِي۔  
”نہیں بلکہ میری آنکھوں پر اور میرے سر پر۔“

۵ واہ کیا مرتبہ اسے غوث ہے بالاتیرا

اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا  
بہتر بھلا کوئی کیا جانے کہ ہے کیسا تیرا

اولیائے کلتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا  
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا

شیر کو خطرے میں نہیں لاتا ہے کُتّا تیرا

سبق ثابت ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الہی کی خدمت میں حاضر ہونا چاہئے مگر نہایت ادب  
احترام کے ساتھ۔

عالم اور ولی ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ علماء کی محفل میں زبان سنبھال کر اور اولیاء  
کی محفل میں دل سنبھال کر بیٹھنا چاہیے۔

فیض حاصل کرنا اولیاء اللہ سے ظاہری زندگی اور وصال کے بعد برابر فیض حاصل  
ہوتا ہے اس کے لیے بے پناہ دلائل موجود ہیں مشکوٰۃ شریف  
میں ہے حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں،

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْإِبْدَالُ  
بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ  
اللَّهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْقَى بِهَمِّ الْغَيْثِ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى  
الْأَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ ط

میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ہیں کہ شام میں  
ابدال ہوں گے جن کی تعداد چالیس ہوگی جب ان سے ایک فوت ہو جائیگا  
تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مقرر فرما دے گا۔ ان کے وسیلہ سے بارش  
ہوگی اور انہی کے طفیل دشمنوں پر فتح حاصل ہوگی اور انہی کی برکت سے اہل شام  
سے عذاب دور کیا جائے گا۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے ذریعہ بارش ہوتی ہے،



دشمنوں پر فتح ملتی ہے اور عذاب دُور کیا جاتا ہے۔ اولیاء اللہ سے ظاہری زندگی میں توفیق ملنے کا کوئی بھی منکر نہیں۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ سے وصال کے بعد فیض نہیں ملتا مگر یہ عقیدہ اور خیال بالکل غلط ہے اور فاسد ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ وصال کے بعد ظاہری زندگی سے زیادہ امداد فرماتے ہیں اس لیے کہ اب وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

حارق الانوار صفحہ ۶۹ میں ہے ابن جوزی کہتے ہیں امام ابو حنیفہ کی قبر اور خضر علیہ السلام کہ شریعت محمدی علی اللہ علیہ وسلم کا علم سیکھنے کے لیے حضرت خضر علیہ السلام ہر روز صبح کے وقت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی مجلس میں آیا کرتے تھے جب آپ کا وصال ہو گیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ امام ابو حنیفہ کی روح کو ان کے جسم میں لوٹا دے تاکہ میں علم فقہ ان سے مکمل کر سکوں۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام اپنی عادت کے مطابق ہر روز صبح کے وقت امام ابو حنیفہ کی قبر پر آکر ان سے فقہ اور شریعت کے مسائل سُنا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کی قبر اور امام شافعی علیہ الرحمۃ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہر سال امام ابو حنیفہ کی قبر پر حاضر ہوا کرتے تھے اور اس مسجد میں جو حضرت امام اعظم کے مزار کے قریب ہے نماز ادا فرماتے تھے اور رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شاگردوں نے عرض کیا ہم دیکھتے ہیں کہ آپ یہاں اپنے اجتہاد پر عمل کی بجائے اس اجتہاد پر عمل فرماتے ہیں جو امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے۔

امام شافعی نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہاں پہنچ کر اتنے بڑے امام کے سامنے اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حضرات اہل بیت کرام کے مزارات پر حاضر ہونا اور ان سے فیوض حاصل کرنا اہل اسلام کا شروع سے طریقہ چلا آ رہا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے کثیر التعداد واقعات کتابوں میں

موجود ہیں۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین  
داتا صاحب رحمۃ اللہ کے مزار شریف پر حاضری اجیری رحمۃ اللہ علیہ حضور داتا گنج بخش  
رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مزار شریف پر حاضر ہوئے اور چلہ کاٹا۔ فراغت کے بعد آپ نے داتا صاحب  
کی شان میں یہ شعر فرمایا جو زبان زد عام ہے، یہ

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کا ملاں را رہنما

اس شعر میں دو لفظ خاص طور پر قابل غور ہیں۔ ایک ”گنج بخش“ اور دوسرا ”فیض عالم“۔  
معلوم ہوا کہ خواجہ اجیری رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کا ولی قبر میں لیٹا ہوا بھی خزانے بخشنے والا  
اور فیض دینے والا ہوتا ہے۔ اسی مزار پاک پر خواجہ اجیری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بابا فرید گنج شکر  
رحمۃ اللہ علیہ اور کئی بزرگوں نے چلے کاٹے ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا ہے، یہ

سید ہجویر محمود

مستد او پیر سنجہ را حرم

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت

صبح ما از مہر او تابندہ گشت

ایک فقیر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے سامنے بیٹھ کر کہہ رہا تھا  
ایک لطیفہ ”داتا دس روپے دے دو، داتا دس روپے دے دو۔“ ایک بدعقیدہ  
شخص کا ادھر سے گزر ہوا اس نے کہا، او فقیر! کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا، اپنے داتا سے  
دس روپے مانگ رہا ہوں۔ اس نے کہا، یہ شرک ہے، خدا سے مانگ، وہ داتا ہے، اس  
قبر سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ فقیر نے کہا، تیرے لیے شرک ہو گا میرے لیے نہیں۔ اس  
شخص نے کہا، تجھے کچھ نہیں ملے گا، تیری جھولی خالی رہے گی، یہ کچھ نہیں دے سکتے، تم دس  
روپے مجھ سے لے لو۔

فقیر نے دس روپے لے کر حبیب میں ڈال لیے اور مزار کی طرف متوجہ ہو کر کہا، اے

داتا! مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تو واقعی داتا ہے، دلایا بھی تو اس سے جو تیرے داتا ہونے کا ہی  
منکر ہے، واہ دلایا بھی تو کیسے مؤذی سے دلایا۔

۷

در فیض حق بند جب تھا نہ اب کچھ  
فقیروں کی جھولی میں اب بھی ہے سب کچھ  
یہ اللہ والے ہیں دیتے ہیں سب کچھ  
مگر ان سے چاہیے لینے کا ڈھب کچھ  
حضرت خضر علیہ السلام کے پاس پہنچ کر وہ مچھلی یوشع بن نون اپنے ساتھ لٹے تھے  
زندہ ہو گئی اور چھلانگ لگا کر پانی میں عجیب راستہ بنا تی ہوئی چلی گئی۔  
معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی بارگاہ میں اگر مردہ چیزیں زندہ ہو جاتی ہیں۔ کیونہی مردہ قلوب ان کی  
نگاہ سے زندہ ہو جاتے ہیں۔

ایک شخص جن نے بے پناہ قتل کیے تھے اپنے علاقے کا مشہور ڈاکو اور رہزن تھا  
حکایت کوئی جرم ایسا نہیں تھا جو اس نے نہ کیا ہو۔ رفتہ رفتہ اس کے دل پر ایسی  
سیاہی پھیل گئی کہ اس کے نزدیک گناہ گناہ نہ رہا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب آدمی  
گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی کا ایک نقطہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو وہ نقطہ  
مٹا دیا جاتا ہے ورنہ وہ پھیل کر سارے دل کو گھیر لیتا ہے پھر مجرم کی نظر میں جرم جرم نہیں رہتا۔  
یہی حال اس چور اور ڈاکو کا تھا اس کا دل بالکل مردہ ہو چکا تھا۔

ایک دن اس نے ایک مکان پر ڈاکہ ڈالا تو صاحب مکان نے اس کو کہا ہم غریب  
آدمی ہیں ہمارے گھر سے تمہیں کیا ملے گا، گولڑہ شریف جاو ہاں پیر مہر علی ہیں ان کے گھر سے  
تمہیں بڑی دولت ملے گی۔ ڈاکو واپس آ گیا اور گولڑہ شریف پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش  
کرنے لگا۔

”رحمت حق بہانہ می جوید بہ سانمی جوید“

ڈاکو اپنے ساتھیوں کو لے کر رات کی تاریکی میں گولڑہ شریف کی طرف روانہ ہوا قلبِ وقت



حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت عبادتِ الہی میں مشغول تھے۔ ان لوگوں کے دن صیام اور راتیں قیام میں گزرا کرتی ہیں۔

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا

”یہ لوگ سجدے اور قیام کی حالت میں راتیں گزارتے ہیں۔“

میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

ایہہ راتیں کر کر زاری روندے نیند اکھیں تھیں دھونڈے

فجریں اوہ گنہگار بسداون سب تھیں بیویں ہوندے

اور سرکارِ گولڑہ وہ ذات ہیں جن کی سُنّتیں قضا ہو جائیں تو سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

فرمائیں ”مہر علی! میری سُنّتیں قضا کر دی ہیں“۔

سُبْحَانَ اللَّهِ مَا أَجْمَلُكَ

مَا أَحْسَنُكَ مَا أَكْمَلُكَ

کتنے مہر علی کتنے تیری ثنا

گستاخ اکھیاں کتنے جا اڑیاں

آج بیکِ مہراں دی ودھیری اے

کیوں دلڑی ادا کس گھنیری اے

لوں لوں وچ شوق چنگیری اے

آج بُنیاں نے لاٹیاں کیوں جھڑیاں

اس صورتِ نوں میں جان آکھاں

جاناں کہ جانِ جہان آکھاں

سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں

جس شان تھیں شاناں سب بنیاں



بعض کتابوں میں ان کا نام احمد بھی لکھا ہے۔ مگر علما فرماتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام سے پہلے اور کسی کا نام احمد نہیں رکھا گیا۔ اعلیٰ حضرت ابامہدی حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

پیر پیراں میر میراں یا شہ جیلاں توئی  
انس جانِ قدسیاں و غوثِ انس و جاں توئی  
سر توئی سرور توئی سر را سر ساماں توئی  
جاں توئی جانان توئی جاں را قرار جاں توئی

حضور غوث پاک نے فرمایا، آپ کیسے تشریف لائے، حضرت علیہ السلام نے کہا: فلاں علاقے کا ابدال انتقال کر گیا ہے اس علاقے کے لیے ابدال لینے آیا ہوں۔

وہ چور اندر ایک صفت میں چھپا بیٹھا تھا۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا، اس علاقے کے لیے ابدال کی ابھی ضرورت ہے۔ شہنشاہ بغداد نے فرمایا کہ صبح کسی کو مقرر کیا جائے گا۔ حضرت علیہ السلام نے کہا: اگر صبح تک علاقہ غرق ہو گیا تو ذمہ دار کون ہوگا، حضور غوث پاک نے فرمایا، اچھا ایک ابدال اندر ہماری صفت میں لپٹا پڑا ہے اسے لے جائیے۔

حضرت علیہ السلام نے جا کر فرمایا، اے ابدال۔ چور نے کہا: میں ابدال نہیں چور ہوں۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا، نہیں تو ابدال ہے، ٹھیک ہے تو چور تھا، ڈاکو تھا، رہزن تھا، غوث کی نگاہ سے ابدال ہو گیا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں :۔

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی بارگاہ میں مردہ دل مردہ نہیں رہتے بلکہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ کئی کتابوں میں آیا ہے کہ اکثر اولیاء اللہ نے مردے بھی زندہ کیے ہیں۔ یہ بات بعید نہیں اس لیے کہ یہ مسئلہ مسئلہ ہے کہ جو چیز نبی سے بطور معجزہ صادر ہو سکتی ہے ولی اللہ سے اس کا ظہور بطور کرامت ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :



إِنَّ كُلَّ مُعْجَزَةٍ وَجَدَتْ لِنَبِيِّ يَجُوزُ أَنْ تَكُنَّ كَرَامَةً  
لِرَبِّهِ -

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اتَيْنَاكَ سِرًّا مِمَّنْ عِنْدَنَا وَعَلَّمْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا

علم لدنی اس علم کو کہتے ہیں جو اللہ کریم اپنے خاص فضل و کرم سے اپنے خاص بندوں کو اپنی طرف سے سکھادے۔

عوارف المعارف میں شیخ عمر بن محمد شہاب الدین سُہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ قرشی نے فرمایا:

”علم لدنی اللہ کے اسرار ہیں جنہیں وہ اپنے اکابرین اولیاء کرام اور خاص بندوں کو سماع اور تعلیم کے بغیر عطا فرماتا ہے۔ یہ وہ اسرار ہیں جن سے صرف خواص ہی آشنا ہوتے ہیں۔“

شیخ ابوسعید الخزاز کا قول ہے:

”عارفین کے پاس ایسے خزانے ہیں جن کے اندر انہوں نے عجیب و غریب علوم و فنون کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ ان کا اظہار وہ ابدیت کی زبان سے کرتے ہیں اور انہیں ازلیت کی عبارت میں بیان کرتے ہیں۔ یہ وہ علم ہے جس سے عام لوگ بے بہرہ ہیں۔“

اس قول میں ابدیت کی زبان، ازلیت کی عبارت سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ یہی وہ علم لدنی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت نضر کے واقعہ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم ایک پوشیدہ خزانہ کی مانند ہے جس سے علماء ربانی ہی واقف ہوتے ہیں۔ جب وہ علم کی باتیں بیان کرتے ہیں تو مغرور انسان کے سوا کوئی انکار نہیں کرتا۔

علم اور ولایت کے لیے علم ضروری و لابدی ہے۔ علم کے بغیر ولایت نہیں مل سکتی۔ علم چاہے کسی انسان سے حاصل کرے یا اللہ تعالیٰ اسے علم لدنی عطا فرمادے۔ پہلے علم حاصل ہوتا ہے پھر علم ولایت کا حصول ہوتا ہے، جاہل ولی نہیں ہوتا۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

مَنْ تَزَقَّدَ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَقَدْ مَاتَ فِي الْكُفْرِ۔

”جو علم کے بغیر زکوٰۃ کرتا ہے اس کا خاتمہ کفر پر ہوا۔“

حضرت سلطان العارفين سلطان باہو صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کلام کا ترجمہ فرمایا ہے، طر

باجہ علموں جو کہ فقیری کا فرمے دیوانہ ہو

علم کے بغیر حصول ولایت محال ہے کیونکہ قدم قدم پر شیطانی حملوں کا خطرہ ہے۔ اور شیطان کے حملوں سے بچنے کے لیے بڑی جدوجہد کی ضرورت ہے۔

بجۃ الاسرار میں ہے کہ ایک مرتبہ شہنشاہ ہند ادرعی اللہ عنہ کہیں جنگل میں ایک واقعہ تشریف لے جا رہے تھے اچانک آسمان پر بادل کا ٹکڑا نظر آیا۔ وہ بادل سر کے قریب آتا گیا۔ جب وہ کافی قریب آ گیا تو اس سے آواز آئی،

”اے عبد القادر! میں تیرا خدا ہوں، میں نے تجھے قبول کر لیا ہے۔ لہذا

اب تجھے عبادت و ریاضت کی کوئی ضرورت نہیں میں نے تیری سب عبادتیں قبول کر لی ہیں۔“

یہ لفظ سن کر حضور غوث پاک نے لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا بادل پھٹ گیا اور آواز آئی،

”اے عبد القادر! میں ابلیس ہوں، تجھے تیرے علم نے بچا لیا ہے ورنہ

میں اس مرتبہ پر پہنچے ہوئے شتر غوثوں کو اسی حربے سے گمراہ کر چکا ہوں

عبد القادر! تجھے تیرے علم نے بچا لیا ہے۔“

حضور غوث پاک نے فرمایا:

”ظالم! اب بھی دھوکا دینا چاہتا ہے کہ میں علم پر فخر کروں، غلط ہے۔  
مجھے میرے علم کے علاوہ اللہ کے فضل نے بچایا ہے“

عوارف الاعارف میں ہے امام حسن بصری فرماتے ہیں  
امام حسن بصری علیہ الرحمۃ کہ ”فقیر وہ زاہد ہے جو دنیا سے رغبت نہ رکھے۔  
صوفیاء کرام جب ظاہری علم حاصل کرتے ہیں تو یہ علم انہیں عمل کی تلقین کرتا ہے اور جب  
وہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں تو انہیں علم وراثت عطا ہوتا ہے۔ لہذا وہ دوسرے  
علماء کے علوم میں مساوی درجہ رکھتے ہیں مگر کچھ زائد عمل کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں۔ وہ زائد  
علم علم وراثت ہے اور یہی ولایت ہے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں،  
حدیث شریف قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيهٌ  
وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک عالم دین شیطان پر ہزار (بے علم) زاہد سے زیادہ سخت ہے۔  
ہر چیز کا ایک ستون ہوتا ہے اور اس مذہب کا ستون علم ہے۔ حضرت شیخ  
ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جب علم قلب تک پہنچتا ہے تو دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ حق  
باطل کو دیکھنے لگتا ہے اور ہدایت و گمراہی کا فرق معلوم کر لیتا ہے۔“

جب وہ علم کے مطابق عمل شروع  
خواجہ شہاب الدین سہروردی کا ارشاد کر دیتے ہیں تو انہیں معرفت  
حاصل ہوتی ہے۔ معرفت کے بعد انہیں ہدایت حاصل ہوتی ہے لہذا علم قلوب کے لیے  
خدا داد نعمت ہے جسے معرفت امتیاز بخشی ہے اور ہدایت دلی و حبدان کا دوسرا  
نام ہے۔



اکابرین اولیاء کرام کے ان ارشادات سے صاف صاف واضح ہوتا ہے کہ ولایت کے لیے علم نہایت ضروری ہے۔

ایک مذموم تحریک اکثر جاہل لوگ آج کل اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ علم اور چیز ہے اور ولایت اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ کثرت ایسے جاہلوں کی ہو گئی ہے جنہوں نے پیری مریدی کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے وہ خود تو علم حاصل نہیں کرتے اب وہ اپنی جہالت پر نادم ہونے کی بجائے اپنے مریدین کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ علم کوئی چیز نہیں ہے ولایت علم پر منحصر نہیں۔ ان کی اس کوشش سے جاہل پیروں کا ایک جال ہے جو پھیلتا چلا گیا ہے۔ بات یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ اب تو عبادت سے بھی انکار کیا جا رہا ہے اور علی الاعلان کہا جاتا ہے کہ عبادت کی کوئی ضرورت نہیں۔

نماز عاشقاں کلی وجود مست

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دستے نباید داد دست

”بہت سے ابلیس شیطانوں کی شکل میں پھرتے ہیں ہر ایک ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے۔“

دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ایسے جاہل بے دین پیروں سے بچائے۔ یہ ظالم لوگ ہیں، ایمان کے ڈاکو ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِی مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ۔

ایسے لوگوں کے پاس نہیں بیٹھنا چاہیے۔

ایک شخص نے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے

شہنشاہ بعد ادا کا ارشاد سوال کیا کہ حضور! آپ کو یہ عظیم مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟

آپ نے فرمایا :

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتَّى صِرْتُ قُطْبًا۔

”میں علم (ظاہری و باطنی) پڑھتے پڑھتے قطب بن گیا ہوں۔“

آپ کا یہ ارشاد کہ میں مسلسل علم پڑھ کر قطب کے درجہ پر فائز ہو گیا ہوں، کتنا واضح اور صاف اعلان ہے کہ بغیر علم کے مقام ولایت و قطبیت کا حصول محال ہے۔ پھر علم چاہے بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ علم کا نام علم لدنی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی اُمت کے ایک اہل آپ کے وزیر  
**أَصْفَ بْنَ برخیا** اصف بن برخیا جو ایک آن میں سینکڑوں میلوں سے شہزادی  
 بلقیس کا تخت لے آئے تھے، ان کے متعلق قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ۔

”کتاب کے عالم نے کہا۔“

آپ غور فرمائیں کہ اللہ کریم نے ان کی تعریف صفت علم سے فرمائی ہے۔ قرآن کریم کی  
 دوسری آیت میں فرمایا:

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔

”اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے علما ہی ہیں۔“

**حرفِ آخر** نتیجہ کیوں سمجھ لیجئے کہ عالم اور ولی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے،  
 یعنی ہر عالم ولی نہیں ہوتا اور ہر ولی عالم ضرور ہوتا ہے۔ علم منزلِ  
 اول ہے اور ولایت منزلِ ثانی۔ جو مرتبہ ولایت کے لیے کوشاں ہو اور راہ پر چل رہا ہو  
 اس کی مخالفت گویا مرتبہ ولایت کی مخالفت ہے۔ راہ کی تردید منزل کی تردید ہوا کرتی ہے۔  
 اس لیے میں اپیل کروں گا کہ وہ حضرات جو مرتبہ ولایت کی آڑ میں مرتبہ علم کی مخالفت کرتے ہیں  
 اس مذموم تحریک سے دست بردار ہو جائیں کیونکہ یہ فی الحقیقت اسی درخت کی بنیاد پر  
 کھڑا ہے جس کے سائے میں آرام کیا جا رہا ہے۔

علم بذاتِ خود ایک عظیم مرتبہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا  
 مرتبہ علم ارشادِ گرامی ہے:

الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرَثُوا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا بَلْ وَرَثُوا الْعِلْمَ  
فَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ -

”انبیاء دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں  
اور علماء ان کے وارث ہیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ -  
”کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔“

مرتبہ ولایت کی مخالفت جس طرح مرتبہ علم کے خلاف ایک تحریک چل رہی ہے  
بےینہ اسی طرح مرتبہ ولایت کے متعلق بھی ایک تحریک

نہروں پر ہے۔ اس تحریک میں حصہ لینے والے دو طبقوں پر منقسم ہوتے ہیں، ایک وہ جو  
مرتبہ ولایت کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مخالفت میں سرگڑاں ہیں۔ دوسرے وہ جو مرتبہ ولایت  
کے سرے سے ہی منکر ہیں۔ گروہ ثانی کا تو کوئی علاج نہیں اور گروہ اول کی مخالفت بھی  
ایک چستان ہے۔ پیری مریدی میں بھی مشغول ہیں۔ حنفی، نقشبندی کہلاتے ہیں اور ساتھ  
ساتھ تردید بھی کیے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی پاکستان اور ہندوستان میں کثرت ہے۔  
ان لوگوں نے اپنا ایمان اور عقیدہ محفوظ رکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے اس لیے کہ یہ لوگ  
روپ دھار کر آتے ہیں۔ اصل میں یہ بھی گروہ ثانی کا ہی ایک حصہ ہیں۔

عیسائی گرجا میں جاتا ہے، مرزائی اپنے مرزا کی نبوت کا اعلان کرتا ہے، وہابی  
تقلید کا انکار کرتا ہے، شیعہ علی الاعلان ماتم کرتا ہے۔ غرضیکہ ہر عقیدے والا اپنا عقیدہ  
ظاہر کرتا ہے مگر یہ لوگ چھپ کر آتے ہیں۔ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں  
ذِیَابٌ فِیْ ثِیَابٍ ”انسانی لباس میں بھڑیے“ ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا۔  
جانور کا مقدمہ واقعہ یہ تھا کہ ایک شکاری نے بھیس بدل کر ایک جانور کا  
شکار کیا۔ اس جانور کی والدہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں مقدمہ دائر کر دیا۔



شکاری پیش کیا گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اس کے بیٹے کو کیوں شکار کیا؟ شکاری نے عرض کی: حضور! حلال جانور تھا اور حلال جانور کا شکار جناب کی شریعت میں جائز ہے۔ جانور کی والدہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ حلال جانور کے شکار پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اعتراض یہ ہے کہ شکاری کا لباس پہن کر کیوں نہیں آیا۔ اگر یہ لباس شکاری میں آتا تو ہم اپنا بچاؤ کر لیتے۔ اس نے دھوکے سے شکار کیا ہے اور دھوکا کرنا آپ کی شریعت میں ناجائز ہے۔

دونوں کے دلائل سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ دیا کہ جانور کی والدہ کا موقف ٹھیک ہے اور شکاری کو سزا دی جائے گی۔

ان لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ یہ لوگ اہلسنت کے لباس میں آتے ہیں مگر یہ لوگ سلام، قیام، ختم، فاتحہ، عرس، میلاد وغیرہ کے قائل رہتے ہیں بلکہ اگر ان کی کسی حرکت سے عوام کو شبہ ہو جائے تو منبر پر کھڑے ہو کر قرآن کریم کی ہزار ہزار قسمیں اٹھا کر اہل سنت ہونے کا یقین دلاتے ہیں۔ سادہ لوح انسان ان کے اس بھڑے میں آجاتے ہیں۔ آخر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اپنا ایمان و عقیدہ ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

**باطنی نظام** حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ اس باب کی بہت بڑی دلیل ہے کہ پروردگار عالم جل جلالہ نے ایک مکمل باطنی نظام مقرر فرمایا ہوا ہے یہ نظام مقبولانِ بارگاہِ الہی چلاتے ہیں۔ اس نظام کی پوری تفصیل کے لیے کافی ورق درکار ہیں۔ یہ مختصر کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی، یہاں صرف دو حدیثیں سماعت فرمائیے:

علامہ شیخ محمد عبدالباقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب زر قافی شرح مواب

**حدیث شریف** لدنیہ میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِلَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْأَرْضِ ثَلَاثَ مِائَةِ رَجُلٍ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَهُ أَرْبَعُونَ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَهُ سَبْعَةٌ قُلُوبُهُمْ عَلَى قَلْبِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَهُ خَمْسَةٌ قُلُوبُهُمْ

عَلَى قَلْبِ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَهُ ثَلَاثَةٌ قُلُوبُهُمْ عَلَى  
 قَلْبِ مِيكَائِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَهُ وَاحِدٌ قَلْبُهُ عَلَى قَلْبِ  
 إِسْرَافِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا مَاتَ الْوَاحِدُ أَبَدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ  
 مِنَ الثَّلَاثَةِ وَإِذَا مَاتَ مِنَ الثَّلَاثَةِ أَبَدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ مِنَ الْخَمْسَةِ وَإِذَا مَاتَ  
 مِنَ الْخَمْسَةِ أَبَدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ مِنَ السَّبْعَةِ وَإِذَا مَاتَ مِنَ  
 السَّبْعَةِ أَبَدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ مِنَ الْأَرْبَعِينَ وَإِذَا مَاتَ مِنَ الْأَرْبَعِينَ  
 أَبَدَلَ اللَّهُ مِنْ ثَلَاثِ مَائَةٍ وَإِذَا مَاتَ مِنْ ثَلَاثِ مَائَةٍ أَبَدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ  
 مِنَ الْعَاقِمَةِ فِيهِمْ يَحْيَى وَيُمَيِّتُ وَيُمِطِرُ وَيُجَبِّتُ وَيَرْفَعُ اللَّهُ  
 بِهِمُ الْبَلَاءَ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ -

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 فرماتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق میں تین سوا اولیا ہیں ان کے  
 دل آدم علیہ السلام کے دل پر ہیں اور چالیس کے دل موسیٰ علیہ السلام کے  
 دل پر اور سات کے دل ابراہیم علیہ السلام کے دل پر اور پانچ کے دل  
 جبریل علیہ السلام پر اور تین کے دل میکائیل علیہ السلام پر اور ایک کا  
 اسرافیل علیہ السلام پر ہے۔ جب ان سے ایک فوت ہو جاتا ہے تو تین  
 میں سے کوئی اس کا قائم مقام ہوتا ہے اور جب ان میں سے کوئی فوت  
 ہوتا ہے تو پانچ میں سے کوئی اس کا قائم مقام ہوتا ہے اور جب ان سے کوئی انتقال کر جاتا ہے تو  
 سات میں سے اس کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اور جب سات میں سے کسی انتقال ہوتا ہے تو چالیس  
 میں سے کوئی اس کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اور جب چالیس میں سے کوئی  
 مرتا ہے تو تین سو میں سے اس کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اور جب تین سو  
 کوئی فوت ہو جاتا ہے تو عوام سے لیا جاتا ہے انہیں سے حیات موت، ینہ کا  
 برسا، نباتات کا اگنا، بلاؤں کا دفع ہونا اس امت کا ہوا کرتا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تین سو چھپن اولیاء اللہ ہیں جو اس نظام کو چلاتے ہیں

نیز مصیبتوں کا دور ہونا، بارش کا برساتا، موت و حیات انہی اولیاء اللہ کی وساطت سے ہوا کرتی ہے۔

روض الریاحین مصری صفحہ ۱۰ میں حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں،

ثَلَاثُ مِائَةٍ هُمُ الْأَوَّلِيَاءُ وَسَبْعُونَ هُمُ النَّجَبَاءُ وَأَرْبَعُونَ هُمُ أَوْلَادُ الْأَوْصِيَاءِ وَعَشْرَةٌ هُمُ النَّقَبَاءُ وَسَبْعَةٌ هُمُ الْعُرَفَاءُ وَثَلَاثَةٌ هُمُ الْمُخْتَارُونَ وَوَاحِدٌ قَتْلُهُمُ الْغَوْثُ۔

”تین سو اولیاء ہیں اور ستر نجباء ہیں اور پالیس اولاد ہیں اور دس نقباء ہیں، اور سات عرفاء ہیں اور تین مختار ہیں، اور ان میں سے ایک غوث ہے۔“

ذرقانی شرح مواہب اللدنیہ صفحہ ۳۹۶ میں ہے کہ اولیاء کرام سے چار اولاد ہوتے ہیں

زمین پر۔ ایک مشرق، دوسرے مغرب، تیسرے شمال اور چوتھے جنوب کا انتظام فرماتے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں کہ شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ کے

شاہ بوعلی قلندر علیہ الرحمۃ ایک مرید کو شہر کے گورنر نے بلا وجہ سزا دی۔ اس

مرید نے حضرت شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے ہندوستان

کے شہنشاہ کو خط لکھا، اس کے مضمون کا ترجمہ علامہ اقبال یوں بیان کرتے ہیں:۔

باز گیر ایں عامل بد گوہرے

ورنہ بخشم ملک تو با دیگرے

”اس گورنر کو قرار واقعی سزا دی جائے اس نے میرے مرید کو بلا وجہ

مارا ہے۔ اگر تو نے سزا نہ دی تو تیرا ملک کسی اور کو بخش دوں گا۔“

ملک کا دینا اور چھین لینا اللہ کا کام ہے قرآن کریم کا ارشاد ہے،

وَتُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔

”جس کو چاہے ملک بخش دے اور جس سے چاہے چھین لے۔“

اولیاء کرام اللہ تعالیٰ کے مظہر ہوتے ہیں ان کا ہر فعل درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی ہے

مگر وہ اولیاء جن کے سپرد یہ انتظام کیا جاتا ہے کبھی کبھی ان کی طرف بھی نسبت کر دی جاتی ہے

اس نسبت کو نسبت مجازیہ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت قرآن کریم کی سورہ مریم میں ہے۔



حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور فرمایا:  
نسبت مجازی اِنَّمَا اَنَا دَسُوْلُ سَرِيكَ لِاَهْبَ لَكَ غُلَامًا شَرِيكًَا  
”میں تیرے رب کا قاصد ہوں تاکہ تجھے ایک سُسترا بیٹا بخش دوں“

یہاں بیٹا بخشنے کی نسبت حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف ہے حالانکہ اولاد بخشنا  
فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے مگر حضرت جبریل علیہ السلام اپنی طرف نسبت فرما رہے ہیں۔  
یہ نسبت مجازی ہے۔ نسبت مجازی کی لاتعداد مثالیں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے اولیاء اللہ ہر چیز پر حکومت  
اولیاء کا پانی پر تصرف فرماتے ہیں۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کا  
وطیرہ تھا کہ دریائے دجلہ پر مصلیٰ بچھاتے اور مصلیٰ تیرتا ہوا پار گزر جاتا۔ کبھی کبھی آپ دیر تک دیا  
کے درمیان مصلے پر کھڑے رہتے تھے۔

ایک دن دُور سے ایک آدمی نے دیکھا اور سمجھا کہ کوئی ملاح کشتی لیے جا رہا ہے۔ اس  
نے آواز دی کہ اے ملاح! مجھے بھی پار لے جانا۔ آپ نے جواباً فرمایا: جلدی آؤ ہم اس  
کاٹنات میں اسی لیے آئے ہیں۔ اس آدمی نے قریب آکر دیکھا کہ مصلے پر کھڑے ہیں اور  
مصلیٰ پانی پر تیر رہا ہے۔ اس نے عرض کیا: حضور! میں نے سمجھا تھا کہ شاید ملاح ہوگا۔  
آپ نے فرمایا: تجھے دریا کے اس پار گزر جانے سے غرض ہے تجھے کشتی اور ملاح سے  
کیا واسطہ؟ اس نے عرض کیا: حضور! یہ کیسے ہو سکتا ہے! آپ نے فرمایا: میرے مصلے  
پر کھڑے ہو جاؤ اور ”یا جنید“ کہتے چلو۔ اس نے مصلے پر قدم رکھا اور ڈر رہا تھا کہ  
کہیں ڈوب نہ جائے۔ آپ نے فرمایا: خوف مت کھاؤ اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں  
دے دو۔

لج پال پریتاں نوں توڑ دے نہیں

جہدی بانہہ پھڑے پھر چھوڑ دے نہیں

اس نے اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے دیا اور مصلے پر کھڑا ہو گیا۔ مصلیٰ پانی پر تیرنے لگا  
”یا جنید“ کہتا ہوا چلا جا رہا تھا اور مصلیٰ پانی پر تیرتا جا رہا تھا جب دریا کے درمیان

پہنچے تو اس نے "یا جنید" چھوڑ کر "یا اللہ" کہنا شروع کر دیا۔ جو نہی اس نے وسیلہ ترک کیا تو ڈوبنے لگا۔ آپ نے پکڑ کر باہر نکالا اور فرمایا کہ تم ابھی جنید تک بھی نہیں پہنچ پائے، اللہ تعالیٰ تک کیسے پہنچ سکتے ہو!

معلوم ہوا کہ وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچنا مشکل ہے۔ مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

پیر را بگریں کہ بے پیر این سفر  
ہست پُر از آفت و خوف و خطر

دلیل: قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا  
وہ لوگ جو اپنی جانوں پر ظلم کر چکے ہیں (اے محبوب!) آپ کے پاس آ جائیں پس استغفار کریں اللہ تعالیٰ سے اور استغفار کرے ان کے لیے یہ رسول تو ضرور پائیں گے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان۔

اس آیت پاک سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ گناہوں کی توبہ کرنے کے لیے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ ضروری ہے۔

مستعد و کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق عظیم اور نیل رضی اللہ عنہ نے دریائے نیل کی طرف خط لکھا، وہ ہر سال ایک مہینہ لے کر جاری ہوا کرتا تھا۔ عجلداری اسلام میں آنے کے بعد حضرت امیر المومنین کی بارگاہ میں یہ واقعہ پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، یہ بدعت ہم قبول نہیں کر سکتے۔ آپ نے اسی وقت دریائے نیل کی طرف ایک رقبہ لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

"اگر اللہ کی مرضی سے بہتا ہے تو تجھے یہ بدعت فوراً چھوڑ دینی چاہیے اور اگر اللہ کے حکم کے تحت نہیں چلتا تو ہمیں تیرے پانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"  
یہ خط گورنر مصر نے جب دریائے نیل کے درمیان رکھا تو ابھی وہ باہر کنارے تک بھی نہیں

پہنچے تھے کہ پانی اس زور سے آیا کہ کناروں سے اُچھل گیا اور پھر آج تک برابر بہ رہا ہے۔  
 فتوح الشام میں ہے کہ دریائے دجلہ کی وادی میں کفر و اسلام کی جنگ  
 دریائے دجلہ ہو رہی تھی یہودی لشکر تعداد کے لحاظ سے لشکر اسلام سے کئی گنا زیادہ تھا۔  
 سامانِ حرب بھی ان کے پاس بکثرت موجود تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اگر انہیں  
 شکست بھی ہو جائے تو دریائے دجلہ پار کرنے کے لیے ان کے پاس کشتیوں اور جہازوں  
 کا وافر انتظام تھا اور دریا کے دوسرے کنارے مدائن کا قلعہ ایک مضبوط قلعہ تھا جو یہودی  
 لشکر کو پورے طریقے پر پناہ دے سکتا تھا۔

جنگ زوروں پر تھی، زخمیوں کی چیخوں اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ نے آسمان سے  
 اٹھارکھا تھا، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ قریب تھا کہ لشکر اسلام  
 شکست سے دوچار ہو جائے۔ مگر لشکر کے سپہ سالارِ اعظم حضرت سعد بن ابی وقاص کی ولولہ انگیز  
 تقریر نے مجاہدین کے حوصلے بڑھا دیے اور پھر لشکر اسلام نے تعاقب کیا۔ یہودیوں کے  
 پاس دریائے دجلہ پار کرنے کا مکمل انتظام تھا۔ چنانچہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے دریا سے پار  
 گزر گئے۔

اتنے میں لشکر اسلام دریا کے اس کنارے پر پہنچ چکا تھا۔ ساٹھ ہزار گھوڑے  
 کنارہ دریا پر کھڑے اپنے سپہ سالار کے حکم کے منظر تھے۔ دریا اپنی طغیانی اور موجوں سے  
 بہہ رہا تھا۔ کسی نے کہا ہے کہ:

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام  
 کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

تھوڑی دیر میں حضرت سعد آگئے، فرمایا: "سپاہیو! کیوں کھڑے ہو گئے؟ کیا  
 دریائے دجلہ کی لہروں سے ڈر گئے ہو؟" مجاہدین نے کہا: "صرف اور صرف آپ کے حکم کا  
 انتظار ہے۔ آپ حکم دیں تو ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈالنے کے لیے تیار ہیں۔" آپ نے  
 فرمایا: "سب سے پہلے میرا گھوڑا جائے گا۔" آپ نے اپنے گھوڑے کو دریا میں ڈالتے  
 ہوئے فرمایا:



وَأَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ط

ۛ

سپر دم بہ تو مایہ خویش را  
تو دانی حساب کم و بیش را  
حضرت سعد کا گھوڑا پانی کی سطح پر سوار ہو گیا تو تمام شکر اسلام نے اپنے گھوڑے  
دریا کی سطح پر ڈال دیے، سب کی زبان پر جاری تھا:  
بِسْمِ اللَّهِ مَجْبِرِهَا وَمُرْسِهَا۔

ۛ

آنے دو یا ڈوبو دواب تو تمھاری جانب  
کشتی تمھیں پہ چھوڑی لنگر اٹھا دیے ہیں  
شکر اسلام کے گھوڑے دریا کی سطح پر دوڑتے جا رہے تھے اور دریا سے چھینٹوں کی بجائے  
گرد اڑتی نظر آتی تھی۔ شکر اسلام دریائے دجلہ پار کر گیا مگر کسی کے گھوڑے کی زین تک بھی  
نہیں بھیگی تھی۔ علامہ اقبال ارشاد فرماتے ہیں: ۛ

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

معلوم ہوا کہ مقبولانِ بارگاہِ الہی کا پانی پر پورا پورا تصرف ہے، پانی بھی ان کا  
احترام کرتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ: ۛ

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چسپہ ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

شکر اسلام دریا کو پار کر گیا تو سپہ سالار نے کہا، اگر کسی سپاہی کی کوئی چسپہ  
دیا میں گر گئی ہو تو بتائے! میں دریا سے واپس لے کر دوں۔ ایک سپاہی نے کہا، اگر  
کوئی چیز گر گئی ہو تو دریا کا بہاؤ اسے بہا کر لے گیا ہو گا، اب واپس کیسے مل سکتی ہے؟  
آپ نے فرمایا، اگر تمھاری کوئی چیز گر گئی ہے تو بتاؤ۔ اس نے عرض کیا، حضور! میرا

کڑی کا پیالہ گر گیا ہے۔

آپ نے دریا کو حکم دیا کہ میرے سپاہی کا پیالہ واپس کر دے۔ پیالہ پانی سے بہہ کر  
دور نکل چکا ہے، دریا کے پانی میں ایک چکر سا بنتا ہے، وہ بنتا گیا اور پیالہ دریا کی اوپر  
کی سطح پر آتا گیا، آخر دریا نے پیالہ اچھال کر باہر پھینک دیا۔

نگاہِ ولایت پروردگارِ عالم کی عطا کی ہوئی طاقت سے اولیاء اللہ سب کچھ دیتے ہیں۔  
ان کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہوتی۔ عارفِ رومی قدس سرہ  
لکھتے ہیں:۔

لوح محفوظ است پیشِ اولیاء  
ہرچہ محفوظ است محفوظ از خطا

تشریحی اور تکوینی ولی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ولی دو طرح کے ہوتے ہیں  
ایک تشریحی اور دوسرے تکوینی۔  
تشریحی اس ولی کو کہتے ہیں جو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی سے  
اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔

اور تکوینی ولی وہ ہوتے ہیں جن کو عالم کے سیاہ و سفید کے اختیارات عطا کیے جاتے  
ہیں۔ ان کی نگاہ کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز ان سے پوشیدہ نہیں ہوتی۔ عالم  
میں اللہ کے حکم سے پورا پورا تعارف کرتے ہیں۔  
حضور غوثِ پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

نَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا  
كَخَرْدَلَةٍ عَلَى حَكْمِ اتِّصَالِ

”میں اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں کو اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح  
ہتھیلی پر رائی کا دانہ ہو۔“

غوثِ بہا الحق زکریا ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک عورت آپ کی خدمت میں حاضر  
ہوئی اور عرض کیا کہ حضور! دعا

فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد نصیب فرمائے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کر لیں تاکہ دیکھ سکیں کہ لوح محفوظ پر اس عورت کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بچہ لکھا ہے یا نہیں! سبحان اللہ! مقبولانِ خدا دیکھتے ہیں تو آنکھوں کو بند کر کے دیکھتے ہیں۔

اُلیٰ ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق  
آنکھوں کو بند کرتے ہیں دیدار کے لیے

بہر حال آپ نے فرمایا کہ تیری قسمت میں لوح محفوظ پر کوئی اولاد نہیں ہے۔ عورت ایس ہو کر واپس آ رہی تھی کہ راستہ میں غوثِ بہاء الحق ذکرِ یا کے پوتے شاہ رکن عالم صاحبِ نوری رحمۃ اللہ علیہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ بچپن کا زمانہ تھا انہوں نے عورت کو روٹنے دیکھ کر فرمایا: کیوں روتی ہے؟ عورت نے کہا: شہزادے! تمہارے دادا جان کے پاس گئی تھی تاکہ اولاد کی دعا کرا سکوں۔ مگر انہوں نے فرمایا ہے کہ تیری قسمت میں اللہ تعالیٰ نے اولاد نہیں لکھی ہے۔ شاہ رکن عالم نے فرمایا: پھر تو نے کیا کہا؟ عورت نے کہا: شہزادے! میں کیا کہہ سکتی تھی؟ آپ نے فرمایا: جواب تجھے میں سکھاتا ہوں، مگر دادا جان کے سامنے میرا نام مت لینا۔ آپ نے فرمایا: باکریہ کہو کہ اگر قسمت میں لکھا ہوتا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی یا نہ؟ مجھے مل ہی جاتا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا کیا فائدہ ہوا!

وہ عورت پھر واپس آئی اور جو کچھ شہزادے نے سکھایا تھا عرض کیا۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا: ابھی عمر چھوٹی ہے اور باتیں اونچی کرتا ہے۔ آپ نے عورت کو فرمایا کہ کل آنا، آج رات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کروں گا۔ چنانچہ صبح عورت آئی تو آپ نے فرمایا:

”میں نے تجھے ایک بیٹا دیا، دو دیے، تین دیے، چار دیے، پانچ دیے، چھ دیے، سات دیے۔“

اس عورت کو اللہ کریم نے سات بیٹے دیے۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیرِ دیکھی بستی ہزاروں کی تقدیرِ دیکھی



حضرت موسیٰ آہن گر علیہ الرحمۃ لاہور شہر میں میکلوڈ روڈ نزد قلعہ گوجر سنگ ایک مزار ہے۔ صاحب مزار کا نام حضرت موسیٰ آہن گر ہے۔ یہ بہت بڑے ادیب سے ہیں۔ ان کی بے شمار کرامتیں ہیں۔ آپ کی خدمت میں بھی ایک عورت آئی تو آپ نے فرمایا: "بھائی میں نے تجھے سات بیٹے دیے۔" اللہ تعالیٰ نے اسے سات ہی لڑکے عطا فرمائے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تفسیر مظہری میں قاضی ثنا اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے دو صاحبزادے ملا طاهر لاہوری سے علم شریعت حاصل کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "بچو! تمہارا استاد شقی ہے میں اس کی پیشانی پر لکھا دیکھ رہا ہوں؛ صاحبزادوں نے عرض کیا: حضور! آپ مجدد ہیں، آپ ہمارے استاد کی شقاوت سعادت سے بدل دیجئے؛ چنانچہ آپ کی دعا سے شقی کی بجائے سعید لکھ دیا گیا۔"

مکتوبات شریف میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حضور قضاے مبرم غوث پاک شہنشاہ کا یہ فرمانا کہ میں قضاے مبرم کو ٹال سکتا ہوں، میری دسترس قضاے مبرم میں بھی ہے، مجھے دیر تک پریشان کرتا رہا۔ میں بڑی دیر تک اس کو سوہتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی یہ مرتبہ عطا فرمادیا تو مجھے تسلی ہو گئی۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا بہت بلند مقام ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک لمحہ تبلیغ دین کے لیے وقف تھا۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں: یہ

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر  
وہ خاک جو ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار  
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے  
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

حضرت محمد بن حنیف شیرازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک ہرن کا واقعہ۔ میں بغداد میں پہنچا اور چالیس روز تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ پھر ایک دن پیاس لگی تو ایک ڈول اور رستی پکڑی اور ایک کنویں پر جا پہنچا۔ دیکھا تو ایک ہرن پانی پی رہا تھا اور کنویں کا پانی کناروں تک پہنچا ہوا تھا۔ میں جب قریب گیا تو ہرن افس چلا گیا۔ میں نے پانی پینے کا ارادہ کیا تو پانی تہہ میں چلا گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی: یا اللہ! کیا میں اس ہرن سے بھی کم مرتبہ رکھتا ہوں؟ ہرن آیا تو پانی کناروں تک آگیا اور جب میں پہنچا تو پانی نیچے تہہ تک پہنچ چکا تھا۔

آواز آئی، ہرن ڈول اور رستی کے بغیر آیا تھا اور ٹوٹنے ڈول اور رستی پر بھروسہ کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ڈول اور رستی فوراً پھینک دی اور توبہ کی۔ پھر دیکھا تو پانی اوپر آگیا۔ میں نے پیٹ بھر کر پیا۔ واپس آکر حضرت جنید رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ یہ واقعہ سناؤں مگر آپ نے میرے عرض کرنے سے پہلے ہی فرمادیا شیرازی! اگر تُو ستوری دیر اور ٹھہرتا تو پانی تیرے قدموں کے نیچے جوش مارتا، تو چلتا تو تیرے پیچھے چلتا۔ معلوم ہوا کہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے کنویں کا واقعہ پوشیدہ نہیں تھا۔

میراں حسین زنجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ حضور داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کو ان کے پیر و مرشد نے حکم دیا کہ اسے علی لاہور جا اور تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے۔ آپ یقین فرمائیں، جس کو ہندوستان کی تاریخ سے تھوڑی سی بھی واقفیت ہے جانتا ہے کہ یہاں اسلام محمود غزنوی اور محمد بن قاسم کی تلوار سے نہیں بلکہ اولیاء اللہ کی کوششوں سے پھیلا ہے۔ محمد بن قاسم اور محمود غزنوی کی تلواروں نے سر تو جھکا دیے مگر دلوں کو جھکانے والے اولیاء اللہ ہی تھے جنہوں نے منزلوں سفر کیے جو مشکلات و مصائب کی پروا کیے بغیر طویل اور دشوار گزار راستے طے کر کے محض تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لائے۔ آج ہندوستان ہی نہیں دنیا کے ہر کونے میں ان کی تبلیغ کے زندہ اثرات موجود ہیں۔ جس پر نگاہ اٹھ گئی تقہیر بدل کر رکھ دی۔ توحید کی فے پلاتے گئے، کفر کے قلعے گراتے گئے، اسلام کے ڈنکے بجاتے گئے۔ یہ فے وہ شراب نہیں جو



بوتلوں میں آئے اور گلاسوں میں تقسیم ہو۔ بلکہ یہ تو

طیبہ سے منگائی جاتی ہے سینوں میں چھپائی جاتی ہے

توحید کی نئی پیالوں سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے

میں عرض کر رہا تھا کہ داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حکم ہوا کہ لاہور جائیے۔ آپ نے

عرض کیا، حضور! وہاں میرے پیر بھائی حضرت میراں حسین زنجانی (رحمۃ اللہ علیہ) پہلے سے

ہی موجود ہیں۔ پیر و مرشد نے فرمایا، تجھے وہاں ضرور جانا ہے۔ چنانچہ آپ حکم کے مطابق

سفر فرماتے لاہور تشریف لائے۔ رات ہو چکی تھی، دروازے بند تھے۔ تمام رات دروازے

پر عبادت الہی میں مصروف رہے۔ صبح ہوئی تو دروازہ کھلا، دیکھا تو ایک جنازہ آرہا تھا۔ آپ

نے فرمایا، یہ کس کا جنازہ ہے؟ لوگوں نے بتایا، یہ ایک ولی کامل میراں حسین زنجانی کے ہے

وہ وصال فرما گئے ہیں اور آپ نے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ میرا جنازہ صبح کے وقت

فلاں دروازے سے گزرے اور جو شخص سب سے پہلے نظر آئے وہی میرا جنازہ پڑھائے اور وہ

لاہور کا خوش ہوگا۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ ولی اللہ کی نگاہ کہاں تک دیکھتی ہے۔

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب شرقپوری

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں گاؤں کا ایک چودھری اپنے بھتیجے دینجانی میں کتیں نوکر، غلام،

چھوٹی قوم والے کو کہتے ہیں، کو ساتھ لے کر حاضر ہوا۔ راستے میں چودھری نے کہا

اگر آج حضرت صاحب مجھے پلاؤ کھلائیں تو مانوں۔ اس نے کہا مقبولانِ خدا کا امتحان

نہیں لینا چاہیے۔ جب وہ شرقپور شریف پہنچے تو میاں صاحب نے گھر میں آواز دی کہ

چودھری صاحب کے لیے ایک پلیٹ پلاؤ کی بھیج دو۔

آپ نے پلیٹ چودھری صاحب کے سامنے رکھتے ہوئے فرمایا: لو اپنا پسندیدہ

کھانا کھاؤ۔ اور آپ نے اس کتے کو فرمایا، تو نے تو پلاؤ نہیں مانگا آؤ میں اور تم مل کر

کھانا کھائیں، تو چودھری صاحب کا کتہ اور میں حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا کتہ، آؤ



میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ۔

اس واقعہ سے چودھری صاحب پسینہ پسینہ ہو گئے۔ انہوں نے معافی مانگی اور اولیاء کے امتحان سے توبہ کی اور آپ کا مرید ہو گیا۔

اس طرح کے بے شمار واقعات اور حکایات کتابوں میں موجود ہیں، جن کے لیے ایک طویل دفتر درکار ہے۔

**ایمانِ مستم** ایمان جان سے مقدم ہے اگرچہ شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و السلام نے اجازت دی ہے کہ کبھی ایسا شدید خطرناک وقت آجائے جب جان کا خطرہ ہو تو دل ایمان سے پُر اور اسلام پر مضبوط ہو تو زبانی انکار وقتی سے ایمان کو نقصان نہیں پہنچ سکتا مگر عمل صحابہ اور اسلاف کا یہ بتاتا ہے کہ ان حضرات نے جانیں قربان کر دیں مگر ایمان باللہ اور بالرسول کا اعلان کرتے رہے۔

**حضرت بلال رضی اللہ عنہ** آپ کے حالات سے کون واقف نہیں آپ کو ہر قسم کی اذیتیں دی گئیں۔ مصائب کے پہاڑ گرائے گئے، مگر بلال اپنے ایمان پر چٹان سے بھی زیادہ مضبوط تھے۔ ایک دفعہ زمین پر گرا کر جلا دینے پر بیٹھ گیا، گردن پر تلوار رکھ کر پوچھا کیا اب بھی مستند (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن نہیں چھوڑ دوں گے؟ مگر بلال نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور کر کے کہا:

حلق پہ تیغ رہے سینے پہ جلا د رہے

لب پہ تیرا کلمہ، دل میں تری یاد رہے

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ بلال کو سخت

**بلال ہنتے رہے** سزا دی جا رہی ہے۔ بلال کوڑے کھائے جا رہے ہیں اور

رونے کی بجائے ہنتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: یہ ہنسنے کا وقت تو نہیں۔

بلالؓ نے کہا: یہ ٹھیک ہے، مگر آپ یہ فرمائیں کہ جب کسی نے کوئی چیز خریدنی ہو، مثلاً اگر کسی نے ایک مٹی کا پیالہ خرید کرنا ہو تو وہ

پہلے تو ٹھونکے بجائے گا اسے وہ بالیقین کہ یہ کھیت اور پلا تو نہیں  
میں بھی ہوں مٹی کا پیالہ عشق کے بازار میں آگیا ہوں میں پسند اس دم نگاہ یار میں  
صدیق! اللہ تعالیٰ میرے عشق کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ میں اس کے محبوب کے عشق  
میں کچا تو نہیں ہوں۔ صدیق اکبر! میں کیوں خوش نہ ہوں محبوب مجھے خریدنا چاہتا ہے۔

حضرت جناب رضی اللہ عنہ  
حضرت جناب رضی اللہ عنہ کے ایک صحابی جناب بن الارت  
قبول کر لیا ہے دہکتے ہوئے انگاروں پر ننگے جسم لٹا دیا کرتے تھے ان کے جسم کی چربی  
پگھل کر باہر اچھاتی۔ گوشت کے ٹوٹنے سے بھی یہی آواز آتی تھی، جان تو دی جاسکتی ہے  
مگر ایمان نہیں چھوڑا جاسکتا، جسے ایمان عزیز ہو وہ جان کی پروا نہیں کرتا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے اُس بچے کو صرف اس لیے قتل کیا تھا کہ اس کے  
والدین کا ایمان محفوظ رہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کیا گیا تھا۔

ولایت علم کے بغیر نہیں مل سکتی، بسا اوقات انھیں علم لدنی حاصل ہوتا،  
علم ولی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر حالات منکشف ہوتے ہیں، ساری کائنات  
ان کے صرف دو قدم ہوتی ہے۔ طی الارض اور طی الزماں کا مسئلہ مسئلہ ہے۔

حضرت عبدالعزیز دباغ مغربی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ ایک  
کھڑے تھے، قدم اٹھاتے مگر زمین پر رکھنے سے پہلے واپس کر لیتے۔ دیر تک یہ عمل  
جاری رہا۔ کسی نے عرض کیا: حضور! یہ کیا عمل ہے، آپ قدم اٹھاتے ہیں مگر زمین پر  
رکھتے نہیں۔ آپ نے فرمایا:

”گفتہ اند کہ زمین اولیاء را دو قدم است و مرا یک قدم میسر نمی شود“

”کہتے ہیں کہ زمین اولیاء اللہ کے لیے دو قدم ہوتی ہے مگر مجھے تو ایک

قدم بھی میسر نہیں آتا (اٹھاتا ہوں تو زمین سے پاؤں چلا جاتا ہے)“

بعض اولیاء کئی اولیاء کی ظاہری حالت دیگر گوں ہوتی ہے۔ کپڑے پٹے پر۔۔۔  
ہوتے ہیں۔ سر کے بال بکھرے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے،

رَبِّ أَشْعَثَ مَذْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ نَوَاقِصٌ عَلَى اللَّهِ لَا بُرَّةَ۔

’بہت سے ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ ان کے بال بکھرے ہوتے ہیں اور دروازوں

سے دُور کیے جاتے ہیں مگر شان یہ ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کر دیں تو اسی

طرح ہو جاتا ہے جس طرح ان کی زبان سے نکل جاتا ہے۔‘

محدثین کرام نے اس حدیث شریف کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں، ایک تو یہ کہ

کہ دے خدا کی قسم یہ کام اس طرح ہو جائے گا، ”یا یوں کہ“ یا اللہ! تجھے تیری ذات کی قسم

یہ کام اس طرح کر دے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں،

خاکسارانِ جہاں را بختارت مسگر

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

دوسرے مقام پر فرمایا،

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو

یدِ بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

آپ ایک دن اپنی گودڑی بچا کر بیٹھے ہوئے تھے،

بابا بکھے شاہ علیہ الرحمۃ اُچ شریف کے ایک بزرگ سید شریف لائے۔ انہیں

نے دیکھا کہ کپڑے تو پٹے پرانے ہیں مگر پیشانی سے نور کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ اُچ شریف کے

سید صاحب نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ بابا بکھے شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پہلے آپ فرمائیں

کہ آپ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں تو قصور میں بیٹھا ہوں

پہلے آپ فرمائیں۔ سید صاحب نے فرمایا،



اسیں اُچھے ساڈی ذات دی اُچی اسیں دُچ اُچاں دے ہننے ہاں  
 عقل ہو دی تے رمز پچانیں اسیں مڑ مڑ تینوں کھننے ہاں  
 بابا بٹھے شاہ صاحب نے فرمایا، میں نے پہچان لیا ہے آپ سید ہیں، آل پاک ہیں، واقعی  
 آپ اُونچے ہیں اور آپ کی ذات بھی اونچی ہے۔  
 اب انھوں نے فرمایا کہ آپ بتائیں سید محمد عبد اللہ شاہ المعروف بابا بٹھے شاہ صاحب  
 آپ بھی سید ہیں مگر اپنا تعارف کرانے کے ساتھ مسئلہ بھی حل فرمادیا۔ آپ نے فرمایا، شاہ صاحب آپ  
 اُونچے ہیں مگر

اسیں آپ قصوری ساڈی ذات قصوری اسیں دُچ قصو دے ہننے ہاں  
 عقل ہو دی تے رمز پچانیں اسیں مڑ مڑ تینوں کھننے ہاں  
 مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ  
 ”جو اللہ کے لیے جھکے اللہ اسے بلند فرمادیتا ہے۔“

ع

ہند شاخ پُر میوہ سر بر زمین  
 ”شاخ میوہ سے بھری ہوئی اپنا سر زمین پر رکھ دیتی ہے۔“  
 بارش ہو چکی تھی مگر تیز نہ ہونے کی وجہ سے بازاروں میں کچھ بھر چکا تھا  
 ایک فقیر کا واقعہ ایک فقیر ٹوٹا ہوا جوتا پہنے بازار سے گزر رہا تھا۔ اس کے ٹوٹے  
 ہوئے جوتے سے اڑاڑ کر کچھ راگبیروں کے کپڑوں پر گر رہا تھا، سردی ہو رہی تھی، اس کے کپڑے  
 پھٹے پڑنے لگے، تھوڑی دُور گیا تو ایک علوانی نے دُودھ کا ایک گرم گرم پیالہ اس فقیر کو دیا۔  
 اس نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہتے ہوئے تین سانس میں پی لیا، اور الحمد للہ  
 کتنا ہوا آگے گزر گیا، یہاں تک کہ ایک مکان کے پاس پہنچا، ایک بد معاش عورت اپنے ایک  
 دوست کے پاس بیٹھی تھی، اس فقیر کے پاؤں سے کچھ ڈاڑا اور اس عورت کے کپڑوں پر گر گیا۔  
 اس کے بد معاش دوست کو غصہ آیا، اس نے فقیر کو تھپڑ رسید کیا۔ فقیر نے مار کھا کر کہا، یا اللہ!  
 تو بھی بڑا بے پروا ہے، کہیں دُودھ پلاتا ہے اور کہیں تھپڑ رسید کرتا ہے، اچھا ہم تو

تیری رضا پر راضی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا بھی ایک بہت بڑا مقام ہے۔ جو لوگ مقامِ رضا پر ناز ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا بھی جرم سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جس حال میں وہ رکھے اس حال پر راضی رہنا ہی اس تک پہنچنے کا صحیح راستہ ہے۔

یہ کہہ کر فقیر آگے گزر گیا۔ اس بد معاش عورت کا دوست مکان کے اوپر چڑھا، پاؤں پھسلا، سر کے بل گرا اور ختم ہو گیا۔ کسی نے فقیر کو پکڑ لیا اور کہا کہ تُو نے اس کے لیے بد دعا کی۔ کیا تُو نہیں جانتا کہ ہم اس رسول کی اُمت ہیں جنہیں لوگ پتھر مارا کرتے تھے اور وہ اس کے جواب میں دُعا میں دیا کرتے تھے۔

فقیر نے کہا کہ مجھ سے قسم لے لیجئے جو میں نے بد دعا کی ہو۔ اس نے کہا، پھر وہ کیوں مرا؟ فقیر نے کہا، بات یہ ہے کہ دوستوں کی دوستوں سے لڑائی ہوئی ہے، عورت کے دوست کو غصہ آیا اس نے مجھے مارا اور میرے دوست کو غصہ آیا تو اس نے اس کا کام تمام کر دیا، اس میں میرا کیا قصور ہے!

”ولی“ اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ ولی کا معنی دوست ہے اور دوست کا دوست کو پاس ہوتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، حدیثِ قدسی ہے:

حدیث شریف مَنْ عَادَى بِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ لِلْحَرْبِ۔

جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اسے میں جنگ کا چیلنج دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے کون جنگ کر سکتا ہے۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا، اَلَا خَيْرٌ وَّارٍ كُوْنِيْ مِرَّةٍ اَوَّلِيًّا، کی شان میں گستاخی کا کلمہ نہ کہے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ انہیں نہ کوئی خوف اور نہ کوئی غم ہوگا۔

کتنی بڑی بشارت ہے ان حضرات کے لیے جنہوں نے اپنی زندگی کے لمحات اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزار دیے، جنہوں نے ذکرِ الہی کو سرمایہٴ حیات بنا لیا، ان کے لیے دنیا میں بھی اطمینان ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں ذکرِ الہی کے بغیر دل کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ -

”اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔“

اس کے ساتھ یہ بشارت بھی فرمائی:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

اس آیت کریمہ کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ارشادِ الہی کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے زمین کی پستیوں میں یاد کرو میں تمہیں عرش کی بلندیوں پر یاد کروں گا۔

ہم نماز میں یہ دعا کرتے ہیں:

اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

”ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔“

وہ منعم علیہم کون لوگ ہیں، انبیاء، صدیقین، شہداء، اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ما کیجئے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ -



# ماہِ ربیع الاول کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَزَلْ عَالِمًا قَدِيرًا حَيًّا قَيُّومًا سَمِيعًا  
بَصِيرًا ط وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ أَرْسَلَهُ إِلَى النَّاسِ  
كَافَّةً بَشِيرًا وَنَذِيرًا ط وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ كَثِيرًا ط  
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ط

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط  
لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ  
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ ذَرِيمٌ ۝  
(پ ۱۱، رکوع ۱۶)

حضرات! ربیع الاول کی بہت بڑی فضیلت ہے۔ علماء اسلام نے تصریح فرمائی ہے  
کہ ماہِ ربیع الاول کا مرتبہ باقی تمام مہینوں سے بلند ہے حتیٰ کہ رمضان المبارک کی شان بھی  
اس مہینے کی شان سے کم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ رمضان مبارک میں قرآن کریم اترتا، اعلانِ  
باری تعالیٰ ہے،

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ -

”رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔“

اور ربیع الاول میں صاحبِ قرآن تشریف لایا، اُس میں قرآن آیا تو اس میں قرآن والا  
تشریف لایا۔ ہماری حقیقی عید تو اسی ماہِ مبارک میں ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا  
پیارا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عطا فرمایا۔ اگر وہ محبوب تشریف نہ لاتا تو رمضان، قرآن،

ایمان غرضیکہ کوئی چیز بھی نہیں نہ ملتی، یہ سب انہیں کا صدقہ ہے۔ بلکہ اگر وہ پیدا نہ کیے جاتے تو ہم کیا کائنات کا کوئی ذرہ بھی معرض وجود میں نہ آتا۔

اس آیت کریمہ کے تحت حضرت عبداللہ بن عباس حب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر نوازا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا:

”الہی! تو نے مجھے ایسی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے کہ مجھ سے پہلے کسی کو ایسا مقام عطا نہیں ہوا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”اے موسیٰ! ہم نے تیرے دل کو متواضع پایا تو اس مقام سے نوازا دیا۔  
فَخَذْنَا مَا أَمْنُوكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ وَمَتَّ عَلٰی تَوْحِيدٍ وَ  
حُبِّ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔“

جو آپ کو دیا گیا اس پر شکر کرو اور زندگی کے آخری لمحات تک توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر رہو۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

”یا اللہ! محمد کی محبت تیری توحید کے ساتھ ضروری ہے؛“

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَوْلَا مُحَمَّدٌ وَأُمَّتُهُ لَمَا خُلِقَتِ الْجَنَّةُ وَلَا النَّارُ وَلَا الشَّمْسُ  
وَلَا الْقَمَرُ وَلَا اللَّيْلُ وَلَا النَّهَارُ وَلَا مَلَكًا مُّقَرَّبًا وَلَا بَيْتًا  
مُّوسَلًّا وَلَا آيَاتًا۔

”اگر محمد اور اس کی امت نہ ہوتی تو میں جنت، دوزخ، سورج، چاند، رات، دن، فرشتے، انبیاء کسی کو پیدا نہ کرتا اور اسے موسیٰ تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔“

حدیث قدسی ہے:

وَلَا تَكُنَا أَظْهَرْتُ الرَّبُّوْبِيَّةَ۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو بھی ظاہر نہ کرتا۔  
آپ غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے ہمیں اپنا پیارا احسانِ عظیم محبوب عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بے پناہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ ہم اپنے جسم کو ہی دیکھیں۔ آنکھ، کان، بازو، پاؤں وغیرہ وغیرہ ایسی نعمتیں ہیں کہ ساری کائنات ان کی قیمت نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ نعمتیں مفت عطا فرمائی ہیں۔ اس کی نعمتوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَرَأٰنُ تَعْدُوْا نِعْمَةً اللّٰهِ لَا تَحْصُوْهَا

”اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔“

اور پھر کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت پر یہ نہیں فرمایا کہ اے انسان! میں نے تجھے یہ نعمت دے کر تجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ یعنی نعمتیں تو دی ہیں مگر احسان نہیں جتلیا۔ اور جب کائنات میں اپنا پیارا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا تو ارشاد فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

”اللہ نے مومنین پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں بڑی عظمت والا رسول بھیجا ہے۔“

معلوم ہوا یہ وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے احسان جتلیا ہے۔ احسان اس نعمت پر ہوتا ہے جس پر دینے والے کو خود بھی ناز ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا اعلان اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے فرمایا۔ جس آیت کو میں نے عنوانِ تقریر بنایا ہے اب اس کی مختصر تشریح سماعت فرمائیے۔

ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ جَاۤءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ۔

”بیشک تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول تشریف لائے۔“



اگر وہ ہم میں سے تشریف نہ لاتے تو ہم کبھی فیض حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ اَنْفُسِکُمْ کی دو قرائتیں ہیں، ایک "ف" پر پیش اور دوسری میں "ف" پر زبر۔ یعنی اَنْفُسِکُمْ۔ اس تقریر پر معنی یہ ہوں گے کہ بے شک تم میں سے نفیس ترین اور بہترین جماعت سے آئے۔ تمام دنیا میں عرب افضل، عرب میں قریش افضل اور قریش میں بنو ہاشم افضل۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بنو ہاشم میں پیدا ہوئے۔ وہ جس مہینے میں تشریف لائے وہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل، جو کتاب لائے وہ تمام کتابوں سے افضل، جو دین لائے وہ تمام دینوں سے افضل، جس شہر میں آئے وہ تمام شہروں سے افضل اور جس زمانے میں آئے وہ تمام زمانوں سے افضل، ان کے صحابہ تمام کائنات سے افضل، ان کی اُمت تمام اُمتوں سے افضل، ان کا قانون قانونِ الہی، ان کا کلام کلامِ الہی، ان کا دیکھنا خدا کا دیکھنا، ان کا بولنا خدا کا بولنا، ان کا ہاتھ خدا کا ہاتھ، ان کا پھینکنا خدا کا پھینکنا، ان کی بیعت خدا کی بیعت، ان کا گھر خدا کا گھر۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مفر  
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں  
یہاں لفظ "رسول" کی تنوین تعظیم کے لیے ہے یعنی عظمت والا رسول۔ عَزِيزٌ  
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہاری تکلیف نہیں دیکھ  
سکتے۔ یہ حقیقت ہے کہ تکلیف نہیں ہوتی ہے اور بے چین حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔  
تین مقام ہوں گے۔ ایک صحابی نے عرض کی: يَا رَسُولَ اللَّهِ فِذَاكَ اُرِيتِ وَ  
اُرِيتِ (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں) اگر ہم نے آپ کو حشر میں تلاش کرنا ہو تو کہاں  
تلاش کریں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تین مقام ہوں گے جہاں میں مل سکوں گا۔ جہاں  
میری اُمت کے اعمال تو لے جا رہے ہوں گے میں پاس کھڑا ہوں گا تاکہ اگر کسی اُمتی کا  
عمل کم ہو جائے تو پورا کر دوں۔

صحابی نے عرض کیا: "آقا! اگر ہم آپ کو وہاں نہ پائیں تو؟"



صفات الہی قرآن کریم میں ارشاد ہے، اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

ثابت ہوا کہ رؤف اور رحیم اللہ تعالیٰ کی صفیتیں ہیں، مگر یہی صفیتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرمائی ہیں۔ حضور علیہ السلام کی یہ صفات عطا ہی اللہ تعالیٰ بھی رؤف رحیم ہے اور اس کا حبیب بھی رؤف رحیم ہے۔

قرآن کریم ایک آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بیان فرماتا ہے، هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

اس آیت کے متعلق حضرت علامہ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اپنی کتاب مدارج النبوت کی ابتدا میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت حمد خدا بھی ہے اور نعمت مصطفیٰ بھی۔ یہ صفات الہی بھی ہیں اور صفات رسول بھی۔ علامہ اقبالؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے،

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر  
وہی قرآن وہی فرقاں وہی تسنیں وہی ظہا  
وہ دانائے سب ختم الرسل مرگئے کل جس نے  
خباہ راہ کو بخشا فروغ دادی سینا

حضور علیہ السلام اول بھی ہیں اور آخر بھی۔ سب سے پہلے پیدا کیے گئے اور سب سے آخر بھیجے گئے۔

خصائص الکبریٰ جلد اول صفحہ ۱۵۶ پر ایک حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معراج کی رات حضور علیہ السلام کو کچھ اجباب ملے۔ انہوں نے آپ پر سلام پڑھا۔ الفاظ یہ تھے: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ يَا اَوَّلَ السَّلَامِ عَلَیْكَ يَا اٰخِرَ السَّلَامِ عَلَیْكَ يَا حَاشِر۔ جبریل نے عرض کیا، حضور! یہ سلام کرنے والے حضرات ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام تھے۔ معلوم ہوا کہ انبیائے سابقین بھی آپ کو اول اور آخر کہہ کر پکارتے تھے۔

یہ حدیث بہت مشہور ہے اور اس حدیث کو امام بخاری کے استاد سید عبدالرزاق نے اپنے مسند میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا،



يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ قَدْ أَتَىٰ ابْنِي وَأُتِيَ بُحْبُوحَةُ كَرَامَتِهِ  
اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے کس کو پیدا کیا؟

حضرت علیہ السلام نے فرمایا:

”يَا جَابِرُ إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ قَبْلَ الْأَشْيَاءِ نُورَ نَبِيِّكَ مِنْ نُورِهِ“  
اے جابر! اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے  
نور سے پیدا کیا۔“

پھر وہ نور قدرت الہی سے جہاں اللہ کو منظور تھا سیر کرتا رہا۔ اس وقت نہ لوح تھی  
نہ قلم تھا، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتے تھے نہ آسمان، نہ چاند تھا نہ سورج، نہ جن تھے  
نہ انسان، نہ مٹی تھی نہ پانی، نہ آگ تھی نہ ہوا۔ غرضیکہ کائنات کی کسی شے کا وجود نہ تھا۔ پھر  
جب اللہ تعالیٰ نے باقی مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو اس نور کے چار حصے کیے، ایک سے قلم،  
دوسرے سے لوح محفوظ، تیسرے سے عرش اور چوتھے سے باقی سب چیزیں پیدا فرمائیں۔  
یہ حدیث کافی طویل ہے اس کو امام قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں، امام ابن حجر مکی  
نے افضل القرنی میں امام بیہقی نے دلائل النبوة میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے  
مدارج النبوة میں درج فرمایا ہے۔

اس حدیث میں کسی کو کلام نہیں صرف بعض حضرات کو ”نور نبیک“  
ایک شبہ کی تشریح میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں لفظ ”نور“  
لفظ ”نبیک“ کی طرف مضاف ہے اور مضاف الیہ میں تغایر ہوتا ہے۔  
جیسے زید کی ٹوپی۔ زید اور ہے ٹوپی اور۔ تو معلوم ہوا کہ نبی اور ہے اور نور اور۔  
جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اضافت بیانیہ ہے۔ اور یہ کہنا کہ مضاف اور  
مضاف الیہ الخ میں ہمیشہ تغایر ہوتا ہے صحیح نہیں۔ اگر یہ دعویٰ تسلیم کر لیا جائے تو نفس،  
عینہ، ذاتہ، وجودہ کا کیا جواب ہوگا۔

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اگر یہاں اضافت بیانیہ  
نہ لی جائے بلکہ نور سے وہی مشہور یعنی روشنی (کہ عرض و کیفیت ہے) مراد ہو تو

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو مخلوق نہ ہوئے بلکہ ایک مرض و صفت پھر وجود موصوف سے پہلے  
 صفت کا وجود کیسے ممکن ہے۔ لاجرم حضور خود ہی نور ہیں کہ سب سے پہلے مخلوق ہیں۔  
 یٰ نُوْنٰی مِنْ نُّوْرٍ میں بھی اضافت بیان یہ ہے۔ اس میں لفظ مِنْ  
 سے دھوکا کھانے والوں کو وَ تَفَخُّتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِی پر غور کرنا چاہیے۔  
 بشریت اسی طرح لباس بشریت بھی نور کی نفی نہیں کرتا اور نہ قَسَمْتُ لَہَا بِبَشَرًا  
 بشریت سے ویسا کیا جواب ہوگا؛ جبریل امین نور ہیں مگر لباس بشریت میں  
 حضرت مریم کے پاس آئے۔

یٰ نُوْنٰی عِبْدِیْتُ بھی نور کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ  
 عِبْدِیْتُ کے لیے بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ عبد اور بشر نور  
 کے متضاد چیزیں نہیں کہ جمع نہ ہو سکیں۔

عبادت نور پھر یہ مخلوقِ اول نورِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم ہزار ہا برس تک خاص مقام  
 قرب میں عبادت الہی کرتا رہا۔ ستر ہزار سال تک قیام فرمایا، پھر  
 ستر ہزار سال رکوع میں رہا، تب سجدہ کیا تو صبح کی نماز فرض ہو گئی۔ سجدہ میں گئے تو  
 ظہر اور عصر کی نماز۔ پھر قیام اور سجدہ ہوا تو مغرب کی نماز اور چوتھی بار عشاء کی نماز فرض ہو گئی۔  
 حضرت شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ منطق الطیر میں لکھتے ہیں :۔

قرن ہا اندر رکوع استاذہ بود۔ عمر ہا اندر سجدہ افتادہ بود  
 از نماز نور آن دریا سائے راز فرض شد بر جملہ اُمّت نماز

اُمّت کے لیے استغفار پھر اس نور نے دو نفل ادا کیے، ایک ہزار برس  
 قیام، ہزار سال رکوع، ہزار سال قیومہ،  
 ہزار سال سجدہ، ہزار برس جلسہ، ہزار برس دوسرے سجدے میں رہے۔ اسی طرح  
 دوسری رکعت بھی ادا کی جب فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

”اے میرے حبیب! تو نے میری عبادت کا حق ادا کر دیا ہے۔ میں نے  
 تیری عبادت قبول کر لی ہے اب جو چاہے مانگ لے“

حضور علیہ السلام نے عرض کی کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تو مجھے ایک قوم کا رہنما بنا کر روانہ فرمائے گا۔ یہ تقاضائے بشریت ان سے غلطیاں سرزد ہوں گی۔ میں آج اپنی امت کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔

اس مضمون کو علامہ قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں، علامہ عبدالباقی نے ذرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں، ملا معین کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے معارج النبوة میں، علامہ یوسف نبہانی نے جواہر البحار میں تفصیلاً بیان فرمایا ہے۔ یہ نور مقام خاص میں کئی ہزار برس تک چمکتا رہا۔

انسان العیون، روح البیان، سیرت حلبیہ، جواہر البحار کے علاوہ کئی کتابوں میں

ہے کہ:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل اتری عمر کتنی ہے؟ عرض کی، حضور! اس کے سوائے کچھ نہیں جانتا کہ چوتھے حجاب میں ہر ستر ہزار برس بعد ایک ستارہ چمکتا تھا اس کو میں نے بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، مجھے اپنے رب کے عزت و جلال کی قسم! آتَا ذَٰلِكَ الْكَوْكَبُ سِتَّارَہٗ فِیْہِی تَحَا۔“

ایک دن جبریل امین کو حکم ہوا کہ زمین پر جا اور مزار مقدس کی جگہ سے خاک پاک ایک مشال خاک پاک لے آ۔ جبریل نے آکر زمین کو حکم سنایا، زمین ذوق سے وجد میں آگئی اور مثل کافور کے خاک پاک ظاہر ہوئی۔ جبریل اس خاک کو لے کر اپنے مقام پر پہنچے تو حکم ہوا کہ ماء معین، کوثر و تسنیم میں ملائی جائے۔ اب وہ خاک کا ذرہ جب نور کی کان میں پہنچا اور ہزار برس رہا تو اس کی ماہیت بدل گئی۔

یہ امر مستم ہے کہ جب کوئی چیز کان میں جاتی ہے تو اس کی ہیئت و احکام بھی بدل جاتے ہیں، تو وہ خاک کا ذرہ خاک کہاں رہا، نور ہو گیا۔ اس کے لیے بے شمار نظائر موجود ہیں مگر یہ مختصر مضمون متحمل نہیں۔

اب نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ خلیفۃ اللہ فی الارض کی



پیدائش ہو۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کا پتلا تیار کیا گیا۔ سیتہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں،  
 كُنْتُ نَبِيًّا وَاَدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ۔

”ابھی آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے تو میری نبوت چمک نہی تھی۔“

اب نور مقدس حضرت آدم علیہ السلام کی پشت اٹس رہی  
 نور آدم کے پاس ودیعت فرمایا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی پشت پر پرندے  
 کی سی آواز سنی۔ عرض کی، یا اللہ! یہ آواز کیا ہے؟ جواب آیا کہ یہ میرے محبوب محمد مصطفیٰ کی  
 تسبیح کی آواز ہے۔ میرا عہد پکڑو اور اسے پاک رحموں اور مقدس پشتوں میں امانت رکھنا۔ اب  
 وہ نور چمکا، فرشتوں کو حکم ہوا سجدہ کیجئے۔ سب جھک گئے مگر ابلیس نے انکار کیا۔ اور انکار کی  
 سات دلیلیں پیش کیں۔ حکم ہوا کہ نکل جا، تو میری بارگاہ سے دور کر دیا گیا ہے، تجھ پر قیامت  
 تک میری لعنت برستی رہے گی۔ ادھر سجدہ کرنے والوں کو مراتب رفیعہ عطا کیے گئے۔

امام غزالیؒ رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ آدم کو سجدہ اس لیے ہوا کہ:

كَانَ فِي جَبْهَتِهِ نُورٌ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”ان کی پیشانی میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔“

حضرت آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ فرشتے ان کے پیچھے پیچھے پھرتے  
 انگوٹھوں کا چومنا رہتے ہیں اور سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھتے ہیں۔ عرض کی، یا اللہ!

یہ فرشتے میرے پیچھے کیوں پھرتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ یہ میرے حبیب کے نور کی زیارت کرتے ہیں۔  
 عرض کی، یا اللہ! یہ نور میری پیشانی میں ہونا چاہیے تاکہ فرشتے میرے آگے کھڑے ہوں۔

لہذا وہ نور پیشانی میں رکھ دیا گیا۔ نور پیشانی آدم میں آفتاب کی طرح چمکتا رہا اور فرشتے  
 صفیں باندھے اس کی زیارت کرتے رہے۔ حضرت آدم نے خواہش ظاہر کی کہ میں بھی  
 دیکھوں۔ تو وہ نور ان کی انگلی میں ظاہر ہوا، انہوں نے چوم کر آنکھوں پر رکھا اور کہا،

قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔ (روح البیان)

اب آدم علیہ السلام بھی زیارت کرتے اور کہتے تم ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں

میرے باپ ہو۔

ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میری نخل

یہ صدا ان کی یاد میں ابوالبشر کی ہے

پھر وہ نور حضرت شید علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا۔ آپ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے زیادہ حسین و جمیل تھے جب عبد بلوغ کو پہنچے تو ان سے اس نور کی حفاظت کا عہد لیا گیا کہ اس مقدس نور کو نہایت پاکیزہ طریقہ سے ارحام طاہرات و اصلاہ طہیات تک پہنچائیں۔ چنانچہ یہ عہد نامہ قرن بعد قرن ایک دوسرے تک وصول ہوتا رہا۔

اب وہ نور پاک جناب انوش، فینان، ہلائیل یارو سے ہوتا ہوا حضرت ادریس علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ آپ تین سو پینسٹھ سال کی عمر میں زندہ آسمان پر اٹھالیے گئے۔ پھر وہ نور متوشلیخ لاکھ سے منتقل ہو کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آیا۔ اسی نور کے صدقے کشتی بخودی پہاڑ پر ٹھہری ہے۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم

نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

جناب متوشلیخ کے پاس ۹۶۹ سال لاکھ کے پاس ۷۷۰ سال، حضرت نوح علیہ السلام کے پاس ایک ہزار سال۔ اس کے بعد جناب سام، ارفخشذ، حضرت ہود علیہ السلام، جناب شالخ، فالج، اشروع، ارمونا حور سے ہوتا ہوا جناب تاریخ کے پاس تشریف لایا۔ تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے، نہایت عابد و زاہد نیک فال تھے۔ کئی کئی مہینے پہاڑوں میں تنہا عبادت کرتے تھے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے دادا نے کفالت اپنے ذمہ لی۔ جب دادا بھی فوت ہو گئے تو آذر (جو حضرت ابراہیم کا چچا تھا) کی پرورش میں آگئے۔ یہ بت تراش تھا۔ آذر آپ کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا جس نے پرورش کی۔ جب آپ جوان ہوئے تو اپنے چچا کو کہا،

لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ۔ شیطان کی پروری نہ کرو۔

آیت کی ابتدا دیوں ہوتی ہے اِذْ قَالَ لِأَبِيهِ أَذَرَ "جب اپنے "اب" آذر کو کہا۔

یہاں لفظ "اَبّ" سے بعض احباب کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے۔ انہوں نے اَبّ کا ترجمہ والد کیا ہے حالانکہ اَبّ عام ہے۔ باپ، چچا، دادا سب کے لیے بولا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو فرمایا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو سب نے اتفاق جواب دیا،

تَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ  
إِلَهًُا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ۔

"ہم عبادت کریں گے آپ کے خدا اور آپ کے اَبّ ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی جو ایک معبود ہے اور ہم اس کے فرماں بردار ہیں۔"

اس آیت میں لفظ "آباء" اَبّ کی جمع ہے۔ یہاں لفظ اَبّ اسحاق علیہ السلام پر بولا گیا ہے، وہ آپ کے باپ ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام کو بھی اَبّ کہا گیا ہے حالانکہ وہ آپ کے چچا ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو بھی کہا گیا ہے حالانکہ وہ دادا ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اَبّ چچا، دادا سب کے لیے بولا جاسکتا ہے۔ باپ کے لیے عربی زبان میں حقیقۃً لفظ "والد" ہے۔ "والد" باپ کے بغیر کسی اور کے لیے نہیں بولا جاتا۔ تورات وغیرہ کتب سابقہ میں بھی یہی تصریح ہے کہ ابراہیم کے والد کا نام تارخ تھا۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ تک پاک پشتوں، طیب پیشانیوں میں ہی منتقل ہوتا رہا۔ قرآن کریم میں ہے:

الَّذِي يُولَدُ لَكَ حِينَ تَقُومُ وَتَعْلُبُكَ فِي السَّجْدِ  
"اللہ تعالیٰ تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے اور پھر تیرا سجدے کرنے والوں میں۔"

اس آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین رازی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے:  
إِنَّهُ كَانَ يَنْقُلُ نُورُهُ مِنْ سَاجِدٍ إِلَى سَاجِدٍ۔  
"وہ نور منتقل ہوتا رہا ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف۔"



اس آیت پاک سے معلوم ہوا کہ حضور کا نور جس کے پاس رہا وہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتے رہے ہیں۔ اب اگر آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آذر کے پاس رہا اور وہ بت پرست تھا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے والا نہیں تھا۔ تو عند التحقیق ثابت ہوا کہ آذر باپ نہیں چچا تھا۔ یہ مختصر تشریح ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ کے رسائل کا مطالعہ ضروری ہے۔

اب وہ نور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس مدتوں ظہور فرماتا رہا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس پہنچا اور ایک سو تہتر برس تک آپ اس سے مستنیر ہوتے رہے۔ پھر جناب قیزار، حمل، ثنابت، یسع، اود، اودمان، معد، نزار، مضر، ایلاس، مدرکہ، خزیمہ، کنانہ، نصر، مالک، فہر، غالب، کعب، مرہ، کلاب، قصی، عبد المناف، ہاشم، عبد المطلب سے ہوتا ہوا حضرت عبد اللہ کے پاس ظہور پذیر ہوا۔

**عجیب درخت اور کاہنہ عورت** حضرت عبد المطلب فرماتے ہیں کہ میں حطیم کعبہ میں سو رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان درخت زمین سے ظاہر ہو رہا ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے وہ بڑھتا چلا گیا اس کی شاخوں نے آسمان کو چھو لیا ہے اور عرض میں مشرق و مغرب تک پھیل گیا۔ اس کے پتے آفتاب سے زیادہ چمک رہے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ عرب و عجم کے رہنے والے اس درخت کے سامنے جھک گئے ہیں اور اس کی روشنی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ قریش کے کچھ لوگ اس کی شاخوں سے لپٹ گئے ہیں اور کچھ اس کو کاٹنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب اس خیال سے اس کے قریب ہوتے ہیں تو ایک خوبصورت نوجوان ان کو روک دیتا ہے میں نے اس سے زیادہ خوب صورت نوجوان آج تک نہیں دیکھا اس نوجوان کے جسم سے ہر طرف خوشبو مچلتی جا رہی ہے میں نے چاہا کہ عظیم الشان درخت سے لپٹ جاؤں مگر پہنچ سکا۔

میں نے اس خوبصورت نوجوان سے پوچھا تو اس نے کہا، قسمت والے لپٹ گئے ہیں۔ یہ لفظ سن کر بیدار ہو گیا اور ایک کاہنہ عورت کے پاس جا کر خواب بیان کیا۔ خواب سنتے ہی اس کا چہرہ بدل گیا اور گبرا کر بولی، تیری پشت سے ایک شخص ہو گا جو مشرق و مغرب کا

شہنشاہ ہوگا اور پوری دنیا اس کے آگے جھک جائے گی۔

حضرت عبداللہ کے پاس جس وقت وہ نور حضرت عبداللہ کے پاس منتقل ہو گیا تو کئی عجائبات ظہور پذیر ہوئے۔ آپ فرماتے ہیں بطمانکہ سے چل کر کوہ شبیر پر چڑھ جاتا تو میری پشت سے ایک نور نکل کر دوسرے ہو جاتا۔ ایک حصہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں پھیلتا چلا جاتا اور بصورت بادل مجھ پر سایہ کر دیتا۔ پھر آسمان کا دروازہ کھل جاتا اور وہ نور آسمان پر چڑھ جاتا۔ تھوڑی دیر بعد لوٹ کر پھر میری پشت میں مل جاتا اور جب میں زمین پر بیٹھا تو زمین سے آواز آتی:

اے وہ ذات! جس کی پشت میں حضور علیہ السلام کا نور مقدس ہے آپ پر میرا سلام ہو۔

اور جب میں کسی خشک درخت اور کسی خشک جگہ پر بیٹھا تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتے اور اپنی ہری بھری ٹہنیاں مجھ پر ڈال دیتے اور جب میں لات و عزی اور دوسرے بتوں کے پاس سے گذرتا تو بت چٹخا شروع کر دیتے اور کہتے کہ ہم سے دور ہو جا، تیرے اندر وہ چیز ہے جس کے ہاتھوں پر ہماری اور تمام دنیا کے بتوں کی ہلاکت ہوگی۔ آپ کے یہ عجائبات دور دور تک مشہور ہو گئے تو ستر یہودیوں نے آپس میں ہمد و پیمان کیا کہ جب تک عبداللہ کو قتل نہ کریں ہم اپنی قوم کو مرنے نہیں دکھائیں گے۔ اس غرض سے وہ مکہ میں آئے اور موقع تلاش کرتے رہے۔ ایک دن ستر یہودی حضرت عبداللہ شکار کی غرض سے شہر کے باہر جا رہے تھے کہ انہی ستر یہودیوں نے اپنی زہراؤں و تلواروں کے ساتھ آپ پر حملہ کر دیا۔ ایک رنگارنگ فوج گھوڑوں پر سوار اچانک آسمان سے اتری اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے یہودیوں کو ختم کر دیا۔

اس واقعہ کو عبدمناف کے بیٹے حضرت وہب دیکھ رہے تھے۔ یہ کرامت دیکھ کر انہوں نے مکمل ارادہ کر لیا کہ اپنی لڑکی آمنہ خاتون کو عبداللہ کے نکاح میں دیں گے۔ فوراً گھر آئے اور اپنی بیوی برہ بنت عزی کو اس واقعہ عجیب کی خبر دے کر کہا کہ عبداللہ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت نوجوان ہے، میں اپنی بیٹی آمنہ کے لیے اس سے زیادہ اچھا کوئی رشتہ نہیں جانتا۔ پھر حضرت برہ کو عبدالمطلب کے پاس بھیجا اور کہا کہ آپ اپنے بیٹے کے لیے میری لڑکی

آمنہ خاتون کو قبول کر لیں۔ حضرت عبدالطلب نے اس کو پسند فرمایا اور حضرت آمنہ حضرت عبد اللہ کے نکاح میں آگئیں۔

**امّ قتال** یوں وہ نور حضرت آمنہ کی طرف منتقل ہو گیا، سیکڑوں وہ عورتیں جو حضرت عبداللہ سے شادی کی خواہش رکھتی تھیں، مایوس ہو گئیں۔ ان میں سے ایک عورت امّ قتال نے جو سب سے زیادہ خواہشمند تھی صبح سویرے حضرت عبداللہ کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تُو نے اعراض کیوں کیا، بولی: جس نور کی میں طلب کرتی وہ آج تیری پیشانی سے غائب ہے۔ اب مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔

یہ واقعہ سیرت ابن ہشام میں ہے۔ حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ جب حضور میرے پاس تشریف لاتے تو مجھے اپنے جسم سے پیاری پیاری خوشبو آیا کرتی تھی۔

**جانوروں کی مبارکبادیاں** سیرت حلبیہ میں ہے جب وہ نور حضرت آمنہ کے پاس تشریف لایا تو قریش کے موشیوں، چوپایوں نے ایک دوسرے کو بشارت دی قسم ہے کعبہ کے رب کی کہ آج رات دُنیا کا سردار اپنی والدہ کے پاس آگیا۔ اسی رات تمام دُنیا کے بادشاہوں کے تخت الٹ دیے گئے۔ سب بت سرنگوں ہو گئے۔ رُئے زمین کے تمام بادشاہ گونگے ہو گئے، ایک اعلان ہو رہا تھا کہ ابوالقاسم کا ظہور قریب ہو گیا ہے۔

**نبیوں کی مبارک بادیاں** آپ فرماتی ہیں کہ پہلا مہینہ گزرا تو میں نے بلند قدم والا آدمی دیکھا جس نے بڑی تسلی کے لہجے میں فرمایا کہ آمنہ! تجھے خوشخبری ہو تو نبیوں کے سردار کی حاملہ ہے۔ میں نے عرض کی، آپ کون ہیں؟ اس نے کہا میں آدم (علیہ السلام)، ہوں۔ دوسرے مہینے حضرت شیث علیہ السلام کی زیارت ہوئی، انہوں نے بھی مبارکباد دی۔ تیسرے مہینے نوح علیہ السلام، چوتھے مہینے حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں مہینے حضرت ہود علیہ السلام، چھٹے مہینے حضرت ابراہیم علیہ السلام، ساتویں مہینے حضرت اسمعیل علیہ السلام، آٹھویں مہینے حضرت موسیٰ علیہ السلام، نویں مہینے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارتیں دیں۔



حضرت آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھے ان نو ماہ میں کچھ بوجہ محسوس ہوا نہ کوئی ایسی چیز جو عورتوں کو پیش آتی ہے میں اس سے بالکل مبرا اور صاف رہی۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے صرف باون دن پہلے ابرہہ جو ابرہہ کا حملہ شاہ حبش نجاشی کی طرف سے یمن کا گورنر تھا، کعبہ شریف کی عظمت کو بڑاشت نہ کر سکا، ایک بڑا جنگی لشکر ہاتھیوں سمیت لے کر کعبہ شریف کو گرانے کی غرض سے حملہ آور ہوا جب کعبہ شریف سے تیس میل دور وادی محسر میں پہنچا تو اس کے ہاتھی نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ آخر مجبوراً اسی جگہ لشکر کا پڑاؤ ڈال دیا۔

عرب والوں کے لیے ہاتھی ایک عجیب چیز تھی۔ انھوں نے اس سے قبل ہاتھی کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس بڑے لشکر کی سطوت و شوکت سے گہرا کہ اہل مکہ پہاڑوں میں جا چھپے صرف حضور علیہ السلام کے دادا حضرت عبد المطلب اور ان کے خاندان کے چند افراد جن کی تعداد بمشکل بارہ افراد تک پہنچتی تھی باقی رہ گئے اور ابرہہ کے اس عظیم لشکر سے مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے۔

ابرہہ کے ساتھ اور اونٹ اسی دوران میں ابرہہ کے کچھ لشکر اہل مکہ کے مریضوں کے ساتھ حضرت عبد المطلب کے چند

اونٹ بھی لے گئے۔ حضرت عبد المطلب اکیلے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر ابرہہ کے پاس پہنچ گئے۔ ابرہہ نے جب اس نیکر شرافت کو اپنی طرف آتے دیکھا تو استقبال کے لیے خیمے سے باہر نکل آیا اور نہایت احترام سے پیش آیا۔ اس نے کہا: آپ کیسے تشریف لائے؟ آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے اہل عرب عبد المطلب کے نام سے پکارتے ہیں اور یہاں آنے کی وجہ یہ ہے کہ تیرے لشکر میں میرے اونٹ لے گئے ہیں وہ واپس لے دو۔

ابرہہ نے بکتر آمیز قہقہہ لگایا اور کہا: عبد المطلب! اپنے کعبہ کی فکر کرو، اونٹ تو ایک حقیر چیز ہے، میں تمہارا کعبہ گرانے آیا ہوں، میں نے تو سمجھا تھا کہ کعبہ کو بچانے کی کوشش کے لیے آئے ہو گے اور اسے نہ گرانے کی درخواست کرو گے، تمہیں تو اپنے اونٹوں کی فکر ہے۔ تعجب ہے کہ اک ناچیز شے کا ذکر کرتے ہو نہیں کہے کی فکر اونٹوں کی اپنے فکر کرتے ہو

ابرہہ کی یہ بات سُن کر حضرت عبدالمطلب نے کیا نفیس جواب دیا۔ فرمایا:۔  
 صداقت ہے یہی میں اپنی شے کی فکر کرتا ہوں  
 کہ میرا مال ہیں اونٹ اس لیے میں فکر کرتا ہوں  
 کہے گا فکر اپنے گھر کی جو اس گھر کا مالک ہے  
 جو اس گھر کا مالک ہے وہ بحر و بر کا مالک ہے  
 اُسے ابرہہ! مجھے کعبہ کی فکر کیوں ہو؟ کعبہ جانے، کعبے والا جانے، مجھے میرے  
 اونٹ واپس کر دے۔

ابرہہ آپ کا یہ صداقت انگریز جواب سُن کر خاموش ہو گیا اونٹ واپس کر دیے۔ آپ  
 اونٹوں کو لے کر گھر واپس تشریف لائے اور حضور علیہ السلام کی والدہ حضرت آمنہ کو ساتھ  
 لے کر کعبہ شریف میں حاضری دی اور دعا کی،

”اے کعبہ کے مالک! اے چودہ طبق کی کائنات کے خالق! تو سمیع و بصیر  
 ہے، تو عظیم و خیر ہے، تو جانتا ہے کہ ایک دشمن تیرے مقدس گھر کو گرانے کی  
 نیت سے آیا ہے، الہی! تو نے مجھے بشارت دی تھی کہ تیرے گھر میں ایک  
 نور چمکے گا۔ الہی! اگر آئندہ کے پیٹ میں ہے تو اُسی کے واسطے سے  
 ہم دعا کرتے ہیں، اے مالک! سو تیرے ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔ لے مالک!  
 بچالے پر دشمن سے اپنے گھر کی حومت کو بچالے آل اسماعیل کے سامانِ  
 عزت کو۔“

صبح سورج کے طلوع کے ساتھ ہی ابرہہ کعبہ پر حملہ کی تیاری کرنے لگا۔ ادھر حضور  
 علیہ السلام کے وسیلہ سے مانگی ہوئی دعا فوراً قبول ہو گئی۔ پروردگار عالم نے ابابیلوں کے  
 لشکر کو تیار رہنے کا حکم دے دیا۔ لشکر ابرہہ کی کعبہ پر چڑھائی کا منظر حضرت عبدالمطلب اپنے  
 خاندان سمیت ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ جو نہی لشکر کے ہاتھی کعبہ کے قریب  
 آئے تو سب کے سب عظمت کعبہ کے سامنے سجدے میں گر گئے، مہابت! تھیوں کو  
 مارتے ہیں، اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں مگر۔

پڑے ہیں اس طرح ہاتھی کہ جنبش تک نہیں کرتے

خدا کا ڈر ہے دل میں آج شیطان سے نہیں ڈرتے

اور ابرہہ کا ہاتھی جس کا نام محمود تھا وہ تو بالکل اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ ابرہہ یہ صورت دیکھ کر بہت گبرایا اور فوج پیدل کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ابھی اس نے یہ حکم دیا ہی تھا کہ پُر درگاہ عالم کا لشکرِ جتہ کی طرف سے نمودار ہوا۔ چھوٹے چھوٹے ہزاروں ابابیل منہ میں تین تین کنکریاں اور ایک ایک کنکری پنجوں میں لے کر ابرہہ کے لشکر پر آگئے اور سنگریزوں کی بارش شروع کر دی۔

قدرتِ خداوندی کہ ہر کنکر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس سے وہ مارا جاتا تھا۔ جب کنکر جسم پر پڑتا تو جسم کو چیر کر پاؤں کی طرف سے نکل جاتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ عظیم الشان لشکرِ چند منٹوں میں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ قرآن پاک نے اس واقعہ کو کتنے شاندار طریقہ پر بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيلِ ۝ اَلَمْ يَجْعَلْ  
كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَاَرْسَلَ عَلَيْنِهِمْ طٰیْرًا اَبَابِيْلَ ۝  
تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِّلَ ۝  
”اے محبوب! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کا کیا  
حال کیا؟ کیا ان کا داؤ تباہی میں نہ ڈالا اور اوپر پرندوں کی ٹکڑیاں بھیجیں  
کہ انہیں پتھر کے کنکر سے مارتے تھے تو ان کو کر ڈالا جیسے کوئی کھائی ہوئی  
کھیتی ہوتی ہے۔“

اسی لیے عرب والے اس سال کو عام الفیل اور سنۃ الفتح والا بہتاج بھی کہتے ہیں۔  
جب نور کے ظہور کا وقت قریب آیا، رات جا رہی تھی اور صبح آ رہی تھی، پیر کا  
ظہور نور دن تھا، ستیہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مختصر جماعت کو آسمان سے  
اُترتے دیکھا جن کے پاس تین سفید جھنڈے تھے، اس جماعت نے ایک جھنڈا  
میرے گھر کے صحن میں گاڑ دیا، ایک کعبہ کی چھت پر اور ایک بیت المقدس پر کھڑا کر دیا۔



اس سہانی رات میں آسمان کے ستارے قریب آ رہے تھے۔ ان ستاروں کی روشنی نے تمام دنیا کو نور سے بھر دیا۔ میں نے دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل رہے تھے، میں گھر میں اکیلی تھی، عبدالمطلب طوافِ کعبہ کو گئے ہوئے تھے، اچانک میں نے سفید پرندے کو دیکھا جو اپنا پر میرے دل پر مل رہا تھا۔ اس کے اثر سے میری بے چینی زائل ہو گئی۔ بعد میں میں نے غور سے دیکھا کہ میرے سامنے شربت کا ایک پیالہ ہے جس کا رنگ بالکل سفید تھا میں اسے دودھ سمجھ کر پی گئی وہ شہد سے زیادہ شیریں تھا۔ پھر میرے پاس چند عورتیں آئیں، میں نے ان سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ ان میں سے ایک بولی میں مریم عیسیٰ (علیہ السلام) کی والدہ ہوں۔ دوسری بولی کہ میں اسیہ فرعون کی بیوی ہوں۔ تیسری نے کہا میں ماجرہ ہوں باقی سب عورتیں ہیں ہم سب آپ کی خدمت کے لیے آئی ہیں۔ پھر ایک آواز آئی جس سے میں پریشان ہو گئی، دیکھا تو ایک سفید ریشم کی چادر آسمان اور زمین کے درمیان لٹک گئی۔ ایک پکارنے والے نے کہا کہ اس کو دنیا کی نگاہوں سے چھپا لو۔ آسمان سے عورتیں اتر رہی تھیں جن کے ہاتھوں میں سفید آفتابے تھے پھر بادل کا سفید ٹکڑا جس میں سبز رنگ کی چڑیاں جن کی چونچیں یا قوت کی مانند سرخ نظر آئیں۔ یہ دیکھ کر میرا بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ جو قطرہ ٹپکتا تھا اس سے گستوری کی خوشبو آتی تھی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ مشرق و مغرب، زمین و آسمان ایک دم روشن ہو گئے حتیٰ کہ شام کے محلات اور بصری کے اونٹوں کی گردنیں نظر آئے لگیں۔ اس نور کا منبع میرا وجود تھا۔ اطرافِ عالم میں اعلان ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہو گئے۔

حضرات! یہ وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام کا ہے تمام حضرات مل کر کھڑے ہو کر سلام پڑھیے۔

سلام بخیر سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام  
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام  
جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند  
اس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا  
دور و نزدیک سے سننے والے وہ کان  
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا  
جس کے آگے کبھی گردنیں جھک گئیں  
جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں  
جس کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی  
عرش تافرش ہے جس کے زیر نگین  
محب سے خدمت کے قدسی کہیں ہاں رضا  
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام  
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام  
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام  
اس خداداد شوکت پہ لاکھوں سلام  
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام  
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام  
اس کی قابِ ریاست پہ لاکھوں سلام

پروردگارِ عالم نے فرمایا:  
**اِعْلَانِ الْاٰلِی قَدْ جَاۤءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ** (پ ۶)

”بے شک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب“۔  
تمام مفسرین کرام اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں لفظ ”نور“ سے مراد حضور  
علیہ السلام کی ذات ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ”نور“ سے مراد بھی قرآن کریم ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ امام فخر الدین  
رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا ہے کہ:

”نور اور کتاب دونوں سے قرآن مراد لینا ضعیف ہے کیونکہ عطف سے  
معطوف اور معطوف الیہ میں مغایرت کا ہونا ضروری ہے۔ حضور کا نام نور ہے۔“  
(صلی اللہ علیہ وسلم)

فضیلتِ شبِ ولادت کی تین وجوہ  
علامہ امام قسطلانی قدس سرہ العزیزہ  
مواہبِ لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ سید عالم  
صلی اللہ علیہ وسلم کی شبِ ولادت شبِ قدر سے افضل ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس کی  
تین وجوہ ہیں:

اول : شب ولادت آپ کی ذات گرامی کے ظہور کی رات ہے اور شب قدر آپ کو عطا کی گئی اور اس مسئلہ میں کسی کو بھی نزاع نہیں ہے۔ اسی اعتبار سے شب ولادت شب قدر سے افضل ہے۔

دوم : شب قدر نزول ملائکہ کی وجہ سے مشرف ہے اور شب ولادت آپ کے ظہور کی وجہ سے مشرف اور وہ ذات جس کی وجہ سے شب ولادت کو فضیلت دی گئی ہے۔ یقیناً ان صفات سے افضل ہے جن کی وجہ سے شب قدر کو فضیلت دی گئی، لہذا شب ولادت شب قدر سے افضل ہوئی۔

سوم : لیلۃ القدر میں صرف اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر فضل واقع ہوا ہے اور شب ولادت میں تمام موجودات پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

لہذا آپ کی وجہ سے تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں عام ہوئی ہیں۔ لہذا شب ولادت کا نفع زیادہ ہے اور یہی افضل ہے۔

ظہور سے پہلے ہی والد وصال فرما گئے، ابھی چھ سال بھی نہیں ہوئے تھے دُرِّ تقیم کہ پیکرِ شفقت و محبت والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب دادا عبدالمطلب ہیں۔ دادا کو اس مقدس پوتے سے بے حد پیار تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے بھی آنکھوں سے جدا نہیں کرتے تھے۔ ابھی دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ دادا بھی داغِ مفارقت دے گئے۔ اب شفیق چچا ابوطالب ہیں۔ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد لوگوں نے سمجھا کہ ابوطالب کثیر العیال ہیں اپنی اولاد کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا بھی مشکل ہے چہ جائیکہ تقیم عبد اللہ کی نگرانی کر سکیں۔ مگر ابوطالب کے دل میں اللہ تعالیٰ نے وہ محبت پیدا کر دی کہ اتنی محبت اپنے صلیٰ بچوں سے بھی نہیں تھی۔

پیدا ہونے تو باپ کا سایہ اٹھالیا بڑھنے لگے تو مادرِ و عم ہو گئے جدا  
چلنے لگے تو دادا عدم کو رواں ہوا ایک ایک سایہ یونہی اٹھتا چلا گیا  
سائے پسند آئے نہ پروردگار کو بے سایہ کر دیا اس سایہ دار کو



علیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا عرب کے رواج کے مطابق قبیلہ بنی سعد کی  
 دایاں مکہ شریف پہنچ گئی تھیں۔ ان میں ایک  
 علیمہ بھی تھی اس کی سواری کمزور تھی اس لیے وہ پیچھے رہ گئی تھی۔ جب وہ پہنچی تو امرا  
 کے سب بچے تقسیم ہو چکے تھے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ میں مایوس ہی واپس  
 چلی جاؤں گی۔ غیب سے آواز آئی، اے علیمہ! غم نہ کر، آج تیری گود میں کونین کی دولت  
 آ رہی ہے۔ علیمہ! آج تیری قسمت پر حوریں رشک کریں گی۔ آواز آ رہی تھی : ہ

واہ وا علیمہ تیرے تے اج بزم کمایا جانا ایں

اُج یکتا تیری جھولی دے وچ گوہر پایا جانا ایں

ایہ تیرے حق پچھانے گانے چارے گائیاں بکریاں نوں

ایسے نوں اک دن عالم دا مختار بنایا جانا ایں

علیمہ حب حضور علیہ السلام کو گود میں لے کر واپس جا رہی تھی تو وہ سواری جو چلنے کا نام نہیں  
 لیتی تھی اب اس کی حالت یہ تھی کہ علیمہ روکتی ہے تو وہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ علیمہ کے  
 گھر کی برکت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علیمہ کی بکریاں جنہوں نے مدت سے دودھ دینے کا نام  
 نہیں لیا تھا اب اتنا دودھ دیتی ہیں کہ غم ہی نہیں ہوتا۔

رات ہو چکی تھی اندھیرے آہستہ آہستہ گھرے ہوتے چلے گئے۔ علیمہ سعیدہ  
 چاند کا رقص نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ چاند نکل آیا تھا اور ستارے چھپتے نظر آ رہے تھے  
 اس نے دیکھا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پنگھوڑے میں لیٹے ہوئے ہیں۔ علیمہ نے دیکھا کہ جس  
 طرف حضور کا مبارک ہاتھ اٹھتا چاند بھی اُدھر ہی پھر جاتا تھا۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ  
 فرماتے ہیں : ہ

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہدی میں

کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

مٹی کو کھلونے بھی مٹی ہی کے ملتے ہیں اور نور کو اللہ تعالیٰ نے کھلونا بھی نور کا ہی عطا  
 فرمایا۔

حضور کی تلاش ایک دفعہ علیرہ حضور علیہ السلام کو چھوڑ کر آب زمزم پینے گئی۔ واپس  
آئی تو حضور کو وہاں نہ پایا۔ تلاش کرتے کرتے عاجز آگئی کعبہ شریف  
میں گئی تو تمام بیت حضور کا نام مبارک سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔ علیرہ حضور کو تلاش کر رہی تھی  
تو ایک آواز آئی کہ

غم مخور یا وہ نہ گردد اوز تو

بلکہ عالم یا وہ گردد اندر او

علیرہ! غم مت کر، کائنات اس میں غم ہو سکتی ہے مگر وہ غم نہیں ہو سکتا۔

پنجابی کے ایک شاعر نے علیرہ کی شان میں ایک شعر لکھا ہے۔ کہتا ہے، اسے

دیکھو دانی علیرہ دے بھاگ جاگے نبی پاک نوں گود کھڈا وندی اسے

جس نے پیراں دی خاک نوں نبی ترسن اوہیاں لبّاں تے لب ٹکا وندی لے

وقت گزرتا گیا۔ اہل مکہ ہجر اسود کو نصب کرنے لگے تو یہ جھگڑا شدت  
حجر اسود کا نصب کرنا اختیار کر گیا کہ کون نصب کرے۔ دیر تک جھگڑا ہوتا رہا۔ آخر یہ

فیصلہ کیا گیا کہ صبح کے وقت جو سب سے پہلے کعبہ اللہ میں آنے وہی نصب کرے۔ چنانچہ

صبح ہوئی تو سب سے پہلے کعبہ اللہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے۔ فیصلہ کے مطابق

پتھر حضور نے ہی رکھنا تھا مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا شائستہ فیصلہ فرمایا۔ تمام اہل مکہ

کے خاندان کے سربراہوں کو بلایا اور ایک چادر بچا پی اور اس پر پتھر کو رکھ دیا اور سب کو فرمایا

کہ ایک ایک کو نہ پکڑو۔ یونہی کیا گیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پتھر اپنے ہاتھ سے نصب

فرمایا۔ سید عالم کے اس فیصلہ سے تمام قبائل خوش ہو گئے اور آپ کی ذہانت کی بے پناہ

داد دینے لگے اور یوں ایک بہت بڑا خون خرابہ ٹک گیا۔

ابھی تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف بارہ برس

پتھروں کے سجدے کی تھی کہ ابو طالب کو پتا چلا ایک قافلہ تجارت کے لیے

مکہ شام جا رہا ہے۔ ابو طالب بھی تیار ہو گئے۔ حضور علیہ السلام کے قلب اقدس میں بھی خیال آیا

کہ چچا کے ساتھ مکہ شام جائیں۔ آپ کا ارادہ دیکھ کر چچا شش و پنج میں مبتلا ہو گیا۔ سفر کی

صعوبتیں، راہ کی دشواریاں ان کے سامنے تھیں۔ خیال آیا کہ تپتے ہوئے ریگستان کا سفر اور گرم ہوا کے سخت جھکڑ میرے اس پھول کو کھلا نہ دیں۔ لیکن اپنے پیارے بھتیجے کی دل شکنی بھی گوارا نہ تھی اس لیے چچا ساتھ لے جانے پر راضی ہو گئے۔

کئی دن بعد جب یہ قافلہ ایک راہب کی خانقاہ پر اترا تو اس کی نظریں حضور علیہ السلام کے چہرے پر رک گئیں اور فوراً پکار اٹھا،  
هَذَا سَيِّدُ الْمُرْسَلِينَ۔

ابوطالب یہ سن کر خاموش رہا لیکن دوسرے ساتھیوں نے راہب سے پوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ سید المرسلین ہیں؟ راہب نے کہا: جب تم لوگ پہاڑ سے اتر رہے تھے تو میں نے دیکھا تھا کہ پتھر ان کو بجدے کر رہے تھے۔

**حدیث شریف** شفا شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے  
راوی ہیں مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے وہ پتھر ابھی تک یاد ہیں جن کے پاس سے میں حضور کے ساتھ گزرا کرتا تھا اور پتھر بلند آواز سے کہتے تھے،

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ  
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ

اس راہب کی بات سن کر ابوطالب کے دل میں اور زیادہ محبت پیدا ہو گئی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جوں جوں عالم شباب میں قدم رکھتے گئے آپ کے اخلاق و محاسن صدق و صفا سے ابوطالب کی مسرتوں میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ ابوطالب کوئی کام حضور علیہ السلام کے مشورے کے بغیر نہ کیا کرتے تھے۔

**اعلانِ نبوت** نیکی اور پاکبازی کا یہ عالم تھا کہ دنیا آپ کو صادق الوعد الامین کہہ کر پکارتی رہی۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا تمام مال راہِ خدا میں تقسیم ہو چکا ہے اور خود پیوند لگی کھلی پہنے غاروں اور پہاڑوں میں مصروفِ عبادتِ الہی ہیں۔ فرش پر سوتے ہیں، ستوؤں اور کھجوروں پر گزرتا ہوتا ہے۔ چالیس برس پورے ہو چکے ہیں، غارِ حرا ہے



۲۲ فروری ۱۰۶۱ء کی عظیم ساعت میں جبریل امین پہلی بار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، عرض کرتے ہیں:

اقْرَأْ - پڑھیے

حضور نے فرمایا:

مَا أَنَا بِقَارِئٍ - (میں پڑھنے والا نہیں ہوں)  
 جبریل علیہ السلام نے حضور کو سینے سے لگایا، دوبارہ عرض کی، اقْرَأْ۔  
 حضور علیہ السلام نے نہیں پڑھا۔ تیسری بار جبریل نے عرض کی:  
 اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ۔

تو حضور علیہ السلام نے پوری پانچ آیتیں آگے تلاوت فرمادیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس وحی الہی سے متاثر ہو کر گھر تشریف لاتے ہیں تو پاکباز بیوی مسلمانانِ عالم کی مقدس ماں ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا واقعہ سن کر بشارت دیتی ہیں کہ آپ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں۔

پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰ حضور کو اپنے چچا ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں  
 ورقہ بن نوفل ورقہ بہت بڑا عالم تھا اس نے یہ واقعہ سن کر کہا کہ یہ دنیا کے نجات دہندہ ہیں، کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب دنیا اسے منگے سے نکال دے گی۔

اس طرح سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابوبکر، حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہم نے رسالت کی تصدیق کی۔ عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے:

نَزُولِ سُرَّتِہٖ تَوَاتُرًا  
 نَزَّلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَّنَرَّآیْتَهُ خَاشِعًا  
 مُتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰہِ۔

”اگر ہم اس قرآن کو پہاڑوں پر نازل کرتے تو پہاڑ خوفِ الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔“

سبحان اللہ! یہ قلبِ مصطفیٰ ہی تھا جو بوجہ کوئی نہ اٹھا سکے وہ حضور اٹھاتے ہیں۔  
یونہی جس کا بوجہ کوئی نہ اٹھا سکے اس کا بوجہ بھی حضور ہی اٹھاتے ہیں۔ جس کا جہاں میں کوئی  
نہ ہو اس کے آپ ہیں۔ بیکسوں کے کس ہیں۔ بے بسوں کے بس ہیں۔ بے سہاروں کے  
سہارا ہیں اور بے آسروں کے آسرا آپ ہی ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ نبوت چالیس سال بعد ملتی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے۔  
**غلط خیال** نبی پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرتا کہ اس کا وجود اور نبوت نہ ہو۔ اللہ  
تعالیٰ خلقت کے ساتھ نبی کو نبوت عطا فرما دیتا ہے۔ نبوت کسی نہیں دہی ہوتی ہے۔ یہ عبادت  
کا ثمرہ نہیں ہوتا بلکہ اللہ جس پر چاہے فضل فرما دے۔

**دلیل قرآنی** اس کے لیے قرآن پاک کی دلیل موجود ہے نصِ قطعی ہے کہ حضرت عیسیٰ  
علی نبینا وعلیہ السلام نے والد کی گود میں ابھی عمر تین دن کی بھی نہیں  
تھی کہ کہا:

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي أُلْكِلْتُ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا۔

”بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے  
نبی بنایا ہے۔“

آپ غور فرمائیں کہ جَعَلَنِي ماضی کا صیغہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت عطا  
فرما دی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ جب چالیس سال پورے ہو جائیں گے تو مجھے نبوت عطا  
فرمائی جائے گی۔

عالم ارواح میں پروردگارِ عالم نے تمام رُوحوں کو جمع فرما کر فرمایا:  
**دوسری دلیل** اَلَمْ نَشْرِبْ بِرَبِّكُمْ؟ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟  
تمام رُوحوں نے بیک زبان اقرار کیا اور کہا:  
بَلٰی۔ یعنی کیوں نہیں تو ہمارا خالق و مالک ہے۔

اس اقرار کے بعد ایک اور وعدہ لیا گیا۔ اس اجلاس میں صرف انبیاء اور رسل علیہم السلام تھے ان سے جو اقرار لیا گیا وہ قرآن کریم کی زبانی سنئے۔ ارشاد باری ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ

”اور جب لیا اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پکا وعدہ۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی رُوحوں کو بھی نبی کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ خلقتِ رُوح کے ساتھ ہی نبوت ثابت ہو جاتی ہے۔

كَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

”میں تمہیں کتاب اور حکمت دے دوں۔“

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ

”پھر آجائے تمہارے پاس بڑی عظمت والا رسول تمہاری تصدیق کرتا ہوا؛

لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ“ تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لے آنا اور اس کی امداد کرنا۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے دو جگہ نون تاکید تعلید لاکر اس وعدہ کو مضبوط فرما دیا ہے۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قَالَ ؕ أَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ أَصْرِي“ کیا تم نے اقرار

کر لیا ہے؟ قَالُوا ”سب بولے“ أَقْرَرْنَا ”ہم نے اقرار کر لیا۔“

معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بھی ہمارے حضور علیہ السلام کے اُمتی ہیں۔ آپ نبی الانبیاء ہیں

انبیاء اور رسل نے آپ کی سرداری کا اقرار کر لیا تو پروردگارِ عالم نے فرمایا: فَاشْهَدُوا

”ایک دوسرے کے گواہ بن جاؤ“ وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ“ اور میں بھی تمہارے

ساتھ گواہوں میں شامل ہوں۔“

سُبْحَانَ اللَّهِ! کیا شان ہے ہمارے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی کہ عالم ارواح

میں اللہ تعالیٰ نبیوں سے وعدہ لے رہا ہے اور خود فرماتا ہے کہ میں بھی گواہ ہوں۔ بات یہاں

ہی ختم نہیں ہو جاتی اپنی ربوبیت کا اقرار کرایا تو صرف یہی کہا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ رُوحوں نے

کہا: بَلٰی۔ بات ختم ہو گئی مگر جب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت آتا ہے تو تاکیدیں

ہیں کہ ختم ہونے میں آتی ہی نہیں جب تمام انبیاء ایک دوسرے کے گواہ ہو گئے تو



اللہ تعالیٰ نے فرمایا، فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ پس جو اقرار کے بعد پھر جائے وہی لوگ حکم سے ہٹنے والے ہیں۔

یہ پہلی محفل تھی جو حضور علیہ السلام کے ذکر کے لیے قائم کی گئی تھی منعقد پہلی محفل میلاد کرنے والا خالق کائنات ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کی آمد کے سلسلے میں محفل قائم کرنا سنت الہیہ ہے اور جس جلسہ میں حضور علیہ السلام کی آمد کا ذکر ہو وہ جلسہ میلاد کہلاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضور علیہ السلام کا میلاد پڑھا۔ میلاد پڑھنا سنت الہی، میلاد سنت انبیاء و رسل علیہم السلام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا،  
**دلیل شرعی** وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

اے محبوب! دوسرے انبیاء کو میں نے رحمتیں دے کر بھیجا ہے اور آپ کو سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یونہی باقی انبیاء معجزات لے کر آئے ہیں اور ہمارے حضور علیہ السلام کو معجزہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ سَيَدْعُمُ لَكَ اللّٰهُ

علیہ وسلم تمام عالم کے لیے رحمت ہیں۔

اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا رب ہے الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وہ رب العالمین ہے اور حضور سرِ حَمْدٌ لِّلْعَالَمِينَ ہیں اور جو قرآن لے کر تشریف لائے ہیں وہ لِّلْعَالَمِينَ نَذِيرًا اللہ تعالیٰ نور ہے اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ نور بمعنی منور اسم فاعل روشن کرنے والا ہے اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بھی نور ہیں قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ اور جو کتاب لے کر آئے۔ بھی نور ہے وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا۔ اور جو اسلام لے کر آئے وہ بھی نور۔ يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمِّمٌ نُّورِهِ وَكَوْكَرَةِ الْكَافِرُونَ۔

میں عرض کر رہا تھا کہ حضور کے میلاد کی خوشی کے لیے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ اللہ نے تمہارے پاس بھیجے اور قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ وَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا اللہ کے فضل اور رحمت کے ساتھ خوشیاں مناؤ۔ فَلْيَفْرَحُوا فرحت سے ہے، یعنی

خوشی۔ تو رحمت کی آمد پر خوشی منانا حکم الہی کے عین مطابق ہے۔

امام قسطلانی کی تصریح میں فرماتے ہیں،  
امام قسطلانی شارح صحیح بخاری اپنی کتاب مواہب لدنیہ

وَمَا زَالَ أَهْلُ الْإِسْلَامِ يَحْتَفِلُونَ بِشَهْرِ مَوْلِدِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَعْمَلُونَ الْوَلَائِمَ وَيَتَصَدَّقُونَ فِي لَيْلَائِهِ بِأَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَيُظْهِرُونَ السُّرُورَ وَيَزِيدُونَ فِي الْمُنِيرَاتِ وَيُعْظَمُونَ بِقِرَاءَةِ مَوْلِدِهِ الْكَرِيمِ وَيُظْهِرُ عَلَيْهِمْ بَرَكَاتِهِ كُلَّ فَضِيلٍ عَمِيمٍ وَمِمَّا جَرَّبَ فِي خَوَاصِهِ أَنَّهُ أَمَانٌ فِي ذَلِكَ الْعَامِ وَبُشْرَى عَاجِلَةٌ بِبَلِيلِ الْبُغْيَةِ وَالْمَرَامِ فَرَحِمَ اللَّهُ أَمْرًا تَتَّخِذُ لَيْلَا لِي شَهْرِ مَوْلِدِهِ الْمُبَارَكِ أَعْيَادًا لِيَكُونَ أَشَدَّ عِلَّةً عَلَى مَنْ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَأَعْيَادًا

”آپ کی ولادت پاک کے مہینے میں تمام اہل اسلام ہمیشہ محفل میلاد مناتے چلے آئے ہیں اور اسی خوشی میں کھانا پکا کر کھاتے رہے ہیں اور دعوتِ طعام کرتے آ رہے ہیں اور ان مبارک راتوں میں قسم قسم کے صدقات سے وہ صدقہ دیتے رہے ہیں اور اظہارِ سرور و فرحت کرتے چلے آئے ہیں اور اس نیک کام میں حتی الوسع زیادہ کوشش کرتے آئے ہیں اور آپ کا میلاد پڑھنے کا خاص اہتمام کرتے رہے ہیں جن کی برکتوں سے ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ظاہر ہوتا رہا ہے اور ولادت باسعادت کے ایام میں محفل میلاد منانے کے خواص میں سے یہ امر مجرب ہے کہ اس سال میں امن و امان رہتا ہے۔ اور ہر مقصود اور مراد پانے میں جلدی آنے والی خوشخبری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں فرمائے کہ جس نے ماہِ ولادت کی راتوں کو عید بنالیا تاکہ یہ عید سخت مصیبت ہو جائے اس شخص پر کہ جس شخص کے دل میں مرض ہے اور بیماری کی کمزوری ہے“

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں محافل میلاد کا انعقاد ہمیشہ سے علمائے سلف کا طریقہ چلا آ رہا ہے۔

آمد سے پہلے اور بعد میں دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اس جہان کا منظر ہی عجیب تھا۔ ہر طرف تاریکی کا دور دورہ تھا۔ شراب نوشی، قمار بازی، زنا، حرام کاری لوگوں کی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ ان کی عیاشیوں کا باب بڑا طویل ہے۔ معصوم بچوں کو زندہ درگور کرنا ان کا کام تھا۔

ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کی کہ میں اپنی چھوٹی معصوم بچی کو کنویں پر لے گیا وہ میرے ساتھ پیاری پیاری باتیں کرتی جا رہی تھی جب کنویں پر پہنچے تو میں نے اس کنویں میں اسے دھکا دے دیا۔ اس نے گرتے ہوئے مجھے پکارا، یا اَبْنَتَاؤْ اَذْرِکْنِی "اے بابا! مجھے پکڑ لے" اور میری طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ یہ سن کر حضور علیہ السلام کی مبارک آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر وہی عرب جو خصال و عادات کے لحاظ سے اردل المخلاتی تھے دنیا کے افضل ترین انسان بن گئے۔

جس طرف چشمِ محمد کے اشارے ہو گئے  
جتنے ذرے سامنے آئے سارے ہو گئے

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔



# ماہ ربيع الثانی کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ط الصَّلَاةُ وَ  
السَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ  
الطَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ الْمُهْدِيِّينَ ۝ أَمَّا بَعْدُ  
فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ  
الرَّحِيْمِ ۝

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ  
الْمَلَائِكَةُ

”بے شک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے  
ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں“

حضرات! پروردگار عالم جل جلالہ نے اس آیہ کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے  
جو ایمان لانے کے بعد اس استقلال سے ثابت قدم رہے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کے  
پائے ثبات کو لغزش نہ دے سکی۔

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”شرح  
مین بھائی الصدور“ میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ دشمن کی فوج تعداد اور آلات حرب  
کے لحاظ سے لشکر اسلام سے کہیں زیادہ تھی مگر:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ  
اللّٰهِ -

”بہت سی قلیل جماعتیں کثیر جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب ہو جاتی ہیں۔“  
اور پھر مسلمان کبھی وسائل پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اس کا تکیہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ اور  
اس کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہوا کرتا ہے۔

جنگ زوروں پر تھی۔ اگرچہ اس جنگ میں مجاہدین اسلام کو شاندار فتح نصیب ہوئی  
مگر عیسائی چند مسلمان سپاہیوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ ان گرفتار شدگان میں تین سگے بھائی تھے  
ان کی اٹھتی ہوئی جوانیاں، چہرے پر نور، گفتار میں بے مثالی عیاں تھی۔ انھیں عیسائی شہنشاہ  
ہرقل کے دربار میں پیش کیا گیا۔

ہرقل نے کہا: تم نے ابھی تک جوانی کی بہاریں بھی نہیں دیکھی ہیں تمہارے لیے بہتر  
یہی ہے کہ اسلام کو چھوڑ کر مسیحیت میں شامل ہو جاؤ۔ مجاہدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ  
ہرقل نے کہا: کیا تمہیں اپنی جوانیوں پر ترس نہیں آتا۔ اگر تم نے اسلام سے انحراف نہ کیا تو  
تمہاری گردنیں اڑادی جائیں گی۔ میرے ایک اشارہ ابرو کی دیر ہے تمہارے جسم خاک و خون  
میں تڑپتے نظر آئیں گے۔

مجاہدین بولے: ہاں

غلامان محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے

یہ سرکٹ جائے یارہ جانے کچھ پروا نہیں کرتے

اے عیسائی بادشاہ! اگر ہماری جانیں اللہ کی راہ میں اسلام کے نام پر قربان ہو جائیں  
تو اس سے بڑھ کر اور کیا خوش بختی ہو سکتی ہے! ہم شہادت کا جذبہ لے کر ہی میدان جہاد میں آتے ہیں  
ہماری زندگیاں اسی مرتبہ کے حصول کے لیے آرزوئیں کرتے گزر جاتی ہیں۔

ہرقل نے کہا: ایک بار تمہیں اور موقع دیتا ہوں، سوچ لو۔

انہوں نے کہا کہ ہمارے آخری سانس کا بھی یہی جواب ہو گا کہ جان تو دے سکتے ہیں  
مگر مصطفیٰ کا دیا ہوا ایمان نہیں دے سکتے۔

آخر اس نے حکم دیا کہ یہ لوگ کسی صورت بھی ایمان سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں  
انھیں کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا جائے۔ یہ عمل باری باری ہونا چاہیے تاکہ دوسرا

پہلے کا حشر دیکھ لے۔

تیل کا ایک بہت بڑا کڑا ہاگرم کیا گیا اور تینوں مجاہدوں کو اس کڑا سے کے قریب لایا گیا۔ پہلے ایک کو پکڑ کر جلتے ہوئے تیل میں ڈالا گیا، دوسرے نے پڑھا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اس مجاہد نے کہا: جلدی کھجے میں بھی اپنے بھائی کے پاس جلدی پہنچنا چاہتا ہوں۔ آخر اس کو بھی کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا گیا۔ اب تیسرے کی باری تھی اس کی: اٹھا رہ سال کی اُبھرتی ہوئی جوانی دیکھ کر ایک وزیر کو ترس آگیا۔ اس نے کہا اس کا ایمان ہم جلد چھین لیں گے مجھے مختصر سے عرصہ کی مہلت دیجئے۔

ہرقل بادشاہ نے کہا: یہ لوگ اسلام میں بڑے مضبوط ہوتے ہیں۔ ان کے خون کا آخری قطرہ بھی ان کے ایمان کی شہادت دیتا ہے، معلوم نہیں ان کے نبی نے ان کو کیسا نشہ پلا دیا ہے کہ دنیا کی کوئی ترشی اس کو اتار نہیں سکتی۔ وزیر نے کہا یہ ٹھیک ہے مگر یہ عرب کے لوگ عورتوں کے بڑے شائق ہوتے ہیں میں کوشش کروں گا کہ اس کو اسلام سے منحرف کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کروں۔ بادشاہ نے اسے اس مجاہد کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ سورج غروب ہو چکا تھا، رات کی سیاہی آسمان کے کناروں پر پھیلی چلی گئی، وزیر نے اس نوجوان کو ایک مکان میں بند کر دیا اور اپنی لڑکی کو بلا کر کہا: دنیا نے عیسائیت میں تجھ سے بڑھ کر کوئی لڑکی حسین نہیں ہے، عقلمند اور ذہین بھی ہو۔ اگر تو اس عربی نوجوان کا ایمان چھیننے میں کامیاب ہو گئی تو ہم انعام و اکرام سے مالا مال کر دیے جائیں گے۔

وزیر کی لڑکی نے کہا: ابا! یہ بات تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ اس نوجوان کی میرے چہرے پر اٹھی ہوئی ایک نظر اس کے ایمان کو متزلزل کر دینے کے لیے کافی ہے۔ وزیر نے اپنی لڑکی کو تھپکی دی اور کہا جاؤ اور کامیاب واپس آؤ۔ لڑکی نے جا کر دروازہ کھولا، دیکھا تو نوجوان قرآن کریم کی تلاوت کر رہا ہے۔ لڑکی جا کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ نصف رات گزر گئی مگر اس نوجوان نے اس لڑکی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ وہ تمام رات منتظر ہی کہ یہ نوجوان اسے ایک نگاہ غلط سے ہی دیکھ لے مگر جن نگاہوں میں حسنِ مصطفیٰ میں چکا ہو وہ



نگاہیں مبلا کسی اور کی طرف کیسے اٹھ سکتی ہیں۔

اس لڑکی کے لیے یہ منظر بڑا ہی عجیب تھا، کہیں دنیا اس کے پھرے کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بے تاب ہے اور کہیں یہ نوجوان کہ تمام رات گزر گئی اور اس کو علم بھی نہیں کہ کوئی میرے پاس آیا بھی ہے یا نہیں۔ صبح ہوئی تو وہ لڑکی دروازہ بند کر کے چلی گئی۔

وزیر نے پوچھا، کہو، کیا خبر لائی ہو؟ لڑکی نے کہا، آج رات اس کی کوئی عبادت کی رات تھی میں نے ہر چند کوشش کی مگر اس نے میری طرف نگاہ اٹھانے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔

دوسری رات پھر لڑکی اس نوجوان مسلمان کے کمرے میں پہنچی ہے مگر دیکھا کہ وہ نوجوان نفل پڑھ رہا ہے۔ یہ رات نفل پڑھتے گزر گئی۔ یونہی مسلسل چالیس راتیں وہ لڑکی آتی رہی مگر وہ آنکھیں جن پر اللہ اور اس کے رسول کا قبضہ ہو ان کے غیر کی طرف اُٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ! کیا تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ

”ان پر میری رحمتیں اور برکتیں ہیں۔“

ہر رات اس کی عبادت اور قرآن خوانی دیکھ کر لڑکی کی زندگی میں انقلاب آتا گیا۔ اس نے سوچا آخر وہ کون ایسا حسین ہے جو اس کی نگاہوں میں بس گیا ہے کہ یہ کسی دوسرے کی طرف نظر اٹھانا بھی پسند نہیں کرتا۔ ہاں ان کی یہی شان ہے۔  
نبیوں میں نبی ایسے کہ ختم الانبیاء ٹھہرے  
حسینوں میں حسین ایسے کہ محبوب خدا ٹھہرے

آخر ایک رات لڑکی نے کہا، اے عربی نوجوان! میں حیران ہوں کہ آج چالیس راتیں گزر گئی ہیں مگر تو نے مجھے دیکھا تک نہیں ہے۔ مجھے بتا وہ کون سا نشہ ہے جس میں تو ہمیشہ مست رہتا ہے، وہ کون ذات ہے جس میں ہمیشہ تو مستغرق رہتا ہے؟

مجاہد نے کہا کہ میرا محبوب ہے

بگر دبند مانی آمنہ دا اتے مابل پیاری فاطمہ دا  
 قدیمی شہنشاہ، عالی گھرانہ حسین و حسن دا غم خوار نانا  
 اکھاں پچ قدرتی سرے دی دھاری دلاں نوں قتل کر دی جیوں کٹاری  
 مدینہ طیبہ وچ رہن والا خدادے عرش تے جا بہن والا  
 زینما اس نوں جے دیکھ لیندی نہ چچے یوسف شامی دے پیندی  
 یس کن کر لڑکی نے کہا: نڈارا مجھے بھی ایسے پاک دین میں داخل کر لو۔ اس مجاہد نے کہا: پڑھیے  
 أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ  
 رَسُولُهُ۔

کبھی ہمارا کردار اتنا مضبوط ہوتا تھا کہ اس کو دیکھ کر دنیا کی تقدیریں بدل جاتی تھیں۔ پھر اس  
 لڑکی نے کہا: اے نوجوان! اب ہمارا یہاں رہنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، تم یہیں ٹھہرو،  
 میں ابھی اصلبل سے دو گھوڑے لاتی ہوں اور رات ہی رات میں یہاں سے نکل جاتے ہیں۔  
 تھوڑی دیر میں وہ وزیر زادی دو گھوڑے لے کر آگئی۔ دونوں تمام رات گھوڑے دوڑاتے  
 رہے۔ صبح ہوئی تو نماز کے لیے رُکے۔ مڑ کر پیچھے کو دیکھا تو دور ایک لشکر آرہا تھا، گرد اڑتی  
 نظر آئی۔ لڑکی نے کہا کہ خبر ہو چکی ہے اب ہم گرفتار ہو جائیں گے۔ نوجوان نے کہا: گھبراؤ نہیں  
 ایک ہزار کی فوج کے لیے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔

سبحان اللہ! بکریوں کے ریوڑوں کے لیے ایک شیر ہی کافی ہوتا ہے۔ یہ دیکھتے ہی  
 گرد قریب آتی گئی۔ جب بالکل قریب آئے تو دونوں یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ وہ  
 بھائی جو کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیے گئے تھے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے ہیں۔ انہوں نے  
 آتے ہی اِسْتَلَامُ عَلَیْکُمْ کہا اور بولے: حیران کیوں ہو گئے ہو! کیا قرآن کریم کا یہ اعلان  
 یاد نہیں!

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ ۚ وَلَٰكِنْ  
 لَا تَشْعُرُونَ۔

”وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں وہ مردہ نہیں زندہ ہوتے  
ہیں مگر تم ان کی زندگی کو سمجھ نہیں سکتے!“

ہم اس لیے آئے ہیں کہ تم دونوں کا نکاح پڑھا دیں۔ ہر قل کے ظلم و ستم انہیں مذہب  
چھوڑنے پر مجبور نہ کر سکے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں ہمیشہ کی زندگی عطا فرمادی گئی۔ یہ استقامت  
علی الایمان کا نتیجہ ہے۔

حجاج اور حضرت سعید بن جبیرؓ حجاج بن یوسف جس کے ظلم کی داستانیں زبان زد  
عام ہیں۔

۹۵ھ ماہ شعبان تھا، کرسی پر مغلوب الغضب بیٹھا ہوا خالد قیسری کے بھجے ہوئے  
قیدیوں کو سخت سے سخت سزائیں سناتا رہا تھا۔ ہر لمحہ اس کا غصہ تیز ہوتا چلا گیا۔ جب کوئی  
قیدی پیش کیا جاتا ہے تو اس کی آتش انتقام بھڑک اٹھتی ہے،  
”سے جاؤ، ایک لمحہ دیر کیے بغیر اس کی گردن اڑا دو۔“  
قیدی آتے رہے اور ظلم کی تلوار چلتی ہی۔

آج ان قیدیوں میں ایک خرقہ پوش فقیر بھی تھا۔ یہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما تھے خلیفہ  
عبد الملک کا یہ ظالم گورنر حجاج انہیں دیکھتے ہی آگ بگولا ہو گیا،  
”او سعید! میں اس کا خون پی جاؤں گا۔ یہ دیکھے گا کہ سرکشی کی کیا سزا ہے۔  
میں اس کی کراہتوں اور زہد و انقیاد کے چرچے مجسم کر کے رکھ دوں گا۔ میری انتقامی  
تلوار کسی سے پوشیدہ نہیں!“

یہ گورنر آج ایسے فقیر سے الجھ گیا جس کی آہ سے اس کا سارا دہانہ خش و خاشاک ہو کر رہ  
جائے گا۔ آج کے بعد ظلم کی تلوار کسی پر نہ اٹھ سکے گی۔

حجاج نتیجہ سے بے پروا وادی ظلم میں بڑھتا ہی چلا گیا۔ حکم دیا کہ اس باغی کو میرے سامنے  
لایا جائے۔ آج میں چاہتا ہوں کہ اس کے علم کا بھرم بھی نکال کر رکھ دوں۔ حضرت سعید بن جبیر  
رضی اللہ عنہما پیش کیے گئے۔

حجاج: بتاؤ سعید! میرے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟



سعید : اِنَّكَ نَقَاسِطٌ عَادِلٌ۔

درباری خوش ہوئے کہ بہت اچھا ہوا کہ حضرت سعید بھی مان گئے۔ گورز کو قاسط و عادل کہہ دیا ہے۔ مگر حجاج یہ سن کر سخت غصہ میں آیا اور کہنے لگا :  
تم جاہل ہو اس نے مجھے وہ قاسط اور عادل کہا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَأَمَّا النُّقِصَتُونَ فَمَا تَوَالِجَهُمْ حَطَبًا۔

”اور غلام پس، وہ جہنم کا لہندھن ہوئے۔“

دوسری آیت یہ ہے :

ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ۔

”اور کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھراتے ہیں۔“

سعید : ہاں میری مراد یہی تھی۔

حجاج : (درباریوں سے متوجہ ہو کر) میں نہ کہتا تھا اس کا مطلب اور ہے۔ (سعید کو

مخاطب کرتے ہوئے) تمہارا نام کیا ہے ؟

سعید : سعید بن جبیر۔

حجاج : نہیں، تو شقی بن کثیر ہے۔ (بدبخت، حقیر)

سعید : میری والدہ میرے نام کو تجھ سے بہتر جانتی ہے۔

حجاج : تیری والدہ بھی شقی اور تو بھی شقی۔

سعید : غیب کی باتیں تو اللہ ہی جانتا ہے۔

حجاج : بخدا میں تیری ساری عیش کو بھڑکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔

سعید : اگر میں یہ جانتا کہ نفع و ضرر یا راحت و آرام تیرے قبضے میں ہے تو میں تجھے خدا

سمجھتا اور تجھے سجدہ کرتا۔

حجاج : اچھا یہ بتاؤ کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے ؟

سعید : آپ نبی رحمت اور امام ہدایت ہیں۔

حجاج : اچھا یہ کہو کہ حضرت علی کے بارے میں تم کیا عقیدہ رکھتے ہو ، وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں ؟

سعید : اگر میں جنت و دوزخ کی سیر کرتا تو مجھے معلوم ہوتا کہ کون جنت میں ہے اور کون دوزخ میں ۔

حجاج : اچھا یہ بتلاؤ کہ خلفائے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے ؟  
سعید : مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کاموں پر موقوف بنا کر نہیں بھیجا کہ میں ان کے احوال کی تفتیش کروں ۔

حجاج : یہ کہو کہ خدا کے ہاں کون بہتر ہے ؟  
سعید : اس کا علم اس کو ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو یکساں جانتا ہے ۔  
حجاج : میں چاہتا ہوں کہ تم میری کسی بات کی تصدیق تو کرو ۔  
سعید : اگر مجھے تمہاری محبت نہ ہوتی تو میں تمہاری تکذیب نہ کرتا ۔ میں تمہیں عذاب الہی سے بچانا چاہتا ہوں ۔

حجاج : تمہیں کیا ہوا کہ تم کسی بات پر ہنستے نہیں ہو ؟  
سعید : وہ شخص کیسے ہنس سکتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہو اور اسے یہ بھی پتا ہو کہ آگ مٹی کو کھا سکتی ہے ۔

حجاج : پھر ہم کیوں کر ہنستے ہیں ؟

سعید : سب قلوب برابر نہیں ہوتے کوئی غافل ہوتا ہے کوئی بیدار ۔

حجاج پر نہ معلوم اس وقت کون سا افسون پڑھ دیا گیا تھا کہ حضرت سعید اس کی ہر بات کاٹتے تھے اور وہ نرم ہو جاتا تھا ۔ اور اس بے باکانہ مکالمے پر بجائے گردن مارنے کے اپنے خدام کو حکم دیتا ہے کہ قیمتی موتی اور یا قوت و زبرد حضرت سعید کے سامنے پیش کریں ۔

سعید : یہ مال تو نے اس لیے جمع کیا ہے کہ احوال قیامت اور عذاب آخرت سے تیرے لیے ڈھال بن جائے ۔ یاد رکھو کہ قیامت کا ایک زلزلہ ماں کو اپنے شیر خوار بچے سے غافل کر دے گا اور سجدہ کو کہ حلال طیب کے سوا دنیا کے کسی مال میں خیر نہیں ۔

یہ سن کر بے پروائی سے حجاج راگ باجے میں مشغول ہو گیا۔ سعید باجے کی آواز سن کر رونے لگے۔

حجاج، اسے سعید! یہ کیا حرکت ہے، اسبابِ تفریح کو رونے سے کیا نسبت! سعید، باجے کی آواز نے مجھے صورِ قیامت کی یاد تازہ کر دی اور اس کے ساتھ یہ بھی سوہانِ روح بن کر آیا ہے کہ تمہارے یہ سارے آلاتِ لہو و لعب بھی تمہارے لیے وبالِ جان ہیں۔

حجاج، سعید! تم پر ہلاکت، یہ کیا بیباکی ہے۔ سعید، جس کو اللہ نے دوزخ سے چھڑایا ہو اور جنت میں داخل کیا ہو اس کی ہلاکت کیا۔ حجاج، (حجاج پھر غصہ میں بھڑک اٹھا اور کہنے لگا) سعید! معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو چکے ہو اس لیے تم خود پسند کرو کہ تمہیں کس طرح قتل کیا جائے! سعید، جس طرح تم اپنا قتل پسند کرتے ہو اسی طرح مجھے کر دو کیونکہ قیامت میں خدا تعالیٰ اسی طرح قتل کرے گا جس طرح تم مجھے قتل کرو گے۔

حجاج، کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری جان بخشی کر دیں! سعید، یہ تیرے اختیار میں نہیں۔ اگر جان بخشی ہوگی تو خدائے علیم و قدیر کی طرف سے ہوگی مگر تیری جان بخشی کی کوئی صورت نہیں اور نہ تیرا کوئی عذر مسموع ہوگا۔

حجاج، (سپاہیوں کی طرف متوجہ ہو کر) اس کو لے جا کر قتل کر دو۔

سعید، (نہایت مسرت سے ہنسنے پھڑکنے ہو کر) بہت اچھا!

سپاہی، حضور! یہ گستاخ مجرم آپ کے حکم پر ہنستا ہے۔

حجاج، (حضرت سعید کو واپس بلا کر) تم کس بات پر ہنستے ہو؟

سعید، مجھے اس بات پر فہمی آئی کہ تو اللہ تعالیٰ پر کتنی جرات کرتا ہے اور وہ کتنی بردباری!

حجاج، اچھا اس کو ہمارے سامنے قتل کر دو۔

سعید، (نہایت اطمینان سے، گویا سونے کے لیے بستر پر لیٹے ہیں) رو قبلہ لیٹ کر

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا



أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

حجاج : (حضرت سعید کو رو قبلہ ہونے پر خوش ہوتے دیکھ کر) اس کا منہ قبلہ شریف سے پھیر دو۔

حضرت سعید ان باتوں سے کب متاثر ہونے والے تھے جس کو ٹٹایا گیا لیٹ گئے۔ اور یہ دروزبان ہے :

أَيْسَمَا تَوَكُّوْا فِثْمَ وَجْهِ اللَّهِ۔

”تم جس طرف منہ پھیرو اللہ اسی طرف ہے!“

حجاج : (سعید کو اس پر مسرور دیکھ کر) اس کو اوندھا کر دو۔

سعید جن کا رخ صرف ایک خدا کے بے نیاز کی طرف ہے جو وحد و دھت سے اعلیٰ و

برتر ہے۔ اس پر بھی اسی خوشی کے ساتھ راضی ہیں اور یہ آیت دروزبان ہے :

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى۔

حجاج اس خدا کے بچے ولی کی کرامت دیکھ رہا ہے مگر شقاوت اپنے خیال سے پھرنے نہیں دیتی اور اسی حالت میں ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

سعید : (أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ

وَرَسُولُهُ پڑھ کر) اے حجاج ! اے میرا یہ آخری کلمہ محفوظ رکھ، یہاں تک کہ ہم

قیامت میں خدا کے سامنے حاضر ہوں۔

آخر میں سعید شہید یہ دعا کرتے ہیں :

اللَّهُمَّ لَا تُسَلِّطْهُ عَلَى أَحَدٍ يَقْتُلُ بَعْدِي۔

”اے اللہ ! میرے بعد کسی شخص کے قتل پر مستط نہ فرما۔“

حجاج : اس گستاخ کو زیادہ بولنے کی فرصت نہ دو۔

جلد بے رحم بڑھا اور اس مقدس سر کو بدن سے جدا کر دیا جس کا زمانہ محتاج تھا۔

سعید کے بدن سے غون کا فوارہ شدت سے جاری تھا۔ درباری طبیب آپس میں سرگوشیاں

کر رہے تھے کہ یہ شخص موت سے کتنا بے خوف تھا۔ حجاج دربار ختم کر دیتا ہے خواہ بگا۔

میں آنکھ نہ لگنے پانی کہ چیخ اٹھا،

مَالِیُّ وَ لَسَعِیْدُ ابْنِ جُبَیْرٍ مَالِیُّ وَ لَسَعِیْدُ ابْنِ جُبَیْرٍ

مَالِیُّ وَ لَسَعِیْدُ ابْنِ جُبَیْرٍ

مجھے سعید بن جبیر سے کیا کام تھا مجھے سعید بن جبیر سے کیا کام تھا

مجھے سعید بن جبیر سے کیا کام تھا

سعید کی دُعا درجہ قبول کو پہنچ چکی تھی۔ پھر وہ تلوارِ ظلم کبھی نہ اٹھ سکی۔ عالم بھی ایک

ماہ بعد ختم ہو جاتا ہے

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُو باہی

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے جان دے دی مگر جادہ حق سے ایک قدم بھی

پیچھے نہیں ہٹے۔

میدانِ اُحد میں ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمارہ بن زیاد

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو تیر لگا۔ آپ زمین پر گر گئے۔ حیراننا سخت تھا کہ اٹھتے مگر

گر پڑتے۔ اس شدید تکلیف میں بھی اُحد اُحد کے نعرے لگا رہے تھے۔ خیال یہ تھا کہ

کہیں کوئی کلمہ شکایت زبان پر نہ آجائے اور میرے ایمان میں خلل واقع ہو جائے۔ کوشش

کرتے ہیں مگر اٹھا نہیں جاتا۔ اچانک نگاہ اُٹھی تو دیکھا کہ تھوڑی دُور سید عالم صلی اللہ

علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں۔ حضرت عمارہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ کیا ہی قسمت ہو اگر میں حضور

علیہ السلام تک پہنچ جاؤں، میرا سر ہو اور آقا کے پاک قدم۔ پھر انھوں نے اپنے جسم مبارک

کو گھسیٹنا شروع کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آخری لمحات تھے اور انہوں نے

اپنا سر حضور کے قدموں میں رکھا تو روحِ قفسِ حنضری سے پرواز کر گئی۔ روح نے مڑ کر

دیکھا کہ عاشق کا سر اپنے محبوب کے قدموں میں پڑا ہے روح نے کہا،

گر وقتِ اجل سر تر سے قدموں پہ دھرا ہو

بتنی ہر نفسا ایک ہی سجدہ میں ادا ہو

مولانا کافی علیہ الرحمۃ ہندوستان پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرا بنے جا رہے تھے۔ انگریزوں نے بابا سٹولیاں نصب رکھی تھیں۔ معمولی سے معمولی شبہ پر بھی سٹولی لٹکا دیا جاتا۔ حضرت مولانا کفایت علی کافی نے انگریزوں کے غلات فتویٰ بہاد مرتب کیا آپ جنرل بخت خاں روہیلہ کی فوج میں کمانڈر تھے۔ دہلی آئے تو ایک کلال کی منبری پر انگریزوں نے گرفتار کر لیا اور برسر عام سٹولی چڑھا دیے گئے۔ اس سے پہلے ان پر طرح طرح کے ظلم کیے گئے جسم پر گرم گرم استری پھیری گئی۔ زخم کر کے ان پر نمک مرچیں چھڑکی گئیں۔ آپ نے سٹولی پر چڑھنے سے پہلے یہ اشعار پڑھے :۔

کوئی گل باقی رہے گا نے چمن رہ جائیگا

پر رسول اللہ کا دین حسن رہ جائیگا

ہم صیرو ! باغ میں ہے کوئی دم کا چھپا

بلبل اڑ جائیں گی سونا چمن رہ جائیگا

اطلس و کنو اب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو

اس تن بے جان پہ خاکی کفن رہ جائیگا

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بلال کے نام سے کون واقف نہیں۔ ان کا نام سنتے ہی انہیں تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بڑی چٹان رکھ دی جاتی۔ رات کو زنجیروں میں جکڑ کر کوڑے لگائے جاتے۔ پھر ان زنجیروں پر داغ دیے جاتے تاکہ بیقرار ہو کر اسلام سے پھر جائیں یا تڑپ تڑپ کر مر جائیں۔ مارنے والوں کے ہاتھ تھک جاتے۔ امیر بن خلف عذاب دے دے کر اکتا جاتا مگر بلال وہ چٹان تھے جنہیں کوئی آندھی اور طوفان راہ حق سے نہ ہٹا سکا۔

نیز اس ماہ ربیع الثانی کی سترہ تاریخ کو حضور قطب الاقطاب غوث الاعوان

محمی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی رضی اللہ عنہ کی تاریخ وصال ہے۔ اطراف عالم میں اس ماہ کی گیارہ اور بعض مقامات پر سترہ کو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس



منایا جاتا ہے۔

مشائخ عظام اور بزرگان دین کے عرسوں کا سلسلہ علماء سلف و خلف سے عرس چلا آرہا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔

علامہ فخر الدین رازی قدس سرہ نے تفسیر کبیر میں اور علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر درمنثور میں فرمایا ہے،

إِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشَّهَدَاءِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ وَالْخُلَفَاءُ الْأَرْبَعَةُ هَكَذَا أَكَانُوا يَفْعَلُونَ۔  
حضور علیہ السلام ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لیجا یا کرتے تھے اور فرماتے تھے تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے پھر آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے اور پیاروں خلفاء بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :

”ازیں جا است حفظ اعراس مشائخ و مواعظت زیارت قبور و التزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشان و اعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار و اولاد ایشان“

”اسی سبب سے مشائخ کے عرسوں کی حفاظت اور قبروں کی زیارت کرنا اور فاتحہ پڑھنا، صدقہ دینا، اہتمام کرنا اور ان کی نشانیوں اور اولاد کی عزت کرنا“  
حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”فقیر ایک سال میں دو مجلسیں کرتا ہے، ایک مجلس حضور علیہ السلام کے ذکر میں اور دوسری حضرت امام حسین کی شہادت کے ذکر میں جو عموماً محرم کی دسویں تا بیس کو اور کبھی اس سے زیادہ یا ایک دو دن پہلے بھی ہو جاتی ہے۔ اس مجلس میں درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کے بعد فقیر

اگر بیڑا جاتا ہے اور حسنین کے فضائل جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں بیان کرتا ہے اور شہادت کی جو خبریں احادیث میں وارد ہیں ان کا ذکر کرتا ہے اور قاتلوں کی بد انجامی کے بعض حالات بھی بیان ہوتے ہیں اور اس کے ضمن میں بعض اشعار بھی جو جنوں اور پریوں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے صحابہ نے سنے ہیں بیان کیے جاتے ہیں اور وہ پریشان کن خواہیں جن کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دیکھا تھا بیان کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد قرآن شریف اور پانچ آیتوں کا ختم پڑھ کر جو طعام حاضر ہو اس پر بھی فاتحہ پڑھا جاتا ہے اور اگر خوش الحان شخص سلام پڑھنے والا ہو تو سلام پڑھنے کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔  
(فتاویٰ سنہ ۱۳۰۰ھ)

گیارہویں شریف حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے معتدین ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو آپ کا ختم دلائے ہیں محفل وعظ و نعت ہوتی ہے اور کچھ کھانا پکا کر حاضرین میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یہ ختم جو گیارہویں شریف کے نام سے مشہور ہے اصل میں حضور علیہ السلام کا ختم شریف ہے۔

علامہ یافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب قرۃ النافذہ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ دلائی۔ وہ نیاز اس قدر مقبول ہوئی کہ آپ نے ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو یہ فاتحہ مقرر کر دی۔ آہستہ آہستہ یہ عمل آپ کی طرف منسوب ہو گیا۔ گیارہویں غوث پاک کی یعنی وہ گیارہویں جو حضور پاک کیا کرتے تھے اب آپ کا عرس بھی گیارہ تاریخ کو ہی ہوتا ہے حالانکہ آپ کی تاریخ وصال ستروہ ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب

ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:

قَدْ اَشْهَرْتُ فِي دِيَارِنَا هَذَا الْيَوْمَ الْحَادِي عَشْرَهُ هُوَ الْمُعَارَفُ

عِنْدَ مَشَائِخِنَا۔

”گیارہویں شریف ہمارے ملک میں مشہور ہے اور یہی ہمارے مشائخ کا معمول ہے۔“

گیارہویں شریف ایصالِ ثواب کا ایک طریقہ ہے اور ایصالِ ثواب پر علماء، سلف و خلف کا اجماع چلا آرہا ہے اس کے ثبوت کے لیے قرآن و سنت سے کئی دلائل لاتے ہیں۔

بعض لوگ گیارہویں شریف کے ختم کو بدعت کہہ کر عوام کے دل میں بٹے اچھے طریقے سے نفرت پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا مشغلہ ہی کچھ اس قسم کا ہے کہ ہر نیک کام کو بدعت اور شرک کی آڑ میں حرام و ناجائز کہہ دیا جائے حالانکہ وہ لوگ بدعت و شرک کی تعریف سے بھی واقف نہیں۔

**ایک واقعہ** حیدرآباد سندھ کے علاقہ لالہ میں ایک مولوی صاحب سے دورانِ مناظرہ میں نے یہی سوال کیا کہ بدعت کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں؟ مولوی صاحب نے بدعت کی تعریف تو کر دی مگر غلط۔ پھر اس کی قسمیں بتانے سے انکار کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ اگر بدعت کی قسمیں بیان کرتے تو ان کے لیے یقینی شکست کا سامنا تھا۔ بدعت کی انہوں نے یہ تعریف کی کہ جو چیز حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو بعد میں پیدا ہو وہ بدعت ہوتی ہے اور بدعت حرام ہوتی ہے۔ اس کے میں نے دو جواب دیے، ایک الزامی تھا۔ میں نے کہا، مولوی صاحب! مجھے یہ بتائیے کہ آپ خود حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھے؟ کہنے لگے نہیں۔ تو میں نے کہا پھر آپ بعد میں پیدا ہوئے ہیں اور بقول آپ کے جو چیز بعد میں پیدا ہو وہ بدعت ہوتی ہے تو گویا تمہارا وجود ہی بدعت ہوا اور بدعت حرام ہوتی ہے۔ مولوی صاحب سخت گھبرائے کہنے لگے آپ مجھ پر دیادتی کرتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت! زیادتی کا ہے کی، آپ کی تعریف آپ پر بیان کر دی۔

دوسرا جواب یہ دیا کہ مولوی صاحب! یہ کہنا کہ یہ چیز حضور کے زمانہ میں نہ تھی اور اب ہے بالکل غلط ہے۔ کیونکہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ختم ہونے والا نہیں قیامت تک حضور ہی کا زمانہ ہے۔ اکثر یہ لوگ عوام کو نیکی سے روکنے کے لیے بدعت و شرک کے فتوے لگاتے رہتے ہیں حالانکہ لفظ بدعت میں فی نفسہ کوئی برائی نہیں ہے۔

**بدعت کی قسمیں** کوئی عمل جو حضور علیہ السلام کی ظاہری زندگی کے بعد پیش آئے اس کی دو صورتیں ہوں گی۔ وہ عمل قرآن و سنت کے مطابق ہوگا



یا خلاف۔ اگر مطابق ہوگا تو اسے بدعت حسنہ کہیں گے اور خلاف ہوگا تو بدعت سیئہ کہلائے گا۔  
حضرت شیخ محمد بن عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف  
میں فرماتے ہیں کہ :

”آنچه موافق اصول و قواعد سنت است و قیاس کردہ شدہ است آن را بدعت  
حسنہ گویند و آنچه مخالف آن باشد باعث ضلالت گویند۔“

”جو بدعت اصول و قواعد سنت کے موافق ہو اور اس سے قیاس کی ہوئی ہو  
اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو گمراہی۔“

مشکوٰۃ شریف باب العلم میں ہے :

حدیث شریف مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا

وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِ هِمِّ

شَيْءٍ ۚ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وَذَرْهَا

مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يُنْقَصَ مِنْ أَجْرِ هِمِّ شَيْءٍ ۚ

”جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا اور ان کا

بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام

میں بُرا طریقہ رائج کرے اس پر اس کا گناہ اور جو اس پر عمل کریں ان کا گناہ ہوگا

اور ان کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔“

اس حدیث مبارکہ میں بدعت کو حضور علیہ السلام نے لفظ سنت سے تعبیر فرمایا ہے۔ یعنی

سنت سیئہ اور سنت حسنہ۔

حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نماز تراویح کو

باقاعدہ رواج دیا، جماعت مقرر فرما کر کہا:

نِعْمَ الْبَذْعَةُ هَذِهِ۔

”یہ بدعت اچھی ہے۔“

اب آپ غور فرمائیں کہ ختم کیا رہیوں شریف میں وہ کونسی چیز ہے جو قرآن و سنت کے

خلاف ہے، کس چیز کو بُرا کہا جائے، نعت خوانی ہوتی ہے، علماء کرام مسائلِ شرعیہ بیان فرماتے ہیں۔ بعد ازاں ختم شریف پڑھ کر اس کا ثواب انبیاء، اولیاء، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ارواحِ طیبات کو پہنچا دیا جاتا ہے اور طعام و شیرینی وغیرہ حاضرین میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں الگ الگ بلا شک و شبہ جائز ہیں تو ان کا مجموعہ کیوں حرام ہو گیا؟  
وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ -

# ماہِ جمادی الاولیٰ کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ط وَالصَّلَاةُ وَ  
السَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ  
الطَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ الْمُهْدِيِّينَ ۝ أَمَّا بَعْدُ  
فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ط

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ط وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ  
رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَ  
رِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط ذَلِكَ  
مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ ۖ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ نَجْدٌ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ  
فَازَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيُغَيِّظَ  
بِهِمُ الْكُفَّارَ ط وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ۝

(پ ۲۶، ج ۱۲)

”محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور



آپس میں نرم، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے، سجدے میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے، ان کی علامت ان کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے، یہ ان کی صفت تورات میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے، جیسے ایک کھیتی نے اپنا پٹھانکا لا پھرا سے طاقت دی پھر دبیز ہوئی، پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی، کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں اللہ نے وعدہ کیا ہے ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں بخشش اور بڑے ثواب کا۔

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن نفوسِ قدسیہ کا ذکر فرمایا ہے جنہوں نے اپنی جان، مال، اولاد سب اسلام کے لیے وقف کر دیے تھے، جن کا سونا، اوڑھنا، بیٹھنا، اٹھنا اسلام تھا ان پر اللہ کریم راضی اور وہ اللہ تعالیٰ پر راضی ہوئے، جنہوں نے اپنی ہمتیال قربانیوں سے جنت خرید کر لی۔ جنہوں نے شجر اسلام کی آبیاری پانی سے نہیں، خون سے کی۔ جن پر اسلام قیامت تک نازک کریگا اور قرآن فخر کرتا رہے گا۔ آیت پاک کی ابتداء ان پاک اور مقدس الفاظ سے ہوتی ہے،

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔“

لفظ ”محمد“ کا ترجمہ عربی زبان میں یہ ہے:

الَّذِي يُحْمَدُ حَمْدًا أَبَدًا حَمِيدًا

”وہ ذات جس کی ہمیشہ حمد کی جائے۔“

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی وہ رکھا جس کا معنی ہی یہ ہے

کہ اس کی ہمیشہ حمد ہوتی رہے۔ کفار نے کہا ہم بھی کتنے کم عقل ہیں اس کو محمد کہہ کر تردید کرتے ہیں۔ جب محمد ہی کہہ دیا تو پھر تردید کیسی؟ لہذا اس نام کی بجائے ”مذقم“ کہا کریں گے۔ مذقم کے معنی ہیں بُرائی کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ان کا مذقم کوئی اور ہو گا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے محمد بنا کر بھیجا ہے۔

تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے گا

جب بڑھائے تھے اللہ تعالیٰ تیرا  
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدائے

نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چہرہ تیرا  
وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ہے سایہ تجھ پر

ذکر اونچا ہے ترا بول ہے بالاتر

لفظ مُحَمَّد کتنا پیارا ہے ہم اہلسنت وجماعت جب سید عالم  
انگوٹھے چومنا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سنتے ہیں تو دونوں انگوٹھے چوم کر  
آنکھوں پر رکھ لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں:

قُوَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

”یا رسول اللہ! میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ میں“

حضور کا نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔

علامہ اسماعیل حتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر روح البیان میں، ملا معین کا شفی نے معارج النبوة  
میں اور ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں فرمایا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان  
کہی، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یوں حاضر تھے  
كَانَ عَلَى رُءُوسِهِمُ الظُّلُّ كَمَا يَكُونُ عَلَى رُءُوسِ مَنْ يَرْتَدُّ عَلَيْهِمْ فِي ذَرَّةٍ مِّنْ حَرِّكَتِ  
نَهِس۔ ذرہ بھر بھی حرکت حضور کی بارگاہ میں بے ادبی ہے۔ سبحان اللہ! صحابہ کرام کے  
احترام کا یہ عالم تھا کہ وہ پانی جس سے حضور وضو فرمایا کرتے تھے جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے جسم اقدس کے ساتھ لگ کر زمین کی طرف آتا تھا تو صحابہ کرام گرے نہیں دیتے تھے  
بلکہ اٹھا کر چہروں پر مل لیا کرتے تھے۔

عرض کر رہا تھا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی اور حضرت صدیق اکبر  
رضی اللہ عنہ نے جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللہ سنا تو دونوں انگوٹھے چوم کر

آنکھوں سے لگالیے۔ اذان سے فراغت کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا: کسی نے دیکھا ہے کہ آج میرے صدیق نے کیا کیا ہے؟ ایک صحابی نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلہ و سلم! ابی و امی (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) میں نے دیکھا ہے جب آپ کا نام پاک حضرت بلال نے اذان میں لیا تو حضرت صدیق اکبر نے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگالیے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِيلِي أَنَا طَالِبُهُ فِي صُفُوفِ الْقِيَمَةِ وَ قَائِدُهُ إِلَى الْجَنَّةِ۔

”جو اس طرح کرے گا جس طرح میرے خلیل نے کیا میں اس کا طالب ہوں گا۔“

عیسائیوں کے پاس عبد باپار انجیلیں ہیں جن کو توراۃ کی ثنویت کے انجیل برنباؤس ساتھ بائبل کہا جاتا ہے، لوقا، متی، یوحنا، مرقس۔ ان چار انجیلوں کے علاوہ ایک۔ انجیل برنباؤس ہے۔ اس انجیل میں یہ واقعہ موجود ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے عرض کیا: یا اللہ! جن کے صدقے تو نے میری توبہ قبول فرمائی ہے میں ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اُن کا نور تیرے ناخنوں میں ظاہر کروں گا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے ناخنوں پر نگاہ ڈالی تو سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نور نے ظہور فرمایا۔ آدم علیہ السلام نے فرط محبت سے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھ لیے۔ معلوم ہوا کہ تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا حضرت آدم علیہ السلام کی بھی سنت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو نور نظر آیا تھا میں نظر نہیں آتا، ہم اعتراض اور جواب کیوں چومیں؟ یہ اعتراض پشاور شہر میں تقریر کے دوران کیا گیا تھا جس کا جواب میں نے یہ دیا تھا کہ نظر آئے یا نہ آئے یہ کوئی شرط نہیں ہے۔ صفا و مروت دونوں پہاڑوں کے درمیان حضرت ہاجرہ اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی تلاش کرنے دوڑیں، آج وہاں پانی کی بہتات ہے پھر حاجی وہاں کیوں دوڑتے ہیں، کبھی



صفا پر اور کبھی مردہ پر۔ بات صرف یہ ہے کہ پانی کی ضرورت ہونہ ہو حضرت ہاجرہ کی سنت جب تک ادا نہ کی جائے گی حج مکمل ہی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ اس طریقہ پر عمل کرنا ضروری ہے سبب کا موجود ہونا نہ ہونا شرط نہیں ہے۔ ہمیں اگر نور نظر نہیں آتا تو یہ ہماری نگاہوں کا قصور ہے۔ آدم علیہ السلام کی سنت تو ثابت ہو گئی اور وہ لوگ جن کی نگاہوں سے پرے اٹھ چکے ہیں وہ حضرات تو ظاہر و باہر زیارت کرتے ہیں بلکہ کر دیتے ہیں۔

ایک فقیر ایک مولوی صاحب قرآن کریم کا درس دے رہے تھے، محفل میں ایک فقیر بھی پچھنے پرانے کپڑے پہنے بیٹھا تھا۔ مولوی صاحب نے ایک حدیث بیان فرمائی اور کہا:

”قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

”حضور علیہ السلام نے یوں فرمایا ہے“

اس فقیر نے مولوی صاحب کو ٹوکا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے سچ کہا ہے حضور نے اسی طرح فرمایا ہے۔ اس فقیر نے دوبارہ کہا کہ مولوی صاحب! غلط ہے، حضور علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا۔ جب اپنے اپنے موقف پر اصرار بڑھ گیا تو فقیر یک دم کھڑا ہو گیا اور کہا، مولوی صاحب! اَنْظُرَاَنَّ رَسُولَ اللَّهِ قَائِمٌ عَلَى رَأْسِكَ۔ ”دیکھو تیرے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ میری حدیث نہیں ہے۔“

جو نہی مولوی صاحب نے نگاہ اٹھائی تو حضور علیہ السلام کی زیارت نصیب ہو گئی۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ میں نے یوں نہیں کہا ہے یہ میری حدیث نہیں ہے۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کی نگاہوں سے پرے اٹھ چکے ہیں۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا سنت ہے حضرت لطیفؑ آدم علیہ السلام اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔ ایک صاحب نے مجھے کہا کہ میں یہ حدیث نہیں مانتا۔ میں نے کہا کہ مانوں گا تو کوئی علاج ہی نہیں۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

بَلْ إِذَا تَبَيَّنَتْ رَافِعَةُ إِلَى الصِّدِّيقِ فَيَكْفِيهِ لِلْعَمَلِ .

جب اس کام فروع ہونا حضرت صدیق اکبر تک ثابت ہو گیا تو عمل کے لیے کافی ہے۔

مگر وہ صاحبِ ماننے کے لیے تیار نہ تھے تو میں نے کہا اچھا! ایسا کہنے کہ حضور علیہ السلام کا نام لیجئے۔ اس نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے کہا: اگر حدیث نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی ایسا رکھا ہے کہ ادا کرنے سے دو دفعہ ہونٹ خوب بڑھ ایک دوسرے کو چوم لیتے ہیں۔

**محمد رسول اللہ** محمد اللہ کے رسول ہیں، آج بھی رسول ہیں۔ قیامت تک کے لیے واحد رسول ہیں۔ کائناتِ ارضی و سماوی میں کوئی شے ایسی نہیں جو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی قائل نہ ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کافر جن اور کافر انسانوں کے علاوہ کائناتِ کا ذرہ ذرہ جانتا ہے کہ رَافِعُ رَسُولِ اللہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضور علیہ السلام کی رسالت عام ہے وہ زبانوں سے متعلق نہیں آپ کی رسالت کی حدیں زمانوں اور مکانوں سے وراد ہیں۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے آپ فرماتے ہیں:

أُمِّرْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً .

میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

**نباتات کے رسول** علامہ قاضی میاض رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شفا شریف میں یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں ایک یہودی آیا اور آکر عرض کیا اگر وہ درخت چل کر آپ کے پاس آجائے تو میں ایمان لے آؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جا اور اسے جا کر کہہ دے کہ تجھے محمد مصطفیٰ بلاستے ہیں۔ اس یہودی نے درخت کے پاس جا کر اس کو مخاطب کر کے کہا: اِنَّ مَحَمَّدًا اَيْدُ عُوْدِكَ تَجْعَلُ مَعْصُفَةً صَلي اللہ علیہ وسلم بلاستے ہیں۔ جب درخت نے حضور علیہ السلام کا نام پا کر سنا تو اس نے ہلنا شروع کر دیا۔

آگے پیچھے، دائیں، بائیں جھکا اور اس کی جڑیں اُکھڑ گئیں پھر تَجَرُّعُ وَقَّہَا اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا حضور کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو گیا۔

یہ حدیث بھی شفا شریف میں ہے، حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم جمادات کے رسول فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک سفر میں جا رہا تھا، ایک مقام پر پہاڑوں کا سلسلہ آیا، ہم ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ایک آواز آئی۔ بڑی پیاری پیاری آواز تھی، الفاظ یہ تھے:

الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللَّهِ۔

حضرت مولانا علی فرماتے ہیں میں نے چاروں طرف دیکھا آواز تھی مگر آواز دینے والا نظر نہ آتا تھا دوبارہ وہی آواز آئی مگر مجھے کوئی نظر نہ آیا تو میں نے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آقا! ان پہاڑوں میں آپ کا کون عاشر ہے جو اس محبت و ذوق سے درود پڑھ رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا، تجھے وہ پہاڑ نظر آرہا ہے؟ کہا، ہاں اس کے اوپر ایک چوٹی نظر آتی ہے۔ کہا ہاں اس کے اوپر ایک پتھر موجود ہے۔ کہا ہاں۔ تو فرمایا، وہ پتھر مجھ پر صلوٰۃ و سلام پڑھ رہا ہے۔ یہ حدیث بھی شفا شریف میں موجود ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حیوانات کے رسول جنگل میں تشریف لے جا رہے تھے ایک آواز آئی:

یا رسول اللہ! میری امداد فرمائیے۔

حضور علیہ السلام نے دیکھا کہ ایک ہرنی جاڑ میں پھنسی ہوئی ہے اور مجھے پکار رہی ہے۔ یہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا بات ہے؟ ہرنی نے عرض کیا، آقا! میرے دو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں مجھے رہا کر دیجئے میں بچوں کو دودھ پلا کر جلد واپس آ جاؤں گی۔ حضور نے فرمایا، اَوُ تَسْعَلِیْنِ (کیا تو ایسا کرے گی؟)۔ ہرنی نے عرض کیا، آقا! آپ کے ساتھ وعدہ کر کے کون بے وفائی کرتا ہے؟ حضور نے اسے کھول دیا۔ یہودی آیا کھنے لگا: میرا شکار کیوں چھوڑا؟ یہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرنی بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جائے گی۔ یہودی نے کہا، کیسی بات کرتے ہو، کمان سے نکلا ہوا تیر بھی واپس آ سکتا ہے؟ گیا ہوا شکار کیسے واپس



آئے گا۔ آپ نے فرمایا، وہ اللہ کے رسول کے ساتھ وعدہ کر کے گئی ہے ضرور آئے گی۔ یہودی نے کہا، اگر واپس آگئی تو میں ایمان لے آؤں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، وہ دیکھو دو نیچے ساتھ لیے آ رہی ہے۔ ہر فی سنے آتے ہی اپنا سر حضور علیہ السلام کے مقدس قدموں پر رکھ دیا۔ ہر فی کا سر جھکا تو ساتھ ہی یہودی کا سر بھی جھک گیا۔ حضور علیہ السلام نے ایک ہاتھ یہودی اور دوسرا ہاتھ ہر فی کے سر پر رکھا۔

پھر بشارت اس کو اور اس کو ملی سرکار سے  
قید سے آزاد تو اور تو عذابِ نار سے

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کے رسول ہیں۔ جمادات، نباتات، حیوانات، انسانوں، فرشتوں اور عرشوں کے بھی رسول ہیں بلکہ وہ تو رسولوں کے رسول ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں **پانچ صفات** ارشاد ہوتا ہے، وہ لوگ جو حضور کی بارگاہ میں حاضر رہنے والے ہیں گلوں پر بڑے سخت ہیں۔ آپس میں بڑے رحیم ہیں۔ وہ ہمیشہ رکوع و سجود کرتے ہی نظر آتے ہیں۔ ان کے چہرے سجدوں کے نشان سے منور ہیں۔ ان کی صفات تدریجاً اور انجیل میں موجود ہیں۔ اس آیت کریمہ سے ان کے علاوہ بھی صفات ظاہر ہوتی ہیں۔ مگر یہ پانچ بادی النظر میں سامنے ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں پر غور کرنے سے یہ بات صاف طور سے سامنے آجاتی ہے کہ کتنے رحیم تھے اور ان کی عبادتیں کس شان کی تھیں اور اسلام کے دشمنوں پر وہ کتنے سخت تھے۔

یہاں ہم صرف اس آیت کریمہ کی وہ تفسیر بیان کرتے ہیں جو حضرت **تفسیر ابن عباس** عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں **وَالَّذِينَ مَعَهُ** کے منظر اتم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ ہمیشہ حضور علیہ السلام کے ساتھ رہے۔ بچپن میں صدیق اکبر ساتھ ہیں، لڑکپن میں ساتھ، جوانی میں ساتھ، بڑھاپے میں ساتھ، صدیق سفر میں ساتھ، حضر میں ساتھ، اُحد میں ساتھ ہیں تو بدر میں ساتھ، نماز میں ساتھ، زندگی کے ہر موڑ پر ساتھ رہے۔ زندگی میں ساتھ رہے تو قبر میں بھی ساتھ ہی جگہ عطا ہوگی۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں اسے

اَنْ اَمَنْ النَّاسُ بِرِ مَوْلَانِ  
اَنْ کَلِمِ اَوَّلِ سَيَانِ  
ہمت او کشتِ ملت را چو ابر  
ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

تین چیزیں انسان کو سب سے زیادہ پیاری ہوتی ہیں۔ مال، جان،  
اولاد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تینوں چیزیں اسلام کی راہ  
میں قربان کر دیں، کئی غلام آزاد کیے۔ اسلام لانے سے پہلے بہت مالدار تھے۔ اسلام لانے  
کے بعد تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ ایک دفعہ تمام مال اٹھا کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ  
میں لے آئے۔ آقا نے فرمایا کہ صدیق! گھر کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ عرض کی، اللہ اور اس کا  
رسول گھر چھوڑ آیا ہوں۔

پرانے کو چراغ اور بیلن کو پھول بس  
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

تلوار اٹھائی بدر کے میدان میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن ابو جہل  
کے ساتھ تھے۔ لڑائی کے دوران عبدالرحمن کی تلوار کی زد میں صدیق اکبر  
آگئے۔ بیٹے کی تلوار کے نیچے باپ آگیا۔ محبت پدری کے پیش نظر تلوار اٹھالی۔ جب عبدالرحمن  
ایمان لائے تو ایک دن والد سے ذکر کیا کہ اباجان! بدر کے میدان میں میری تلوار کے نیچے  
آپ آگئے تھے اگر میں چاہتا تو تلوار سے گردن اڑا دیتا۔ مگر محبت پدری کے پیش نظر میں نے  
تلوار اٹھالی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میری تلوار کے نیچے تو آجاتا تو میں  
تیری گردن اڑا دیتا۔ میں یہ کبھی نہ دیکھتا کہ تو میرا بیٹا ہے اس لیے کہ تو میرے آقا کے خلاف تھا  
محم اسرا یہ نبوت ہیں، افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں ثانی اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا  
فِي الْغَارِ ہیں، ہجرت کی رات میں غار کے اندر ان کی ران پر سر رکھ کر سید عالم  
صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے، سانپ نے صدیق کی ایڑی پر منہ رکھا۔ یہ سانپ بھی

چھ سو سال سے حضور علیہ السلام کی انتظار میں بیٹھا رہا تھا۔ جب نبوت کی بھینٹی بھینی خوشبو غار میں پھیل گئی تو اس نے سارے راستے دیکھے مگر بند تھے۔ آخر صدیق اکبر کی ایڑی پر منہ رکھ دیا۔ حضرت صدیق اکبر نے پاؤں کو ذرہ بھر بھی حرکت نہ دی۔ سانپ نے ہر چند کوشش کی کہ صدیق اکبر پاؤں ہٹالیں۔ مگر آپ نے پاؤں ہٹایا نہیں۔ سانپ نے زبانِ مال سے کہا:۔

آسے آسے عمر گزاری بھلتے خار ہزاراں

مالی بدغ نہیں دیکھن دیندا آئیاں جدوں بہاراں

آخر سانپ نے صدیق اکبر کی ایڑی پر ڈنگ چلایا۔ زہر سرایت کرتا چلا گیا صدیق اکبر کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے مگر:۔

مگر صدیق نے پاؤں کو جنبش تک نہ ہونے دی

یہی ڈر تھا کہیں آنکھیں نہ کھل جائیں پیمبر کی

حضور علیہ السلام بیدار ہوئے اور صدیق اکبر کی ایڑی پر لعابِ دہن لگایا، فوراً تکلیف دور ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جان کی پروا نہیں کی مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ فرائضِ خلافت سنبھالنے کے ساتھ ہی جو آندھیاں اور طوفانِ شجر اسلام پر آئے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تدبیر اور معاملہ فہمی سے اس طرح چھٹ گئے کہ تاریخ ایسی مثالیں پیش کرنے سے قاصر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کی۔  
اَشْدَّ اَوْ عَلَى الْكُفَّارِ مظهر حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ۱۰

ذات ہے جس پر اسلام کو ناز ہے اور قرآن کو خُز ہے۔ دو آدمیوں نے اپنے جھگڑے کا فیصلہ حضور علیہ السلام سے کرایا جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا مجھے یہ فیصلہ منظور نہیں ہے چلو عمر بن خطاب سے فیصلہ کرائیں گے۔ دونوں مل کر آپ کے پاس آئے جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ مجھے آپ کے نبی کا فیصلہ پسند نہیں آیا اس لیے آپ کے پاس آیا ہوں۔ آپ نے تکرار اٹھالی اور فرمایا جو رسول اللہ کا فیصلہ قبول نہ کرے اس کا فیصلہ میری تلوار کریگی۔



جب آپ ایمان لائے تو علی الاعلان کعبۃ اللہ میں حقانیت کا نعرہ لگایا، حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا، یا رسول اللہ! فذاک ابی و اقی (یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان) کیا ہم حق پر نہیں؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کیوں نہیں؟ عرض کیا، پھر ہم چھپ کر نمازیں کیوں پڑھیں! حضور علیہ السلام نے فرمایا، شیطان عمر (رضی اللہ عنہ) کے سایہ سے بھاگتا ہے۔

رحمۃ ربینہم اس کے منظر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں، باغی ننگی تلواریں لیے مکان کو گھیرے میں لے چکے تھے۔ کئی دنوں سے پانی بند کر دیا گیا تھا۔ مسجد نبوی کی توسیع کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز ادا نہیں کر سکتا۔ طاقت موجود ہے، فوجیں کھڑی ہیں اور حکم کی منتظر ہیں کہ کب حکم آئے۔ باغیوں کا ایک فرد بھی پنج کر نہیں جاسکتا۔ مگر لاکھ رحمت ہو اس اللہ کے بندے پر، اعلان فرماتا ہے کہ،

”میں اپنا خون دے سکتا ہوں مگر مسلمان کے ہاتھوں کسی دوسرے مسلمان کا خون بہتا نہیں دیکھ سکتا۔“

رحمۃ ربینہم کا کتنا عظیم مظاہرہ ہے۔

ترانہم رکعاً سجداً اس کے منظر حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں۔ آپ نماز کے لیے وضو فرمایا کرتے تھے تو چہرہ کی رنگت تبدیل ہو جایا کرتی تھی۔ کسی نے عرض کیا، حضور! یہ کیا معاملہ ہے، جب آپ نماز ادا فرماتے ہیں تو چہرہ کی رنگت تبدیل ہو جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا،

”ڈرتا ہوں کہ کہیں امانت ادا کرنے میں کوئی ٹمی واقع نہ ہو جائے۔“

ایک جنگ میں آپ کی پنڈلی پر ایک تیر لگ گیا۔ ہر چند کوشش کی گئی کہ مصلے پر خون تیر نکال دیا جائے مگر درد بہت زیادہ تھا۔ پنڈلی پر ہاتھ لگایا نہیں جاتا تھا آخر کسی نے کہا، ایسا کیجئے جب آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوں تو بیشک آپ تمام پنڈلی چیر کر تیر نکال لیں، انھیں قطعاً معلوم نہیں ہوگا۔ چنانچہ یوں ہی کیا گیا۔ جب آپ نماز

پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ کی پنڈلی سے تیر نکال لیا گیا مگر آپ بدستور نماز پڑھتے چلے گئے۔ نماز سے فراغت کے بعد فرمایا: مصطفیٰ پر یہ خون کیسا ہے، عرض کیا گیا: حضور! آپ کی پنڈلی سے تیر نکالا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کی بارگاہ میں میں کھڑا تھا مجھے ذرہ بھر بھی معلوم نہیں ہوسکا۔ حضرت مولانا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔

حدیث مبارکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو میں نے عرض کیا،  
مَا أَذْرِي الْقَضَاءَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْكَ -  
یا رسول اللہ! میں قضاہ کرنا نہیں جانتا۔  
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہاں دیر کیا لگتی ہے، فرمایا: علی! اگر قریب آؤ۔  
آپ قریب ہوئے تو حضور علیہ السلام نے سینہ سے لگایا۔ مولانا علی فرماتے ہیں: مجھے خدا کی قسم ہے اس کے بعد کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں جو میرے پیش ہوا ہو اور میں نے حل نہ کیا۔  
یہ حضور علیہ السلام کے سینے سے لگانے کی برکت تھی۔  
کتنا عجیب مقام ہے کبھی آپ نے یہ نہیں دیکھا۔  
قانون بعد میں پڑھایا جائے۔ یہ صرف ما۔  
قاضی پہلے بنایا جاتا ہے۔

رٹ  
بہ چپینہ  
تشریف لائے

ت کریں۔ یہ فرما کر

نہ جتے گئے۔ پھر

بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان

نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ

ع  
حاضرین کرام

عظیم دفتر ہے۔ یہ صرف ا

صحابہ کرام کے نقش قدم پر چ

وَمَا عَلَيْكَ اِذَا

# ماہِ جمادی الاخریٰ کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ  
الظَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ الْمُهْدِيِّينَ

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا (پ، ع، ۴)

وہ لوگ جو راتیں گزار دیتے ہیں اپنے رب کے لیے سجدہ کرتے اور قیام کرتے۔  
حضرات! اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کی راتیں عبادتِ الہی میں  
تہ گزرتی ہیں کبھی سجدے کرتے اور کبھی قیام کرتے ہیں۔ رکوع کی حالت ہے تو رات ختم ہو گئی ہے  
کے سجدوں کی طوالت راتوں کی وسعتوں پر حاوی ہے۔ راتیں ختم ہو جاتی ہیں مگر ان کے  
تبدیل نہ ختم نہیں ہوتے۔

تو چہرہ کی رنگت  
”دُرتا ہوں رضی اللہ عنہا“  
سردیوں کی لمبی لمبی راتیں ہوتی تھیں۔ تمام دنیا آرام سے  
سوتی مگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ نظر اور

ایک لڑہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا شہزادوں کو سلا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں  
مصلے پر خون تیر نکال اتی تھی مگر خاتونِ جنت کا ابھی پہلا سجدہ بھی ختم نہیں ہوتا تھا  
آخر کسی نے کہا: ایسا کیجئے جب کہ بارگاہ میں عرض کرتی ہیں: یا اللہ! تو نے کیسی چھوٹی چھوٹی  
پنڈلی چیر کر تیر نکال لیں، انھیں قطع آتی ہے میرا سجدہ ختم نہیں ہوتا، ایک لمبی لمبی رات بنا



کہ فاطمہ دل کھول کر عبادت کر لے۔

حدیث شریف حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جو کلام اللہ تعالیٰ کا ہو اور راوی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ عَبْدِي بِالتَّوَّافِلِ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَكُنْتُ بَصَرَهُ الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَكُنْتُ يَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا

”اُمی عبادت کے ذریعہ مجھ سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں وہ میرے ساتھ سنتا ہے میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ میرے ساتھ دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں وہ میرے ساتھ پکڑتا ہے۔“ یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر عوام و خواص کا فرق ہو جاتا ہے۔ مقبولانِ بارگاہِ الہی ہمیشہ یادِ الہی میں مصروف نظر آتے ہیں ذکرِ الہی ہی ایک وہ دوا ہے جس سے دنوں کو تسکین حاصل ہوتی ہے۔

أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمِثُ الْقُلُوبُ۔

”دلوں کو المینان اللہ کے ذکر سے ہی ہوتا ہے۔“

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا عبادت فرمانا کہ ایک شخص نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور علیہ السلام کی کوئی عجیب چیز بیان کریں۔ آپ نے فرمایا، حضور علیہ السلام کی ہر چیز ہی عجیب تھی ایک رات تشریف لائے ابھی تھوڑی دیر ہی میرے حجرے میں آرام کیا تو فرمایا، اب اپنے رب کی عبادت کریں۔ یہ فرما کر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے اور رونا شروع کیا یہاں تک کہ آنسو تبارک تک بہتے گئے۔ پھر رکوع فرمایا۔ اس میں بھی اسی طرح روتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان پڑھی حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ

اتنا روئے حالانکہ آپ معصوم ہیں گناہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا: کیا میں  
شکر گزار نہ بنوں! پھر فرمایا: میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج ہی مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے:  
إِنِّي فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَنَا (اللہ)

صحابہ کرام کی عبادت حضرت صدیق اکبر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم  
جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ  
ایک لکڑی گڑی ہوئی ہے۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما جب سجدہ کرتے تھے تو اس قدر لمبا  
رکوع کرتے کہ تمام رات رکوع میں گزر جاتی۔ جب آپ سے لڑائی ہو رہی تھی تو ایک گولہ  
مسجد کی دیوار پر ٹکرا جس سے دیوار کا ایک ٹکڑا اڑا اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حلق اور  
ڈاڑھی کے درمیان سے گزرتا ہوا آگے نکل گیا مگر آپ پر نہ کوئی پریشانی ہوئی اور نہ ہی رکوع و  
سجدہ کو مختصر کیا۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور بیٹا جس کا نام ہاشم تھا پاس سو رہا تھا  
چھت سے ایک سانپ گرا اور نیچے سے پٹ گیا۔ گھر والے سب دوڑتے ہوئے آئے اور  
سانپ کو مارا مگر ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسی المینان سے نماز پڑھتے رہے۔ سلام پھیر کر  
فرمانے لگے: کچھ شور سنائی دیا تھا کیا بات تھی؟ بیوی نے کہا اللہ تم پر رحم کرے نیچے کی  
جان گئی تھی اور تمہیں پتا ہی نہیں چلا۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر غیر کی  
طرت توجہ کیوں کرتا!

امام محمد غزالی حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد غزالی  
رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے اور آپ کے  
بیچے نماز نہیں پڑھتے تھے ایک دفعہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی والدہ سے شکایت کی کہ  
اللہ نے مجھے عظیم دولت سے نوازا ہے لوگوں کے دلوں میں میرا احترام پیدا کیا ہے مگر حامد  
میرے بیچے نماز نہیں پڑھتے اس سے لوگوں کے دل میں شکوک و شبہات کی فضا پیدا ہوتی ہے۔  
والدہ نے کہا میں حامد کو سمجھاؤں گی۔ چنانچہ والدہ نے حامد غزالی کو بلا کر فرمایا: بیٹا! اللہ تعالیٰ  
سے تمہارے بھائی کو بہت بڑے علم سے مشرف فرمایا ہے، علمائے زمانہ اس کے سامنے  
زانوئے ادب بجاتے ہیں۔ بیٹا! تم اس کے بیچے نماز ادا نہیں کرتے اس سے تمہارے

بھائی کے متعلق لوگوں میں چرمیگوئیاں ہو رہی ہیں لہذا آج کے بعد میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اپنے بھائی کے پیچھے نماز ادا کیا کرو۔

حضرت حامد غزالی رحمہ اللہ علیہ نے عرض کیا: بہت اچھا، آج ہی جاؤں گا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو آج حامد غزالی پہلی صفت میں موجود تھے۔ رکوع ہوا تو رکوع کیا، جب سجدے میں گئے تو نماز توڑی اور گھر آگئے۔ نمازیوں نے اس پر بڑی باتیں کیں۔ حضرت امام غزالی نے والدہ کی خدمت میں عرض کیا: اماں جان! اس سے تو بہتر یہ تھا کہ حامد نماز نہ پڑھتے، آج انہوں نے میرے پیچھے نماز شروع کی اور جب سجدہ میں گئے تو نماز توڑ کر آگئے۔ والدہ نے فوراً حامد کو بلا کر پوچھا: بیٹا! تو نے یہ کیا عمل کیا، نماز توڑ کر کیوں واپس آگیا؟ آپ نے عرض کیا: جیت تک یہ خدا کی نماز پڑھتے رہے۔ میں ان کے پیچھے پڑھتا رہا، جب یہ سجدے میں گئے تو انہوں نے طلاق کے مسئلے پر غور شروع کر دیا، اماں جان! میں اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھنے کھڑا ہوا تھا نہ کہ طلاق کی۔ انہوں نے طلاقیں سوچنا شروع کر دیں میں نماز چھوڑ کر گھر آگیا ہوں۔

والدہ بھی تو غزالی کی تھی، فرمایا: حامد! تو نے اس لیے نماز توڑی کہ محمد غزالی کا خیال غیر کی طرف چلا گیا، اور تم بھی تو اللہ تعالیٰ کی نماز پڑھ رہے تھے تو نے اپنا خیال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر غزالی کے دل کی طرف کیوں لگا دیا، جو جرم غزالی نے کیا اس کے تم خود بھی مرتکب ہوئے۔

مجنوں ایک نمازی کے آگے سے گزر گیا۔ نمازی صاحب نے نماز توڑ کر واقعہ مجنوں مجنوں کے دوچار تھپڑ رسید کر دیے تو نے دیکھا نہیں میں نے نماز شروع کر رکھی ہے میرے آگے سے کیوں گزرے ہو؟ مجنوں نے کہا: مجھ سے غلطی ہوئی ہے میں نے تمہیں نہیں دیکھا۔ نمازی نے کہا: کیوں نہیں دیکھا؟ آخر مجنوں نے ایک بات کہی اس نے کہا: اسے نمازی! میں تو دنیا کی ایک عورت کے عشق میں اتنا محو ہو کر جا رہا تھا کہ تجھے نہ دیکھ سکا مگر آپ بتائیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ٹھٹھے ہو کر مجھے کس طرح



حُشّی یلّیٰ مین بری حالت تباہ  
و مسلّیٰ حق میں غیر پر تیری نگاہ  
کیا اسی کو کہتے ہیں راز و نیاز  
بس نمازی دیکھ لی تیری نماز

مجنوں نے کہا،

إِنَّ الْعَبْدَ يَتَأَخَّضُ مَرَبَّةً فِي الصَّلَاةِ  
”نمازی نماز میں اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے۔“

کیا یہی تیری نماز ہے!

یہ روایت بہت مشہور ہے۔ سورج غروب ہوتا جا رہا تھا اور حضرت علی  
سورج لوٹ آیا کرم اللہ وجہہ الکریم کی ران پر سر اقدس رکھ کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
آرام فرما رہے تھے۔ سورج غروب ہوتا جا رہا تھا۔ حضرت مولا علیؑ کبھی ڈوبتے ہوئے سورج  
کو دیکھتے تھے اور کبھی حضور علیہ السلام کے مقدس چہرہ کی طرف کبھی خیال آتا ہے کہ بیدار  
کر کے نماز پڑھ لوں۔ پھر خیال آتا ہے کہ آقا کے آرام میں خلل آجائے گا۔ کیا کروں، اگر  
جگاتا ہوں تو حضور کے آرام میں خلل آتا ہے اور اگر نہ جگاؤں تو اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرض جائے  
اور نماز بھی بھری ہے جس کے متعلق قرآن کریم کا ارشاد ہے،  
حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ۔

وسطی (درمیانی) نماز سے مراد نماز عصر ہے۔ کبھی ڈوبتے ہوئے سورج کی طرف دیکھتے ہیں اور  
کبھی حضور پاک کے چہرے کی طرف۔

میاں محمد رفیع اللہ علیہ نے پنجابی زبان میں نقشہ کھینچا ہے آپ فرماتے ہیں،

اگنی جان شکنجے اندر جیوں ویلنے وچ گناں  
روہ نوں کہوہن رہو محمدہن رہے تان مناں

جنت کی خوریں کہہ رہی تھیں :۔

زمین پر عرشِ اعظم کے نشان معلوم ہوتے ہیں

علی کی گود میں دونوں جہاں معلوم ہوتے ہیں

آنر دل سے سوال کیا تو دل نے کہا :۔

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں

نگاہوں کی قضا میں کب ادا ہوں

آنکھیں بند فرمائیں اور سورج غروب ہو گیا، کھولیں تو آنکھوں میں آنسو سہتے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، دیکھا کہ علی دور سے ہیں۔ آپ نے فرمایا،

مَا يَكُنْكَ يَا عَلِيُّ۔

”اے علی! تجھے کس چیز نے زلایا ہے؟“

عرض کیا : حضور! عصر کی نماز قضا ہو گئی ہے، حضور نے تو ادا فرمائی تھی مگر میں نے ابھی نہیں پڑھی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قلبِ اقدس میں ابھی خیال ہی کیا تھا کہ ڈوبا ہوا سورج

واپس آگیا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

۵

تیری مرضی پا گیا سورج پھر اُسے قدم

تیری انگلی اٹھ گئی مہرِ نا کلیجہ چر گیا

آپ امداد فرمائیں کہ حضرت مولا علی کی ایک نماز کی ادائیگی کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے سورج کو واپس پھرایا۔

آپ کا وصال ہو گیا آپ کے پڑوس میں ایک یہودی کا

امام اسلم رضی اللہ عنہ مکان تھا۔ دوسری رات یہودی کے لڑکے نے اپنے والد

سے پوچھا، آبا جان! ہمارے ساتھ والے مکان میں رات کو ایک درخت نظر آیا کرتا تھا

جو آج مجھے نظر نہیں آتا۔ باپ نے کہا، بیٹا! وہ درخت نہیں تھا مسلمانوں کے امام ابوہریرہ

جو تمام رات کھڑے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔ آج ان کا وصال ہو گیا ہے۔

حضرت بشر حافی علیہ الرحمۃ پاؤں پر ورم آجاتا اور پھٹ کر خون بہنا شروع ہو جاتا مگر آپ نہایت اطمینان سے عبادت الہی میں مصروف رہتے۔ آپ کی توبہ کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ آپ توبہ کرنے سے پہلے شراب نکالنے کا کاروبار کرتے تھے۔ مختلف شہروں میں ان کے کئی کارخانے چلتے تھے جہاں کثرت سے شراب کشید کی جاتی تھی۔

شراب کی تجارت سے انھوں نے لاکھوں کا نفع حاصل کیا۔ شراب نوشی اور شراب خوری سے ان کے دل سے خوفِ خدا بالکل محو ہو چکا تھا۔ فارسی کا ایک مقلد ہے:

رحمتِ حق بہانہ می جوید بہانہ می جوید؟

ایک دن شراب کے کارخانے میں جارہے تھے، راستے میں کاغذ کا ایک ٹکڑا دیکھا اٹھایا اور پڑھا تو اس پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا ہوا تھا، دل میں خیال آیا کہ میں تو اس شان و شوکت سے رہوں کہ نوکر چاکر، محلات، کارخانے میرے تابع ہیں اور یہ پاک نام قدموں کے نیچے ہو۔ اس کاغذ کو گھر لے گیا۔ عطر و خوشبو لگا کر بلند مقام پر رکھ کر کہا تیرا مقام وہ نہیں تھا یہ ہے۔ پروردگارِ عالم کو یہ بات پسند آگئی وہ تو رحیم و کریم ہے آدمی ایک کیے ہوئے وعدے پر پشیمان ہو کر آئندہ نہ کرنے کا عہد کر کے اس کی بارگاہ میں جھک جائے تو اس کے آنسوؤں کا ایک قطرہ تمام زندگی کے گناہوں کو دھو دینے کے لیے کافی ہے۔ بشر نے اللہ تعالیٰ کے نام پاک کو بلند مقام پر رکھا، پروردگارِ عالم نے فرمایا: بشر نے میرے نام کا احترام کیا ہے اب ہم اسے شراب نہیں پینے دیں گے۔

بشر شراب خانے گیا اور جوتا اتار کر ابھی بیٹھا ہی تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی بشر نے کہا: کون ہے؟ اسے کہو یہ وقت ملاقات کا نہیں، پھر کسی وقت آنا۔ آنے والے نے کہا بشر کو کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا قاصد ہوں اور اس کا سلام لے کر آیا ہوں۔ بشر نے جب یہ سنا تو دل کی دنیا بدل گئی۔ کہے لگائیں نے تمام عمر نافرمانی کی اور صرف ایک کاغذ جس پر اس کا نام تھا اٹھایا اور بلند مقام پر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے سلام



بھیجا ہے اگر عمر اس کی یاد میں گزرتی تو اس کا فضل و کرم کتنا عظیم ہوتا۔ یہ سوچا اور ننگے پاؤں  
دور والے کی طرف دوڑا اللہ تعالیٰ کا وہ قاصد جو اسی تھکتے کا ایک ولی کامل تھا اس نے  
برہ کر سینے سے لگالیا۔

پھر بشر نے تمام شراب خانوں کو آگ لگا دی اور سچے دل سے توبہ کی۔ پروردگار عالم  
نے ولیوں کا شہنشاہ بنا دیا۔ پھر بشر نے ساری زندگی پاؤں میں جوتا نہیں پہنا، ننگے پاؤں  
رہتے تھے۔ حافی عربی زبان میں ننگے پاؤں والے کو کہتے ہیں۔ کسی نے پوچھا، آپ  
ننگے پاؤں کیوں رہتے ہیں جوتا کیوں نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا، جب اللہ تعالیٰ کا  
سلام آیا تھا تو میں ننگے پاؤں بیٹھا تھا شاید اللہ تعالیٰ کو میری وہی حالت پسند ہو۔

ایک دفعہ پھر کسی نے پوچھا، آپ جوتا کیوں نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا، یہ زمین  
اللہ تعالیٰ کا فرش ہے اور اللہ کے فرش پر جوتے پہن کر چلنا کس طرح مناسب ہے!  
پروردگار عالم نے بھی اس علاقے کے جانوروں کو حکم دیا کہ راستہ میں پیشاب نہ  
کریں کہیں میرے بشر کا پاؤں پلید نہ ہو جائے۔

رات ڈھل چکی تھی اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب آسمان دنیا سے  
آٹھ سال کا بچہ رحمت کی آواز آتی ہے،  
هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ آخِرَ لَيْلَةٍ۔

ہے کوئی توبہ کرنے والا، میں اس کی توبہ قبول کروں، ہے کوئی  
استغفار کرنے والا میں اس کے گناہ معاف کر دوں۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا اچھا ترجمہ کیا ہے،

ہم تو نائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں  
راہ دکھلائیں گے رہرو منزل ہی نہیں

میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

چھلی راہیں رحمت ربی کرے بلند آوازہ  
بخشش مشن والیاں کارن گھلا ہے دروازہ

ایک فارسی شاعر فرماتے ہیں :۔

ہر کہ وقتِ صبح دم در یادِ حق بیدار نیست  
او محبتِ راہِ داند لائقِ دیدار نیست  
”جو صبح کے وقت اللہ کی یاد میں بیدار نہیں ہوتا وہ دیدار کے بھی لائق نہیں ہے۔  
اس کی حالت تو یہ ہے :

رخت را دزدے بُرد چوں پاساں بیدار نیست  
ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ رات ڈھل چکی تھی ایک صوفی نے سنا، دُور ایک آواز  
آ رہی تھی کوئی زار زار رو رہا تھا۔ صوفی نے قریب جا کر دیکھا تو ایک بچہ جس کی عمر بمشکل آٹھ  
سال ہوگی سر سجدے میں رکھے رو رہا ہے۔ صوفی نے اس کو پکڑ کر اٹھا دیا۔ اس بچے نے  
کہا، صوفی ! تُو نے بہت ظلم کیا ہے میرا وظیفہ ختم کر دیا میں آبادی سے دُور جنگل میں اسی لیے  
آ گیا تھا۔ صوفی نے کہا، میں نے تجھے اس لیے نہیں اٹھایا کہ تیرا وظیفہ ختم کر دوں بلکہ میں  
تو پوچھنا چاہتا ہوں کہ :۔

کتنوں ایسے دردِ یو نہیں دردا تو ایلا یارا

دس دکانِ اساتنتوں وی اوہ نہیں دلالِ ہمارا

اس بچے نے کہا : اے صوفی ! میں گھر بیٹھا دیکھ رہا تھا میری والدہ نے چولہے میں  
آگ جلائی اس نے بڑی بڑی لکڑیاں رکھیں مگر ان کو آگ نہ لگی۔ پھر میری والدہ نے  
ان کے ساتھ چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھ دیں۔ پہلے چھوٹی لکڑیوں کو آگ لگی اور پھر اس کے  
ساتھ بڑی لکڑیاں بھی جلنے لگیں۔ صوفی ! مجھے درد مل گیا میں نے سوچا کہ جب اللہ تعالیٰ  
ابولہب کو دوزخ میں بھیجے گا، ابولہب، ہامان، شداد، فرعون اور نرود کو پھینکے گا تو  
کہیں یہ نہ ہو کہ ان بڑے کافروں کو آگ نہ لگے اور اللہ تعالیٰ میرے جیسے چھوٹوں کو پکڑ کر  
ڈال دے۔

شہنشاہِ بعد از رضی اللہ عنہ  
نصفِ رات گزر چکی ہے اور نصفِ باقی ہے  
شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کوئی شخص

کعبۃ اللہ کی دیواروں کو پکڑ کر زار زار رو رہا تھا اور یہ لفظ کہتا تھا کہ ،  
 ”یا اللہ ! اگر میرے عمل تیری بارگاہ میں درجہ قبولیت تک نہیں پہنچے تو مجھے  
 قیامت کے دن تابینا کر کے اٹھانا تاکہ تیرے نیک بندوں کے سامنے  
 شرمسار نہ ہوں۔“

آپ فرماتے ہیں پوچھا گیا، آپ کون ہیں، اتنے درد کے ساتھ کیوں رو رہے ہیں؟  
 یہ لفظ ”کیوں“ کہتے ہیں رونے والے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ پوچھا کہ آپ کون ہیں؟  
 رونے والے نے کہا:

أَنَا عَبْدُ الْقَادِرِ الْجِيلَانِي۔

یہ غوث اعظم ہیں، ولیوں کے سردار ہیں، ادویاد کی گردنوں پر قدم ہے مگر راتیں یوں روتے  
 گزر جاتی ہیں۔ وَالَّذِينَ يَبْتِثُونَ لِلرَّبِّهِمْ تَجَدًُّا وَقِيَامًا

خواجہ عمر بن محمد شہاب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں  
 چالیس تابعی فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی جماعت تمام رات عبادت کرتی تھی یہاں تک  
 کہ تابعی حضرات کے بارے میں منقول ہے کہ وہ عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے۔  
 ان میں حضرت سعید بن مسیب، فضیل بن میاض، وہیب بن الورد، ابوسلیمان دارانی،  
 علی بن بکار، حبیب عجمی، کہس بن منہاں، ابو حازم، محمد بن منکدر اور امام ابو حنیفہ  
 رضی اللہ عنہم اجمعین شامل تھے۔

کسی نے ایک ولی اللہ سے دریافت کیا کہ شب قدر کی کیا نشانی ہے؟  
 سوال و جواب آپ نے فرمایا،

اے دست چہر پی ز شب قدر نشانی

ہر شب شب قدر است گرفت در بدانی

”اگر تجھے قدر ہے تو ہر شب شب قدر ہے۔“

تہذیب السالکین میں ہے کہ حضرت جریج ایک ولی اللہ تھے اللہ تعالیٰ  
 بجز بول اٹھا کے مقبول تھے۔ تمام رات اپنے عبادت خانے میں عبادت الہی میں



معروف رہتے۔ راتوں کی عبادتوں کا یہ اثر تھا کہ ان کے چہرے سے نور نکلتا نظر آتا تھا ایک دفعہ ان سے عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ رات کو نماز پڑھا کرتے تھے تو ان کی والدہ آئی اور آواز دی۔ حضرت جریج رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں سوچا کہ کیا کروں، ماں بکلا رہی ہے اور حالت نماز میں ہوں، والدہ چلی گئی، دوسرے دن بھی والدہ آئی تو عبادت کر رہے تھے۔ والدہ نے آواز دی۔ یہ پھر حیران ہوئے۔ دل میں کہا: یا اللہ! ایک طرف تیری عبادت ہے اور دوسری طرف میری والدہ ہے۔

آخر والدہ چلی گئی اور جاتے ہوئے ایک دعا مانگی کہ یا اللہ! موت سے پہلے جریج کو فاحشہ عورت کا منہ دکھا۔ ماں کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ فوراً قبول ہو گئے۔ اسی شہر میں ایک فاحشہ عورت رہتی تھی جس کو یہودیوں نے کہا کہ اگر تو جریج کو گناہ میں مبتلا کر دے تو تجھے دولت سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ اس نے کہا یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، میں نے بڑے بڑے زاہدوں کے زہد اور متقیوں کے اعتقاد کو بھسم کر کے زکوہ دیا ہے، جریج کو گناہ میں مبتلا کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔

چنانچہ وہ فاحشہ عورت بڑے دھڑلے اور اعتماد سے حضرت جریج کے پاس پہنچی۔ رات کا وقت تھا۔ آپ تمام رات نفل پڑھتے رہے۔ دو نفل ادا کیے، سلام پھیرا، دو پھر شروع کر دیے اور یونہی وہ تمام رات نفل ادا فرماتے رہے ایک دفعہ بھی نگاہ اٹھا کر اس فاحشہ عورت کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ عورت اپنی یہ بے عزتی برداشت نہ کر سکی۔ اس نے ایک چرواہے کو اپنے نفس پر قادر کیا، حاملہ ہو گئی، بچہ جنا اور مشہور کر دیا کہ یہ بچہ جریج کا ہے۔ لوگ حیران ہو گئے کہ وہ تو بہت بزرگ آدمی ہیں۔ مگر وہ فاحشہ تمام شہر میں پھرتی رہی اور یہی اعلان کرتی رہی۔ یہودی بہت خوش تھے۔ لوگوں نے جا کر حضرت جریج کا عبادت خانہ گرا دیا اور آپ کو پتھر مارنے لگے۔

جرایج نے کہا کیا بات ہے مجھے کیوں پتھر مارتے ہو؟ لوگوں نے کہا تو نے فاحشہ سے برائی کی اور یہ تیرا بچہ ہے۔ آپ نے لڑکے کے پیٹ پر انگلی ماری اور فرمایا: بلند آواز سے کہو کس کے بیٹے ہو؟ تمہارا باپ کون ہے؟

بچہ فوراً بول اٹھا کہ میں فلاں چروا ہے کا بیٹا ہوں۔  
 یہ حضرت جبریل رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے  
 بچے کو بولنے کی طاقت عطا فرمائی اور اپنے ولی کے قہر و قوت پر ہینرگاری کا ثبوت مہیا فرمادیا۔  
 وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

---

# ماہِ رجب کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى آلِهِ  
الْطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ الْمُهْدِيِّينَ  
أَمَّا بَعْدُ

فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَ  
الْفُرْقَانِ الْحَمِيدِ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ  
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ  
الْأَيْتَانِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (د)

”پاک ہے اپنے خاص بندے کو جو لے گیا رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ  
تک۔ مسجد جس کے ارد گرد ہم نے برکت فرمادی ہے تاکہ ہم اسے  
دکھائیں اپنی نشانیاں، بیشک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔  
حضرات! یہ مہینہ نہایت عظمت و برکت والا ہے اس کی ستائشیں شب کو حضور  
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی۔ پہلے اس آیہ کریمہ کی لفظی تشریح سماعت فرمائیے۔



سُبْحَنَ الَّذِیْ ۝ پاک ہے وہ ذات " اس عظیم واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پاکی سے شروع کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اس عجز سے پاک ہے کہ اپنے محبوب کو رات کے تھوڑے سے حقے میں ان بلندیوں پر نہ لے جاسکے۔ جو لے گیا اپنے خاص بندے کو " یہاں اللہ تعالیٰ نے اَسْرٰی بِعَبْدٍ ۝ اَسْرٰی فرمایا ہے کیونکہ اس لفظ سے تفریح اور مسرت و خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ عَبْدٌ ۝ پر جو لفظ "ب" ہے یہ مصاحبت کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ سیر کرانے والا سیر کرنے والے کے ساتھ ساتھ تھا۔ یہ معیت بے کیف تھی جو ادراک میں نہیں آ سکتی۔ "عبد" مضاف ہے "۝" کی طرف اور "۝" ضمیر متصل ہے گویا عبد اپنے معبود کی طرف تمام ہائل تھا اور معبود اپنے عبد کی طرف بالعامہ و اکرامہ "عبدہ" سے مراد عبد کامل ہے اور عبد کامل حضور علیہ السلام کی ذات پاک ہے۔ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں : ۝

عبدہ از فہم تو بالاترست  
زانکہ او ہم آدم و ہم جوہرست  
" اللہ کا بندہ تیرے فہم سے بالاتر ہے اس لیے کہ وہ آدمی بھی ہے اور اس کا جوہر بھی۔ "

جوہر او نے عرب نے اعجم است  
آدم است و ہم ز آدم اقدم است  
" اس کا جوہر نہ عرب سے وابستہ ہے نہ اعجم سے۔ وہ آدم ہونے کے باوجود آدم سے بھی بہت قدیم ہے۔ "

عبد دیگر عبدہ چیز ہے دگر  
ما سراپا انتظار او منتظر

”بندہ کچھ اور چیز ہے اور بندہ حق کچھ اور، ہم سراپا انتظار ہیں اور وہ منظر۔“

عبدہ با ابتداء بے انتہا سنت  
عبدہ را صبح و شام با کجا ست  
”بندہ حق کی ابتدا ہے مگر انتہا نہیں ہے۔ بندہ حق ہم جیسا صبح و شام  
نہیں رکھتا۔“

کس زیر غبده آگاہ نیست  
عبدہ جز سرِ اِلاّ اللہ نیست  
”کوئی شخص عبدہ کے صحیح راز سے آگاہ نہیں ہے۔ عبدہ کلمہ توحید کے  
سوا کچھ نہیں ہے۔“

لَا إِلَهَ تَبَخُّعٌ وَ دِمٌ اَوْ عَبْدُهُ  
فَاشْ تَرِ غَوَاهِي بُوَ هُوَ عَبْدُهُ  
”لَا إِلَهَ تَبَخُّعٌ ہے اور اس کی دعا عبدہ اور اگر تو اسے اور واضح کرنا چاہتا ہے  
تو کہہ ”هُوَ عَبْدُهُ“

بعض لوگ عوام کے ذہنوں میں ایک غلط قسم کا شبہ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان کا  
کہنا ہے کہ عبد اور نور ایک دوسرے کی ضد ہیں جو ”لایحتمان“ جمع نہیں ہو سکتیں جو  
نور ہو عبد نہیں اور جو عبد ہو نور نہیں ہو سکتا۔ یہ شبہ درست نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ  
کے تمام فرشتے نوری ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے،  
بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ

”بلکہ وہ عزت والے عبد ہیں۔“

غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو (جو بلاشبہ نوری ہیں) عبد فرمایا ہے۔

معلوم ہوا کہ نور اور عہد ایک دوسرے کی ضد نہیں۔ عہد عبادت کرنے والے کو کہتے ہیں اور عبادت میں نوری، ناری، خاکی، جمادات، حیوانات، نباتات شامل ہیں۔  
يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔

زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح یعنی عبادت کرتی ہے۔

”رات کو۔ حالانکہ یہ سیر اپنی خاص نشانیاں دکھانے کے لیے تھی۔ اور  
لَسْلَا دیکھنا اچھی طرح دن کو ہوتا ہے تو پھر رات کو سیر کیوں کرانی؟ اور پھر  
رات بھی ستائیس کی منتخب فرمائی، جس میں چاند نظر ہی نہیں آتا۔ مطلب یہ کہ نہ سورج کی روشنی  
میں اور نہ رات کی چاندنی میں بلایا۔ اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چاند اور  
سورج کی روشنی کے محتاج نہیں۔ تمام کائنات آپ کی محتاج ہے بلکہ تمام اُجالے اور روشنیاں  
حضور کے نور کا پر تو ہیں۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اسے  
کلیے کہ چرخِ فلک طورِ اوست  
ہم نور ہا پر تو نور اوست

بلکہ چاند اور سورج تو آپ ہی سے منور ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ  
فرماتے ہیں اسے

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَيَا سَيِّدَ الْبَشَرِ  
مِنْ وَجْهِكَ الْمُنِيرِ لَقَدْ نُورَ الْقَمَرِ  
لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهُ  
بعد از خدا بزرگ توئی ققہ مخمر

”مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ  
مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا یہ بعض احادیث میں  
آیا ہے کہ معراج کی ابتداء حطیم کعبہ سے ہوئی۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ اپنی چھاپازاد  
ہمیشہ اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرماتے تھے اور وہاں سے حطیم کعبہ میں آئے اور حطیم  
مسجد حرام کے اندر ہے۔ گویا کہ باقاعدہ معراج کی ابتداء مسجد حرام سے ہوئی ہے اِلَى الْمَسْجِدِ



الْأَقْصَا "مسجد اقصیٰ تک" پھر مسجد اقصیٰ سے ملاء اعلیٰ تک کا سفر قرآن کریم کے ستائیسویں پارے سورہ النجم میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اقصا بمعنی ہے "دور"۔ چونکہ وہ مسجد مکہ سے کالی دور ہے اس لیے اس کو مسجد اقصیٰ کہا جاتا ہے۔

الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ "وہ مسجد جس کے ارد گرد ہم نے برکت فرمادی ہے"۔ یہ مسجد تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا مرکز رہی ہے۔ اس کے آس پاس اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی برکت فرمائی ہے۔ حتیٰ برکت، باغات، سبزہ زار، آبادیاں، چشمے، فصلیں، حدنگاہ تک لکھاتے ہوئے کھیت ہی کھیت دکھائی دیتے ہیں اور روحانی برکتیں یوں کہ وہاں بے پناہ انبیاء کرام کے آثار و مزارات ہیں۔

لِنُزِيَةٍ مِنْ آيَاتِنَا "تاکہ دکھائیں ہم اسے اپنی نشانیاں"۔ یہ متعلق ہے "اسری" کے۔ یعنی سیر کیوں کرانی، تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔ گویا یہ سیر رائے رویت تھی۔ یہاں بعض حضرات کا یہ اعتراض ہے کہ مِنْ آيَاتِنَا میں لفظ مِنْ تبعین کے لیے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض نشانیاں دکھائیں تمام نہیں دکھائیں اس کا جواب یہ ہے کہ آیات مختلف تھیں بعض کا تعلق دیکھنے سے تھا اور بعض کا سُنے سے اور بعض کا چکھنے سے۔ تو جن آیات کا تعلق سُنے سے تھا وہ کل آیات کا بعض تھیں۔ اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ لفظ مِنْ تبعینہ نہیں بلکہ تفسیر ہے۔

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ "بیشک وہی سُنے والا دیکھنے والا ہے"۔ اس جگہ ائمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مراد، ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ہو سکتی ہے مگر اس ضمیر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مراد لینا زیادہ صحیح ہے۔ اس لیے کہ ضمیر کا اقرب کی طرف لوٹنا تا زیادہ انسب ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمیع بھی ہیں بصیر بھی ہیں۔

حضرات! یہاں تک تو اس آیت کریمہ کی لغتی تشریح تھی۔ اب واقعہ معراج معراج شریف کا پورا واقعہ سماعت فرمائیے۔

ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل رجب شریف کی ستائیسویں رات کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حجاز زاد ہمیشہ حضرت اُمّ بانی کے گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ جبریل

علیہ السلام پچاس ہزار فرشتوں کی جماعت اور جتنی براق لیے حاضر ہوتے ہیں۔ حضور اکرم  
محو استراحت ہیں۔ جبریل ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ اگر آواز  
دے کر جگایا تو یہ بے ادبی ہے۔ اور یہ : ۵

ادب گاہیت زیرِ آسماں از عرش نازک تر  
نفس گم کردہ می آید تنسید و بازیید ایں جا (عزت بخاری)

پروردگارِ عالم نے فرمایا،

يَا جَبْرِيلُ قَبِلْ قَدَمَيْهِ -

”اے جبریل! میرے محبوب کے دونوں پاؤں چوم لے۔“

حضرت جبریل امین نے اپنی کاغذی آنکھیں اور ہونٹ حضور علیہ السلام کے مبارک قدموں پر  
رکھ دیے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا،

اِنَّ اللّٰهَ اَشْتَاَقَ اِلٰى لِقَائِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

”اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کا مشتاق ہے۔“

آپ اندازہ فرمائیں کہ جس کے پاؤں کو بوسے دینے والا جبریل امین ہو جو تمام فرشتوں کا  
سردار ہے اور مشتاقِ ملاقات تمام کائنات کا خالق و مالک ہو اس کی شان کا اندازہ کون  
کر سکتا ہے۔

حضور بیدار ہوئے تو حضرت جبریل نے سواری پیش کی۔ یہ براق جنت میں  
براق پر سواری حضور کے عشق میں رو رہا تھا۔ جبریل نے شہزادِ براق دیکھے ہر براق  
آرزو رکھتا تھا کہ حضور کی سواری کے لیے مجھے منتخب کیا جائے۔ جبریل سوچ رہے تھے کہ  
کون سا براق لے جاؤں، ہر براق ایک دوسرے سے حسین ہے۔ اسی اثنا میں جبریل کی نظر  
ایک براق پر پڑی جو سر بھگائے زار و قطار رو رہا ہے۔ جبریل نے کہا کیوں رو رہا ہے؟  
آج تو اللہ کے محبوب کی آمد ہے۔ کائناتِ ارضی و سماوی کا ذرہ ذرہ جھوم رہا ہے۔ براق نے کہا،

غائب ہیں نہ چھوڑ کہ پھر بوشِ اشک سے  
بیٹھے ہیں ہم تہیتِ طوفاں کیے ہوئے

اور، ص

بیٹے میں ہم تصورِ جاناں کیے ہوئے  
 براق نے کہا میری منزل بھی وہی ہے جس کے باقی براق طالب ہیں۔ منزل ایک ہے  
 اور راستے دو۔ کوئی ہنس کر محبوب کو منالیتا ہے اور کوئی رو کر۔ میں اپنی منزل کو پانے کے لیے  
 رو رہا ہوں شاید میرا رونا ہی قبول ہو جائے۔ براق کا رونا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسند آگیا۔

۷

آواز آئی اسے جب سیلا ایہ فرمان پیا آؤندا اسے  
 میرے نبی لئی او ہو براق لے جا ہڑانگرے پیر و ہاؤندا لے  
 غزنی اور مصری شہنشاہ محمود غزنوی مدینہ پاک حاضر ہوئے۔ شاہی لباس اتار کر فقیرانہ  
 لباس پہنا۔ کاندھے پر پانی کی مشک اٹھائے ہوئے مخلوق خدا  
 کو پانی پلا رہے تھے کہ ایک شخص نے پہچان کر پوچھا کیا آپ غزنی کے شہنشاہ ہیں؟ محمود نے  
 کہا، شہنشاہ ہوں مگر غزنی میں، اس دربار میں تو شہنشاہ بھی فقیر ہوتے ہیں اور بادشاہ  
 بھی گدا ہوتے ہیں۔ جواب بڑا ہی پیارا تھا اسے بڑا ہی پسند آیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے  
 دیکھا کہ مصر کا شہنشاہ شاہی تاج اور لباس پہنے رُعب و دبدبہ سے آ رہا تھا اس شخص نے  
 بڑھ کر کہا، آپ نے اتنی جسارت کی، مدینہ پاک کی عاصری اور شاہی لباس۔ جو جواب مصر کے  
 شہنشاہ نے دیا وہ بھی سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ مصر کے شہنشاہ نے کہا، سوال  
 کرنے والے! مجھے یہ بتا کہ یہ شاہی تاج اور شاہی لباس کس ہستی پاک کا عطا کیا ہوا ہے۔  
 اسی آقا نے یہ تاج اور لباس بخشا ہے۔ لباس پہن کر حاضر ہوا ہوں تاکہ دینے والا اسے  
 اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

حضرات! محمود اور شہنشاہ کی منزل ایک تھی مگر راستے دو۔ یونہی اس براق نے کہا،  
 اے جبریل! منزل ایک ہے مگر راستے دو ہیں، کسی کا ہنسنا قبول ہوتا ہے اور کسی کا رونا۔  
 اس وقت حضرت جبریل نے اس براق کو خوشخبری سنائی کہ تمہیں حضور علیہ السلام کی سواری  
 کے لیے منتخب کر لیا گیا ہے، محبتِ رسول میں تمہارا رونا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسند آگیا ہے



تو براق کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس میں شُن آگیا جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

اس براق پر حبیب حضور علیہ السلام سوار ہوئے تو اس نے ذرا سی شوخی کی۔ جبریل نے غضب آلود نگاہوں سے دیکھ کر کہا، اے براق! تو شوخی کرتا ہے، جانتا نہیں کہ تجھ پر کون سوار ہے!

جبریل کی جھڑک سن کر براق پسینہ پسینہ ہو گیا، کہنے لگا: میں نے شوخی نہیں کی مجھے تو اپنی قسمت پر وجد آیا ہے، میں نے اپنے مقدر پر ناز کیا ہے، کہاں ہیں اور کہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے

کہتے مہر علی کہتے تیری ثنا،  
گستاخ اکھیں کہتے جا لڑیاں

ریاض الاذہار صفحہ ۲۰۹ میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے براق اُمت کی یاد پر سوار ہونے سے پہلے ذرا توقف فرمایا تو جبریل نے عرض کی: آقا! اس توقف کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا: میں سوچ رہا ہوں کہ آج میرے اُپر نوازشات کا خصوصی وقت ہے، ملائکہ میری خدمت کے لیے حاضر ہیں، جنتی براق میری سواری کے لیے موجود ہے، حشر کے دن میری اُمت کا کیا حال ہوگا، پھر اٹھ چو پچاس ہزار سال کی راہ ہے، بال سے باریک اور تلوار سے تیز ہے اور ہر ایک کو اس سے گزرنا ہے۔

وَرَأَى قَشْكُرًا لَا دَارَ دُهَا وَكَانَ عَلَى رَأْيِكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا

میری اُمت اس سفر کو کیسے طے کرے گی۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی گئی: "اے محبوب! آپ اُمت کا ہرگز فکر نہ کیجئے ہم آپ کی اُمت کو پلِ مراط سے یوں گزار دیں گے کہ انہیں معلوم نہ ہوگا۔"

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ حضور کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: اے

پل سے گزارو راہ گزر کو خبر نہ ہو  
جبریل پر بچانیں تو پر کو خبر نہ ہو

اس واضح بشارت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام براق پر سوار ہوئے۔ جبریل نے  
 رکاب تھامی، میکائیل نے لگام پکڑی، اسرافیل نے زین کو سنبھالا، پچاس ہزار فرشتوں کی  
 صلوٰۃ و سلام کی صداؤں سے فضا گونج اُٹھی۔ وہ بھی کیا سماں ہو گا۔ بلائے والا نور ہے،  
 سواری بھی نور ہے، سوار ہونے والا بھی نور، دولہا بھی نور، باراتی بھی نور ہے  
 کھڑے ہیں صفت بہ صفت حورو ملائک

انہیں دولہا بنایا جا رہا ہے  
 مرد و انجم بھی مدھم پڑ رہتے ہیں  
 نقاب رُخ اٹھایا جا رہا ہے  
 مرد و انجم نچاؤ رہے ہیں  
 کوئی نغمہ سا گایا جا رہا ہے

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد  
 فرماتے ہیں:۔

جو ہم بھی واں ہوتے خاکِ گلشن لپٹ کے قدموں لیتے اترن  
 مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے  
 کتنی بڑی حسرت اور کتنی بڑی آرزو ہے، وہ الفاظ کہاں سے لائیں جو یہ نور بھرا  
 سماں بیان کر سکیں۔

خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم  
 جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا ہے تھے  
 غبارین کر نثار جائیں کہاں اب اس رہگذر کو پائیں  
 ہمارے دل حوریوں کی آنکھیں فرشتوں کے پر جہاں بچے تھے

احادیث میں آتا ہے کہ براق کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی منہائے  
 براق کی رفتار نگاہ پر قدم رکھتا تھا۔ ہماری نگاہ کا یہ عالم ہے کہ جو نہی اوپر اٹھائی  
 آن کی آن میں سورج، چاند اور ستاروں تک جا پہنچی۔ یہ کرۂ ارض سے کروڑوں

میل دور ہیں۔ ہم خاک کی ہیں اور ہماری آنکھوں میں تھوڑا سا نور ہے اور جو مجسم نور ہے اس کی نگاہ کا کیا عالم ہو گا! گریا وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا میزائل تھا جو سارا سفر آن کی آن میں طے کر گیا۔ آج روس اور امریکہ کے بنائے ہوئے راکٹ اور میزائل ہزاروں میلوں کا سفر منٹوں میں طے کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ستیارتہ یہ سفر اتنی بلندی طے کر جائے تو کیا بعید ہے!

بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء ہماری ہی طرح بشر تھے۔ چنانچہ مولوی لطیف اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب "تقویۃ الایمان" میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء و اولیاء ہماری ہی طرح بشر تھے۔ آیا انبیاء ہماری مثل بشر تھے یا نہیں؟ یہاں اس مسئلہ پر بحث موضوع سے غیر متعلق ہوگی۔ اس جگہ ایک لطیفہ عرض ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ براق "برق" سے لیا گیا ہے اور برق کا معنی ہے بجلی۔

قرآن کریم میں ہے:

يَكَادُ الْبَرَقُ يَخْلُفُ ابْنَادَهُمْ۔

"قریب تھا کہ بجلی ان کی نگاہوں کو اچک لیتی۔"

برق کا معنی بجلی، اور عربی زبان میں ہے کہ زبیر یَا دَہُ لِّلْفَظِ شَدَّ عَلَى زبیر یَا دَہُ الْمَعْنَى الْفَاظُ کا زیادہ ہونا معنی کی زیادتی پر دلالت کرتا ہے۔ یونہی لفظ براق بجلی کے معنی کی زیادتی مراد ہے۔ وہ حضرات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنے دعوے کی سچائی کے لیے بجلی کی نیکی تار کو صرف ایک بار ہی ہاتھ لگادیں ان شاء اللہ مسئلہ حل ہی نہیں ختم ہو جائے گا۔

موسم بہار آگیا، اطراف میں نور پھیلتا چلا گیا۔ سید عالم روانگی جلوس صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری نہایت شان و شوکت سے ملائکہ کے جلوس میں مسجد حرام سے نکلی۔ کسی شاعر نے کیا خوب نقشہ کھینچا ہے۔ لکھا ہے،



باغِ عالم میں بادِ بہاری چلی  
سرورِ انبیا کی سواری چلی  
یہ سواری سوتے ذاتِ باری چلی  
ابرِ رحمت اٹھا آج کی رات ہے

طورِ چوٹی کو اپنے جھکانے لگا  
چاندنی چاند ہر سو دکھانے لگا  
عرش سے فرش تک جگمگانے لگا  
رنگِ صبح صفا آج کی رات ہے

برق سے تیز تر ہے براقِ آپ کا  
کیونکہ خالق کو ہے اشتیاقِ آپ کا  
اب نہیں دیکھا جاتا فراقِ آپ کا  
جلد چلنا روا آج کی رات ہے

جذبِ حق طلب آج کی رات ہے  
دائیں بائیں فرشتوں کی ہارات ہے  
سر پہ نورانی سرے کی کیا بات ہے  
شاہِ دُلہا بنا آج کی رات ہے

عطرِ رحمت فرشتے چھڑکتے چلے  
جس کی خوشبو سے رستے مہکتے چلے  
چاند تارے جلو میں چمکتے چلے

کمکشاں زیرِ پا آج کی رات ہے

آسمانوں کے دریچے کھول دیے گئے تاکہ ملا اعلیٰ کی دنیا بھی حضور علیہ السلام کے  
جلوس کے دیدار سے مشرف ہو سکے۔ سیرتِ حبیبیہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت  
سوموار کو ہوئی، بعثت اور معراج بھی سوموار کو ہوئی۔ سوموار کو ہی مدینے پہنچے اور وصال

بھی سو مارا کو ہوا۔

زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ۶ صفحہ ۳۹ میں ہے کہ ابتدائے سفر میں مدینہ منورہ چند لمحوں بعد ایک وادی آئی جس میں کجور کے بے شمار درخت تھے۔ جبریل نے عرض کیا، حضور! یہاں اتر کر دو رکعت نفل ادا کریں۔ آپ کی ہجرت گامدینہ طیبہ ہے پھر ایک وادی سے گزر ہوا، جبریل نے عرض کیا، یہ وادی ایمن ہے وادی ایمن جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام بخشا ہے

کلیم بر جبل طور اعتبار گرفت      مسیح بر فلک چہارم قرار گرفت  
غلام ہمت آنم کہ فوق کون و مکاں      براق عزم دوا بند و دست یار گرفت  
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے سرخ ٹیلہ میں معراج کی رات ایک سرخ ٹیلے سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہاں دوسوال پیدا ہوتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ کیا عالم برزخ میں بھی آدمی عبادت کے لیے مکلف ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں کی عبادت مکلف کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف لذت عبادت کے حصول کے لیے ہے۔ نیز علماء محققین نے فرمایا ہے کہ یہ عبادت انبیاء کا خاصہ ہے۔ امام عبد الوہاب شعرائی منہ الملة صفحہ ۱۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

وَقَدْ صَحَّحْتُ الْأَحَادِيثَ أَنَّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ  
يُصَلِّيُ بِأَذَانٍ وَاقَامَةٍ كَمَا أَخْبَرَ بِذَلِكَ فِي حَقِّ مُوسَى وَغَيْرِهِ  
مِنَ الْأَنْبِيَاءِ لَيْسَ الْمَعْرَاجُ -

”صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر انور میں زندہ ہیں اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں جس طرح آپ نے موسیٰ علیہ السلام کی خبر دی ہے معراج کی رات۔“

دوسرا سوال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جب اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے

تو مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام میں کیسے شامل ہونے اور اتنی جلدی چھٹے آسمان پر کیسے پہنچ گئے؛ اس کا جواب یہ ہے کہ مومن علیہ السلام بیک وقت اپنی قبر میں بھی تھے اور مسجد اقصیٰ میں بھی اور چھٹے آسمان پر بھی۔ اور یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ انبیاء بیک وقت کئی مقامات پر موجود ہو سکتے ہیں اس کے لیے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے تو انوار الحنین میں یہاں تک لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ جو بخبری المجذوب کے نام سے مشہور تھے بیک وقت تیس مختلف شہروں میں نماز جمعہ میں موجود تھے۔

دیکھتے ہی دیکھتے بیت المقدس آیا وہاں آدم علیہ السلام سے لے کر انبیاء کی امامت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء اور رسول صغیر باندھ کر کھڑے تھے اور انتظار کر رہے تھے، مصلیٰ خالی تھا۔ بیوں کے سردار مصطفیٰ پر جلوہ افروز ہوئے۔ پیرل نے مقام صخرہ پر اذان پڑھی۔ سبحان اللہ! جس نماز کا مؤذن فرشتوں کا سردار اور امام تمام رسولوں کا سردار ہو اور مقتدی حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام ہوں اس نماز کی شان کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔

نماز کیوں پڑھائی مسجد اقصیٰ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انبیاء کی امامت کیوں فرمائی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سب مخلوق سے پہلے پیدا فرمائے گئے اور تمام انبیاء سے آخر تشریف لائے۔ خیال ہو سکتا تھا کہ آخر میں آنے والا شاید مرتبے میں بھی آخر ہو۔ مسجد اقصیٰ میں حضور تمام انبیاء کے آگے موجود تھے تاکہ کائنات دیکھ سکے کہ پہلے آنے والا آگے اور آگے آنے والے پیچھے موجود ہیں۔ تاکہ ثابت ہو سکے **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ**۔

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں: اے

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر  
وہی فرقاں وہی قرآن وہی سیس وہی طلا  
وہ دانائے بل ختم الرسل مولا سنے کل جس نے  
خبارِ راہ کو بخشا سر و رخ وادی سینا



حضرت شیخ عبدالحی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۱۱ میں فرماتے ہیں  
کہ آیہ کریمہ **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ**  
محمد بھی ہے اور نعت بھی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

نمازِ اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہر معنی اقل آخر  
کہ دست بستہ ہیں جیسے حاضر جو سلطنت آگے کر گئے تھے  
تبارک اللہ ہے شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی  
کہیں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے  
نزدتہ المجالس میں ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے  
حبیب اور کلیم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا،

**أَنَا كَلِيمُكَ وَمُحَمَّدٌ حَبِيبُكَ فَمَا الْفَرْقُ بَيْنَ الْكَلِيمِ وَالْحَبِيبِ۔**

”میں تیرا کلیم ہوں اور محمد مصطفیٰ تیرے حبیب ہیں۔ کلیم اور حبیب میں کیا فرق ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

**أَلْكَلِيمُ يَأْتِي عَلَى طُورٍ سَيْنَا ثُمَّ يَنَازِحُ۔**

”کلیم وہ ہے جو خود طور پر آئے اور عرض کرے: یا اللہ! میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

تو میں کہہ دوں:

**لَنْ تَرَانِي۔** تم نہیں دیکھ سکتے۔

اور **الْحَبِيبُ يَنَامُ عَلَى فِرَاشِهِ** اور حبیب وہ ہے جو اپنے بسترِ آرام پر آرام فرما ہو اور

میری طرف سے وصال کے تقاضے ہو رہے ہوں اور جبریل عرض کرے،

**إِنَّ اللَّهَ أَشْتَقُّ رَأْيَ لِقَائِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔**

”اے اللہ! میں تو وہ جوشِ لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے“

مُدرا فرق یہ ہے،

**أَلْكَلِيمُ يَعْمَلُ بِرِضَاءِ مَوْلَاهُ۔**

کَلِیمُ وہ ہے جو اپنے مولا کی رضا پر عامل ہو یعنی جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اس پر عمل کرنا  
کَلِیمُ کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اور حبیب کی شان یہ ہوتی ہے کہ،

يَعْمَلُ مَوْلَاہُ بِرِضَائِہِ۔

”مولا اس کی رضا چاہتا ہے۔“

یعنی جو حبیب کی رضا ہو اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے،  
وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ مَوْلَاكَ فَاَرْضَی۔

الحضرت قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں،

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم  
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

اجتماع جسمانی یہاں یہ امر پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ مسجد اقصیٰ میں جو نماز حضور  
علیہ السلام نے پڑھائی اور انبیاء کرام مقتدی تھے یہ روحانی نہیں  
جسمانی نماز تھی یعنی تمام انبیاء اپنے جسموں کے ساتھ موجود تھے۔ ملاحظہ فرمائی قاری علیہ الرحمۃ اپنی  
کتاب ”مرقات“ جلد ۵ صفحہ ۴۳۰ میں فرماتے ہیں،

”نماز کے افعال مختلفہ قیام، رکوع، سجود، قعدہ وغیرہم جسم کے ساتھ ہی  
ادا ہو سکتے ہیں صرف ارواح یہ ارکان ادا نہیں کر سکتے۔“

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معراج جسمانی تھا۔ حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ  
عنہا کا یہ قول،

مَا فَقَدْتُ جَسَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

”میں نے حضور کے جسم مبارک کو گم نہیں پایا۔“

اس معراج کے متعلق نہیں ہے کیونکہ اس وقت آپ حضور علیہ السلام کے گھر حاضر نہیں  
ہوئی تھیں۔ یہ معراج مکہ میں ہوئی اور آپ کی رخصتی مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔ یہ قول کسی  
اور معراج کے متعلق ہے جو روحانی تھا۔ حضور علیہ السلام کو چھپیں معراج روحانی بھی ہو گئیں

ان سے کسی کا ذکر ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج جسمانی پر بے شمار دلائل ہیں۔  
مسجد اقصیٰ سے فراغت کے بعد بلندی کا سفر شروع ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ  
عروج علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثُمَّ عُرِجَ بَنِي

”پھر مجھے اوپر لے جایا گیا۔“

یہ سماں بھی بڑا عجیب تھا۔ اب لانکہ کے ساتھ تمام انبیاء بھی صلوٰۃ و سلام میں مصروف تھے  
حضور علیہ السلام کا براق اس شان سے بلندی کی طرف بھڑکا ہوا ہے  
جذبِ حسن طلب ہر قدم ساتھ ہے دائیں بائیں فرشتوں کی بارات ہے  
سر پہ نورانی سہرے کی کیا بات ہے شاہِ دولہا بنا آج کی رات ہے  
طور پہ رفعت لا مکانی کہاں لن توافی کہاں من توافی کہاں  
جس کا سایہ نہیں اس کا ثانی کہاں اس کا اک معجزہ آج کی رات ہے  
آنکھ بھپکنے میں آسمانِ اول آگیا۔ جبریل نے دروازہ کھٹکھٹایا  
نبیوں سے ملاقات دربان نے کہا: کون ہیں؟ کہا: جبریل۔ دربان نے کہا:  
مَنْ مَقَعَكَ تَهَارے ساتھ کون ہے؟ جبریل نے کہا: محمد (علیہ السلام) دربان نے  
کہا: مرجا اوروازے انہی کے لیے کھولے جائیں گے۔

آسمانِ اول پر حضرت آدم علیہ السلام نے آپ کو خوش آمدید کہا۔ دوسرے آسمان  
پر پہنچے تو وہاں آپ کو یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام نے معراج کی مبارکباد دی۔ تیسرا آسمان  
آیا تو یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ چوتھے آسمان پر گئے تو حضرت ادریس علیہ السلام  
نے خوش آمدید کہا۔ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے پر حضرت موسیٰ  
علیہ السلام، ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مبارکبادیاں وصول کرتے ہوئے  
سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے۔

سدا پر جبریل کی عرض یہاں پر پہنچ کر حضرت جبریل امین علیہ السلام  
نے عرض کی:



اگر ایک سرِ مومن برتر پر  
 فروغِ تجسلی بسوزد پر  
 اگر میں ایک بال بھی آگے بڑھ جاؤں تو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات میرے  
 پروں کو جلا کر رکھ دیں گے یہ میرا مقام انتہا ہے۔

معارض النبوة میں تلامعین کا شفقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس وقت حضرت  
 ایک یار ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جا رہا تھا تو جبریل علیہ السلام نے حاضر  
 ہو کر عرض کیا میں خادم کی حیثیت سے حاضر ہوا ہوں کوئی حکم ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:  
 اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا۔ تیرے ساتھ کوئی حاجت نہیں؟  
 جبریل امین نے عرض کیا تو پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیجئے مجھے آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔  
 خلیل اللہ نے فرمایا: ہ

جاننا ہے وہ ہر رب جلیل  
 آگ میں پڑتا ہے اب اس کا خلیل

پھر جبریل نے کہا کوئی اور پیغام دیجئے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچا دوں، میں وہاں  
 جاسکتا ہوں جہاں نہ کوئی نبی، نہ رسول اور نہ فرشتہ جاسکتا ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی  
 حضوری میں بڑا ہی قریب ہوں۔

جبریل اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی اس گفتگو کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 بصورت نور حضرت خلیل اللہ کی پیشانی میں مشاہدہ فرما رہے تھے۔ آج جب جبریل نے عرض کیا  
 میں اس سے آگے نہیں جاسکتا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا: جبریل! تو نے میرے دادا  
 حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو کہا تھا کہ میں وہاں جاسکتا ہوں جہاں کوئی بھی نہیں جاسکتا۔ دیکھ  
 آج میں وہاں جا رہا ہوں جہاں تو بھی نہیں جاسکتا۔ کوئی پیغام دیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی  
 بارگاہ تک پہنچا دوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا اَرْسَلْنَكَ شَاهِدًا۔

”اے محبوب! ہم نے آپ کو مشاہدہ فرمانے والا بنا کر بھیجا۔“

یہ حقیقت دلائلِ براہین سے ثابت ہے کہ تخلیقِ کائنات سے لے کر تاقیامِ قیامت ایک ایک ذرہ حضور علیہ السلام کے پیشِ نظر ہے اور آپ مشاہدہ فرماتے ہیں۔  
حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا، حضور! مجھے اس کی منظوری دلا دیجئے کہ جب آپ کی امت پلِ صراط سے گزرنے والی ہو تو میں اپنے پیوں کو بچاؤں اور آپ کی امت ان کے اوپر سے گزر جائے۔

پکصراط کا منظر بھی عجیب ہوگا، جبریل کے پر پچھے ہوں گے، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما رہے ہوں گے۔

مَا يَسْتَلِمُ أُمَّتِي رَبِّ سَلَامٌ أُمَّتِي۔

یا اللہ! میری امت کو سلامتی سے گزار دے۔

رضا پل سے اب وجد کرتے گزرے

کہ ہے دُت سَلَامٌ صَدَائِعِ مَسَد

مقامِ سدرہ کے قریب حضور علیہ السلام نے اونٹوں کی قطاریں اونٹوں کی قطاریں دیکھیں جو دُور تک گزرتی نظر آئیں۔ آپ نے جبریل کو کہا یہ اونٹ کیسے ہیں، ہر ایک کی پشت پر صندوق رکھے ہیں۔ حضرت جبریل نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میری پیدائش سے پہلے یہ قطاریں گزر رہی ہیں مجھے ان کا کوئی علم نہیں۔ ان کے اسرار کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ حضور نے فرمایا، بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر اس کا قفل کھولو۔ جبریل نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر صندوق اتارا، پھر قفل کھولا تو دیکھا کہ وہ صندوق اندوں سے پُر تھا، ہر انڈے کو قفل لگا ہوا تھا، پھر جبریل نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر قفل کھولا تو اندا خشخاش کے دانوں سے بھرا ہوا تھا، ہر دانے پر قفل لگا ہوا تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر قفل کھولا تو اندر ایک جہان آباد تھا، ایک بہت بڑا شہر، ایک عظیم الشان اجتماع۔ ایک مقرر تقریر کر رہا تھا کہ زمین پر پانی ہے اس پانی پر مٹی کا ایک تودہ ہے۔ اس تودے پر نبی آخر الزماں نے اعلانِ نبوت فرمادیا ہے جب تک ہم ان پر ایمان نہیں لائیں گے ہماری نجات نہیں ہو سکتی۔ جبریل نے فوراً اٹھ کر کہا کہ میں جبریل ہوں اور یہ میرے ساتھ

نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی وقت ان تمام نے کلمہ پڑھا اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ پھر جبریل نے اسی طرح قفل بند کر دیے اور قطاریں چلتی رہیں۔ (درہم حقی ص ۱۷۱)  
اس واقعہ کو حضرت اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شاہ حمزہ ماریہروی علیہ الرحمۃ نے اپنی ثنوی میں یوں رقم کیا ہے:

در شب معراج دیدہ مصطفیٰ صد ہزاراں اشتراں بے انتہا  
سے روند ایشان قطار اندر قطار لا نہایت روز و شب بے انتظار  
ہست دو صندوق ہر باب شتر یک ازیں سو دیگر آں سو سر بسر  
کرد از جبریل استفسار شاہ چسیت این راز نہاں برگورہ راہ  
جبریلے گفت اسے شاہ جہاں من نمی دانم چہ اسرار ست آں  
آں زماں کہ کرد پیدا حق مرا ہم چنیں می بنم این حالت و را  
روز و شب این اشتراں صندوق بار بے نہایت می روند اندر قطار

نہایت ماریہ از وجود شاہاں خبر

راز حق را گئے بدانم زیں گذر

یہاں لا تعداد روایات ہیں جو اختصار کے پیش نظر بیان نہیں ہو سکتیں۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام براق سمیت رہ گئے۔ اعلیٰ حضرت  
سدرہ سے آگے فرماتے ہیں:۔

تھکے تھے روح الامیں کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو

رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

معارج النبوت ص ۱۵۲ میں ہے:

”پس آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ من تنہا رواں و جابہا قطع می کردم تا

ہفتاد ہزار حجاب بگوشتم کہ ہر حجابے پانصد سالہ راہ بود ما بین ہر دو حجابے

پانصد سالہ راہ بود روایتے آنست تا آنجا کہ براق مرکب بود چوں اینجا رسید

براق بماند و آنگہ رفرت سبز ظاہر شد کہ ضیائے او بر ضیائے آفتاب غالب آمدہ“



”پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اکیلا روانہ ہوا اور بہت سارے حجاب ٹکے  
یہاں تک کہ ستر ہزار حجابوں سے گزرا، ہر ایک حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کی  
راہ تھی اور دونوں حجابوں کا فاصلہ پانچ سو برس کا تھا۔ ایک روایت ہے  
کہ حضور علیہ السلام کی سواری براق یہاں پہنچ کر رُک گیا۔ اس وقت سبز رنگ کا  
رفرف ظاہر ہوا جس کی روشنی سورج کی روشنی کو ماند کر رہی ہے۔“

آپ اس رفرف پر سوار ہوئے اور چلتے رہے یہاں تک کہ عرش کے پایہ تک پہنچ گئے پھر وہ  
جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ گری تھی سجدے میں بزمِ بالا  
یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا تھا وہ گردِ قربان ہو رہے تھے

مواہب لدنیہ صفحہ ۲۴ میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام  
عرش نے دامن تھا ما عرش کے قریب پہنچے تو تَمَسَّكَ الْعَرْشُ بِأَذْيَالِهِ  
عرش نے آپ کے دامن کو تھام لیا۔ آپ عرش پر متمکن ہوئے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ  
فرماتے ہیں :۔

وہی لامکاں کے میکیں ہوئے سرِ عرشِ تخت نشیں ہوئے  
وہ نبی کہ جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں  
۔ آگے حجابات ہی حجابات تھے، تمام پردے اٹھا دیے گئے۔  
سلسلہ حجابات آخر ایک مقام آیا جہاں ۔

سراغِ این و منی کہاں تھا نشانِ کیفِ والی کہاں تھا  
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سب منزل نہ مرے تھے  
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى۔ (سورہ نجم)

اُٹھے جو قصرِ دنی کے پرے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے  
وہاں تو جا ہی نہیں دُور کی فکر کہ وہی نہ تھے ارے تھے  
خود سے کہہ دو کہ سر جھکا لے کہاں سے گزرے گزریا لے  
پڑے ہیں یاں خود بہت کو لے کے بتانے کہ مر گئے تھے

سفر شروع رہا ایک محبت بھری صدا آ رہی تھی "اَدُنْ مِیْنِ" قریب  
اَدُنْ مِیْنِ آئیے۔

بڑا اے محمد قریب ہوا حسد قریب آسور مجد  
نثار بادوں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا منے تھے  
مقام دُنا سے گزرے تو مقامِ فتدنی پر پہنچے، وہاں سے گزرے تو  
مقامات قَابِ قَوْسِیْن پر فائز ہوئے پھر اَوْدَیْن پر۔ اَدُنْی اسم تفضیل ہے  
یعنی قربت میں بہت زیادتی۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۶۸ میں ہے حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں،  
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُيْتُ دَرِي فِي أَحْسَنِ  
صُورَةٍ فَوَضَعُ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَوْدَهَا بَيْنَ شَدْيِيئِي  
فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. (مختصاً)

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو حسین صورت میں  
دیکھا پھر اس نے میرے دونوں کانڈھوں کے درمیان اپنا یدِ قدرت رکھا  
اس سے میں نے اپنے سینے میں ٹھنڈک پائی اور زمین و آسمان کی ہر چیز کو  
جان لیا۔"

اس حدیث پاک سے دو باتیں بالکل واضح طور پر ثابت ہو گئیں،

۱۔ معراج کی رات حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی زیارت کی۔ اس بات پر  
تقریباً علماء امت کا اجماع ہے کہ حضور علیہ السلام معراج کی رات ظاہری آنکھوں سے دیدار الہی  
سے مشرف ہوئے۔

مواہب لدنیہ جلد دوم صفحہ ۳۴ میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں  
کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو شرفِ خلعت، موسیٰ علیہ السلام کو شرفِ تکلم اور محمد مصطفیٰ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو شرفِ دیدار سے مشرف فرمایا۔

علامہ اسمعیل حنفی علیہ الرحمۃ تفسیر روح البیان جلد اول صفحہ ۵۴ میں فرماتے ہیں،

وَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَدْعُوا الْكَرِيمَ كَرِيمًا إِلَى دَارِهِ وَيُضَيِّفُ  
حَبِيبًا حَبِيبًا فِي قَصْرِهِ ثُمَّ يَسْتَرْعِنَهُ وَلَا يُؤَيِّدُ وَجْهَهُ -  
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کریم کریم کو اپنے گھر بلائے اور دوست دوست کی ضیافت  
کے لئے خود اس سے پھپھپ جائے اور چہرہ تک نہ دکھائے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۳، ایسے فرماتے ہیں:  
”عجب است کہ دران مقام ببردند و در خلوت خاص آردند و با علی مطلب  
واقفی مسألت کہ دیدار است مشرف نہ گردانند“۔

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوہ صفات تو عین ذات می نگری در تبستی  
ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید

سرت ز دُنیٰ از زبان او چکید

۲۔۔۔۔۔ یہ کہ کائناتِ ارضی و سماوی کی کوئی چیز حضور علیہ السلام سے پوشیدہ

نہیں اس کے لیے قرآن کریم اور حدیث پاک کے بے شمار دلائل ہیں۔

اُمت کی یاد قربِ خاص میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازگاہِ الہی میں عرض کیا:

۔

شاہ نے کی عرض اُمت گہنگار ہے بخش دے میرے مولا تو غفار ہے

تجہ کو آساں، نہیں دشوار ہے، فکرِ روزِ حسنا آج کی رات ہے

پھر یہ حق نے کہا ماہِ پارے نبی تو میرا چاند ہے اور تارے نبی

ایسا گہرا نہ اسے میرے پیارے نبی ایسی جلدی ہی کیا آج کی رات ہے

لطف جب ہے کہ دیکھیں گے سارے نبی ہوگی تیری شفاعت یہ رحمت بری

بخش دوں گا قیامت میں امت تری تجھ سے وعدہ میرا آج کی رات ہے

لینے والے نے کیا لیا اور دینے والے نے کیا دیا، کوئی نہیں جان سکتا۔ اس سے بڑی اور

کیا نعمت ہو سکتی ہے کہ خود اپنے دیدار سے مشرف فرمایا۔

اُمت کے لیے معراج اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُمت کے لئے



عطا فرمایا اور وہ معراج ہے نماز۔ اَلصَّلٰوةُ مَعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ "نماز مومن کے لیے معراج ہے۔" پچاس نمازیں اور چھ ماہ کے روزے ملا کیے گئے۔ حضور علیہ السلام واپس آئے تو راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی امت اتنی نمازیں نہیں پڑھ سکے گی واپس جائیے اور کم کرائیے۔ حضور علیہ السلام پھر بارگاہ الہی میں پہنچے تو پانچ معاف ہو گئیں۔ واپس آئے تو پھر موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ابھی بہت زیادہ ہیں پھر جائیے۔ جاتے رہے اور آتے رہے، پانچ پانچ کم ہوتی رہیں، آخر پانچ رہ گئیں اور ایک ماہ کے روزے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے محبوب! یہ خیال نہ کرنا کہ نمازیں کم کی ہیں تو ثواب بھی کم کر دیا ہے جو پانچ پڑھے گا ثواب پچاس کا پانے گا۔ مَنْ جَاءَنَا بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا "جو ایک نیکی کرے اس کے بدلے دس ہوں گی۔"

ایک سوال جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں نمازیں پانچ ہی رہ جائیں گی تو پہلے پچاس کیوں عطا فرمائیں؟ اس کے جواب کے لیے صرف اتنا سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ پروردگار عالم یہ چاہتا تھا کہ میرے حبیب کو بار بار معراج ہو اور موسیٰ علیہ السلام کا کام بھی ہوتا رہے۔ موسیٰ وہ آنکھیں دیکھتے ہی رہیں جو محبوب حقیقی کو دیکھ کر آہری ہوں۔ ایک پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:۔

جنتاں اکھیاں نے دلبر ڈٹھا اوہ اکھیاں تک لیاں  
توں بلیوں تے ساجن رلیا ہن آساں لگ پٹیاں

تین طرح کے علوم شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج حضور علیہ السلام کو تین طرح کے علوم عطا فرمائے۔ ایک وہ علم تھا جس کے متعلق یہ ارشاد تھا کہ یہ آپ کے لیے خاص ہے آپ کے علاوہ کوئی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ دوسرا علم ایسا عطا ہوا جس کے متعلق اختیار دیا گیا جسے مستحق سمجھیں جتنا چاہیں عطا کر دیں۔ تیسرا علم وہ ہے جس کو کائنات کے نیے عام فرمایا۔ اس حقیقہ کا یہ عالم ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ حضور نے تشنہ تکمیل نہیں چھوڑا۔ اس کا تعلق اقتصادیات سے ہو یا معاشیات سے، عبادات ہوں یا معتقدات، ہر بات کے لیے

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اشارات موجود ہیں۔

تین تین تحفے تین باتیں حضور علیہ السلام نے عرض کیں التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ  
وَالطَّيِّبَاتُ۔ تین اللہ نے فرمائیں السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ  
وَرَحْمَتُهُ وَبَرَكَاتُهُ۔ حضور علیہ السلام نے اس سلام، رحمت اور برکت میں اپنی امت کو  
شامل کرتے ہوئے فرمایا، السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ۔

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲ میں اور  
واپسی علامہ اسماعیل حقی تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۴۰۴ میں فرماتے ہیں:  
جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس آنے کو زنجیر ابھی ہل رہی تھی،  
بستر گرم تھا اور وضو کا پانی بہہ رہا تھا۔

ہر مراد دل حق سے ملتی رہی واپس آنے کی دل کی کھلتی رہی  
بستر گرم زنجیر ملتی رہی یہ عجب معجزہ آج کی رات ہے  
اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں اسے

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے  
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آنے تھے  
اللہ تعالیٰ نے حضور کے معراج سے واپس ہونے کی قسم اٹھائی ہے:

وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ ۖ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۚ وَمَا يَنْطِقُ  
عَنِ النَّهْوَىٰ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذُو خُبْرٍ ۚ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۖ  
ذُو مِرَّةٍ ۖ فَاسْتَوَىٰ ۖ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ۚ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ۚ  
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۚ فَأَوْخَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْخَىٰ ۚ مَا كَذَبَ  
الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۚ أَفَتَسْمُرُونَ عَلَىٰ مَائِرِي ۚ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً  
أُخْرَىٰ ۚ وَهَذِي سِدْرَةُ الْمُنْتَهَىٰ ۚ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۚ إِذْ  
يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۚ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۚ لَقَدْ رَأَىٰ  
مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ۚ



اُس چمکتے پیارے تارے محمد کی قسم حبیب یہ معراج سے اترے تمہارے صاحب  
 نہ بکے نہ بے راہ چلے اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتے وہ تو نہیں  
 مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور  
 نے۔ پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمان بریں کے سب سے بلند کنارے  
 پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا پھر خوب اتر آیا تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو  
 ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو  
 وحی فرمائی۔ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے  
 پر جھگڑتے ہو اور انہوں نے تو وہ جلوہ دوبارہ دیکھا سدرۃ المنتہی کے پاس۔  
 اس کے پاس جنت الماوی ہے جو سدرہ پر چھارہا تھا آنکھ نہ کسی طرف  
 پھری نہ حد سے بڑھی بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔

تصدیق کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اس کا ذکر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اُتم ہانی سے  
 مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں حق بات کرنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا چاہے کوئی  
 تصدیق کرے یا نہ کرے۔ ابو جہل نے یہ واقعہ سنا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور  
 کہا کیا تُو نے یہ سنا ہے محمد کیا کہتے ہیں؛ کیا یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اتنی جلدی  
 بیت المقدس اور آسمانوں کا سفر طے کر لیا جائے۔ صدیق اکبر نے فرمایا تسلیم تو نہیں کی جاسکتی مگر  
 لَئِنْ قَالَ لَصَدَقَ اگر میرے آقا نے فرمایا ہے تو ضرور سچ فرمایا ہے ان کی زبان پر جھوٹ نہیں آسکتا۔  
 عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ

ابو جہل نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ کیا آپ یہ بات پوری قوم کے سامنے بھی  
 قافلے کہنے کے لیے تیار ہیں؛ آپ نے فرمایا: بے شک۔ ابو جہل نے کفار کو بلایا جب  
 تمام قبائل جمع ہو گئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے  
 سائیاں بجائیں اور تمسخر اڑایا۔ ایک کافر نے کہا ہمیں معلوم ہے کہ آپ آج تک بیت المقدس  
 نہیں گئے۔ بتائیے اس کے ستون اور دروازے کتنے ہیں؛ فوراً جبریل نے بیت المقدس



حضور کے سامنے کر دیا اور حضور نے ستون، دروازے شب بتا دیے۔ کفار نے کہا ہو سکتا ہے کسی سے سن کر یاد کر لے ہوں کوئی ایسی بات بتاؤ جو نئی ہو۔ ایک کافر نے کہا ہمارے تجارتی قافلے آنے والے ہیں۔ کیا آپ نے انہیں راستے میں کہیں دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ تین قافلے دیکھے ہیں۔ ان قافلوں کا ذکر سیرت علیہ ج ۱ صفحہ ۶۱۱، خصائص کبریٰ ج ۱ صفحہ ۸۰ کے علاوہ بہت سی کتابوں میں آیا ہے۔

پہلا قافلہ مقام روحا میں دیکھا ہے یہ قافلہ بدھ کے روز سورج غروب ہونے تک یہاں پہنچ جائے گا۔ میں نے دیکھا کہ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا اور وہ تلاش کر رہے تھے وہ سخت پریشان تھے میں نے انہیں آواز دی کہ فلاں جگہ اونٹ موجود ہے۔ وہ حیران ہوئے کہ یہاں محمد کی آواز کیسے؟

دوسرا قافلہ مقام ذی مرہ پر ایک قافلہ تھا یہ قافلہ بدھ کے روز دوپہر تک یہاں پہنچ جائے گا۔ ان سے دو آدمی اونٹ پر سوار تھے جب ان کے پاس میرا براق تیزی سے گزرا تو اونٹ ڈر گیا اور دونوں سواروں کو نیچے گرا دیا۔

تیسرا قافلہ مقام تنیم پر دیکھا۔ اس قافلے کے آگے آگے دھاری دار اونٹ چل رہا تھا۔ ایک شتر سوار کو سردی لگ رہی تھی اور وہ اپنے غلام سے کھل مانگ رہا تھا۔ یہ قافلہ قریب آ گیا ہے۔ صبح سورج طلوع ہوتے ہی یہاں پہنچ جائے گا۔

چنانچہ جس طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعینہ اسی طرح ہوا اور قافلوں کی آمد کے پر و محرام میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔ پھر کفار نے قافلے والوں سے وہ نشانات دریافت کئے جو حضور علیہ السلام نے فرمائے تھے اور انہوں نے اس کی تصدیقیں کیں۔ بہت سے کفار نے اسلام قبول کیا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

# ماہ شعبان کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝  
الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى  
آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ الْمُهْدِيِّينَ ۝  
أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
حَمْدٌ ۝ وَالْكِتَابُ الْمُبِينُ ۝ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ ۝  
إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۝

(سورة دخان)

” واضح کتاب کی قسم بے شک ہم نے اس کو اتارا مبارک رات میں بلاشبہ  
مقصود ڈرانا تھا۔ اس رات میں جدا کیا جاتا ہے کلمہ حکمت والا۔“  
حضرات! سورة دخان کی اس آیت کریمہ میں جو تلاوت کی گئی ہے لَيْلَةِ مُبَرَكَةٍ  
سے بعض علما نے شعبان کی پندرہویں رات مراد لی ہے اگرچہ یہ صحیح نہیں کیونکہ قرآن کریم کا  
نزول جس مبارک رات میں ہوا وہ لیلۃ القدر ہے جو یقیناً رمضان المبارک میں ہے۔ بہر حال  
یہ رات بھی بڑی ہی بابرکت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے حضرت علی المرتضیٰ  
روایت کرتے ہیں کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے :

إِذْ كَانَتْ لَيْلَةً التَّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُومُوا لَيْلَهَا وَ  
صُومُوا يَوْمَهَا فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ فِيهَا بِغُرُوبِ  
الشَّمْسِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا وَيَقُولُ اللَّهُ لَا مِنْ  
مُسْتَغْفِرًا غُفْرَانًا وَلَا مِنْ مُسْتَرْزِقٍ فَارْزُقْهُ  
لَا مِنْ مُبْتَلٍ فَأَعْفِ فِيهِ لَا مِنْ كَذَّاءٍ لَا مِنْ كَذَّاءٍ  
حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔

جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس رات کو قیام کرو اور دن کو  
روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی تجلی آفتاب کے غروب ہونے  
کے وقت سے ہی آسمان دنیا پر ظاہر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
کیا کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ اسے بخش دوں۔ کیا کوئی رزق مانگنے  
والا ہے کہ اسے عطا کروں۔ کیا کوئی مصیبت زدہ ہے کہ اسے چھوڑ دوں۔  
کیا کوئی فلاں فلاں حاجت والا ہے میں اس کی حاجت پوری کر دوں۔  
حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ رات بڑی ہی رحمت اور مغفرت والی ہے۔ اس رات گنہگاروں کے  
گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آسمان دنیا سے فرماتا ہے : ہ  
ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں  
راہ دکھلائیں گے رخصت و منزل ہی نہیں  
میاں محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجابی کے ایک صوفی شاعر ہوئے ہیں آپ اسی حدیث  
کا ترجمہ فرماتے ہیں : ہ

پہلی راتیں رحمت رب دی کرے بلند آوازہ  
بخشش ملگن والیاں کارن کھلا ہے دروازہ  
جو لوگ ایسی مبارک راتوں کو یاد الہی میں گزارتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا  
ارشاد ہے :



اُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ  
 "ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔"  
 اس مبارک رات کے لیے ایک اور حدیث سنئے۔ ترمذی شریف میں حضرت  
 ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ فرماتی ہیں،  
 فَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَإِذَا  
 هُوَ بِالْبَقِيعِ فَقَالَ أَكُنْتُ تَخَافِينَ أَنْ يُخَيِّفَ اللَّهُ عَلَيْكَ  
 وَرَسُولُهُ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ رَأَيْتُ ظَنَنْتُ أَنَّكَ آتَيْتَ بَعْضَ  
 نِسَائِكَ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ  
 شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لَكُثْرٍ مِّنْ عَدَدِ  
 شَعْرِ عَنَمٍ بَنِي كَلْبٍ ۖ

"میں نے ایک رات حضور علیہ السلام کو نہ دیکھا پھر وہ قبرستانِ مدینہ  
 میں مجھے ملے تب آپ نے فرمایا (اے عائشہ!) کیا تمہیں اس بات  
 کا ڈر تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یا  
 رسول اللہ! میں نے خیال کیا تھا کہ شاید آپ ازواجِ مطہرات میں سے  
 کسی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ تب آپ نے فرمایا، تحقیق اللہ  
 تعالیٰ شعبان کی پندرہویں رات کو آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ پس  
 قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ گنہگاروں کو بخشا ہے۔  
 اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رات کو قبروں پر جانا حضور علیہ السلام کی سنت ہے۔  
 یہی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے حضور علیہ السلام  
 نے فرمایا، اے عائشہ! تمہیں معلوم ہے اس رات میں کیا ہوتا ہے؟

فِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُودٍ مِّنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ  
 وَفِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِّنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ  
 السَّنَةِ وَفِيهَا تَوْفَعُ أَعْمَالُهُمْ وَفِيهَا تَنْزَلُ أَرْزَاقُهُمْ۔

جو بچہ اس سال میں پیدا ہوتا ہے وہ اس رات میں نکھا جاتا ہے اور اس سال میں جو آدمی ہلاک ہونے والا ہوتا ہے اس کا نام بھی نکھا جاتا ہے اور اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں اور اسی رات ان کے رزق اترتے ہیں۔

حضرات! آپ اندازہ فرمائیں ایسی رات جس میں مرنے اور پیدا ہونے والوں کی فہرستیں اور عمل اٹھائے جاتے ہوں اور رزق اترتا ہو اس رات کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس رات زیادہ سے زیادہ عبادت کریں تاکہ اس حالت میں جبکہ عمل اٹھائے جا رہے ہوں ہم یاد الہی میں مشغول ہوں۔ پھر اسی رات اللہ تعالیٰ لاکھوں انسانوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے اس رات کا نام شبِ برات ہے کیونکہ اس رات اللہ تعالیٰ گناہگاروں کو گناہوں سے بری فرما دیتا ہے۔

اس رات تو انسان کو چاہیے کہ عبادت الہی کے ذریعے آگ سے نجات غلط رسمیں حاصل کرے۔ مگر آج کل مسلمانوں نے اس کے برعکس معاملہ اور طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ آگ سے بچنے کی بجائے گھر گھر آگ جلائی جاتی ہے اور آتش بازی خدا جانے مسلمانوں میں اس رات کیسے رواج پا گئی جو سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ آتشبازی سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے علاوہ جو ظاہری نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ اخبارات کی اطلاعات کے ذریعہ باسانی لگایا جاسکتا ہے۔ مسلمانانِ پاکستان کو چاہیے کہ اجتماعی طور پر اس غلط اور خلافِ شرع نقصان دہ رسم کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ ہر بُرائی کوشش اور محنت سے ختم ہو سکتی ہے۔ مومن وہ ہے کہ وہ ہمہ وقت اسلام کا مبلغ رہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

”تم بہترین امت ہو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“ اس آیه کریمہ سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنے اس عمل کو کبھی نہ ترک کریں

اور ہمیشہ تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔ آج ہم نے اس مقدس فریضہ سے منہ موڑ لیا ہے، تبلیغی کاموں میں حصہ لینا بالکل ترک کر دیا ہے۔ ہماری تنزلی اور غلامی کا سبب یہی ہے کہ ہم نے اسلام کے اصولوں پر عمل ترک کر دیا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر  
ہم خوار ہوئے تارکِ فتنہ آن ہو کر

○  
گر تو میخوایی مسلمان زیستن  
نیت ممکن جسند بہ قرآن زیستن  
مسلمان کی کامیابی کا راز صرف اور صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی  
اُسوۂ حسنہ میرتِ طیبہ پر عمل کرنے میں مضمر ہے۔ پروردگار عالم کا ارشاد ہے،  
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

”رسول کریم کی ذات میں ہی تمہارے لیے بہترین اُسوہ ہے۔“  
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگیوں پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے  
آجاتی ہے کہ ان کی زندگیوں کا ہر عمل سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا تھا۔  
مسند امام احمد صفحہ ۴۱۶ میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان  
اداءِ قسطندری رضی اللہ عنہ نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور ناک میں پانی ڈالا اور تین تین  
بار چہرہ اور بازو تک ہاتھوں کو دھویا پھر سر کا مسح کیا اور پاؤں کے موزوں پر مسح کیا۔ معاً آپ  
نے تبسم فرمایا۔ پھر اجاب سے کہا معلوم ہے میں نے کیوں تبسم کیا ہے؛ امیر المومنین نے فرمایا:  
اسی جگہ حضور علیہ السلام نے یونہی پانی منگوایا تھا اور وضو فرمایا تھا۔ پھر تبسم فرمایا اور صحابہ سے کہا  
جانتے ہو میں نے کیوں تبسم کیا؛ صحابہ نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم اللہ جانے اور  
اس کا رسول۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدمی وضو کرتا ہے ہاتھ دھونے سے  
ہاتھوں اور منہ دھونے سے منہ اور سر کے مسح سے سر کے اور پاؤں دھونے سے پاؤں کے



گناہ گرجاتے ہیں۔ اس روایت کو کسی نے بہت اچھا نظم کیا ہے :۔  
 وضو کر کے خذہ ہوئے شاہ عثمان  
 کہا کیوں تبسم بھلا کر رہا ہوں  
 جواب سوال مخالفت دیا پھر  
 کسی کی ادا کو ادا کر رہا ہوں

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۱۴ میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ایک سواری آئی  
 آپ اس پر سوار ہونے لگے جب اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم  
 پڑھا۔ جب زین پر بیٹھے تو کہا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِیْنَ  
 وَ اِنَّا اِلٰیْہِ رَاٰتِنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝ پھر الحمد للہ کہا اور اللہ اکبر تین بار پڑھا اور پھر  
 یہ دعا فرما کر تبسم فرمایا :

سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ  
 اِلَّا اَنْتَ ط

عرض کیا گیا کہ یا امیر المومنین ! اس تبسم کا کیا مطلب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ  
 نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو یوں نہیں دیکھا ہے آپ نے بھی تبسم فرمایا تو میں نے  
 عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ نے کس لیے تبسم فرمایا ؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا بندہ کہتا ہے  
 یا اللہ ! میرے گناہ معاف فرمادے۔ تو اللہ راضی ہوتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ گناہ بخشتے والا  
 میں ہی ہوں۔ حضرت مولا علی کا تبسم صرف اقتداء تھی اور ایک دلولہ تھا کہ جو کام حضور کریں میں  
 اسی طرح کرنا چاہیے ۔

مجھے شادمانی اسی بات کی ہے  
 کہ تقلید شاہ ہدی کر رہا ہوں  
 یہ اللہ پہ جو تھا کیا عہد و پیمان  
 وہی عہد طاعت وفا کر رہا ہوں

رحمتِ الہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دھارے چلتے ہیں۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے،  
 اس کی نعمتوں کا شمار نہیں۔ حدیثِ قدسی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:  
 سَبَقْتُ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي۔

”میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی ہے۔“

مگر اس رحمت کے حصول کا ذریعہ اقدائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مشکوٰۃ شریف صفحہ ۲۹۱ میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سید عالم  
 صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص سب سے نیچے بہشت میں داخل ہوگا اس کی حالت یہ ہوگی  
 کہ کبھی چلتا ہوگا اور کبھی گر پڑتا ہوگا۔ جب دوزخ سے گرنے لگے گا تو پھر جہنم کی طرف دیکھ کر کہے گا  
 پاک ہے وہ ذات جس نے مجھے تجھ سے نجات بخشی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ انعام دیا ہے  
 جو کسی کو نہیں ملا۔ فوراً ایک درخت ظاہر ہوگا، بندہ کہے گا: یا اللہ! مجھے اس درخت کے نیچے  
 کر دے تاکہ اس درخت کے سائے سے فائدہ حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اگر  
 تیری یہ آرزو پوری کر دی جائے تو تو کچھ اور طلب کرے گا۔ بندہ کہے گا یا اللہ! بالکل نہیں  
 اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ اسے درخت کے نیچے کر دے گا۔ جب وہاں پہنچے گا تو  
 ایک اور درخت نظر آئے گا جو پہلے سے زیادہ خوب صورت ہوگا۔ بندہ عرض کرے گا: یا اللہ!  
 مجھے اس درخت کے سائے میں پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تو نے میرے ساتھ  
 وعدہ نہیں کیا تھا کہ اب کچھ طلب نہیں کروں گا۔ وہ عرض کرے گا: یا اللہ! اب پکا وعدہ  
 کرتا ہوں کہ اب کچھ نہیں مانگوں گا۔ پھر وہ اس درخت کے نیچے پہنچا دیا جائے گا۔ جب  
 وہاں پہنچے گا تو جنت کے قریب ایک ایسا درخت نظر آئے گا جو پہلے دونوں درختوں سے  
 کہیں زیادہ خوب صورت ہوگا۔ اسے دیکھ کر بندہ کہے گا: یا اللہ! اگر اس کے قریب پہنچا دے  
 تو پھر کبھی کچھ عرض نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے وہاں پہنچا دے گا۔  
 جب وہاں پہنچے گا تو جنتیوں کی آواز سنے گا تو فوراً عرض کرے گا: یا اللہ! اگر تو مجھے جنت  
 میں داخل کر دے تو تیرا کیا جائے گا۔ پھر کبھی کچھ نہیں مانگوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ  
 تو سوال کرنے سے رکتا ہی نہیں، تجھ سے میں چھٹکارا کیسے حاصل کروں، بتا تجھے جنت

میں ساری دنیا مٹے تھے زیادہ جگہ عطا کر دوں پھر تُو راضی ہو جائے گا؛ وہ بندہ عرض کرے گا  
یا اللہ! تُو رب العالمین ہو کر مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی بات پر راضی ہو جائیگا  
اور فرمائے گا کہ میں مذاق نہیں کرتا میں جو چاہوں اس پر قادر ہوں۔  
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب حضور اس مقام پر پہنچے تو تبسم فرمایا اور  
وہی سنت آج میں ادا کر رہا ہوں۔

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اقتداء ہی مسلمان کے لیے نجات کا سبب ہے۔  
قرآن کریم کا ارشاد ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ.

”اے محبوب! اعلان فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری  
اتباع کرو اللہ تعالیٰ خود تم سے محبت فرمائے گا اور تمہاری خطاؤں کو معاف  
فرمائے گا اللہ غفور رحیم ہے۔“

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب صرف حضور علیہ السلام کی  
اقتداء و اتباع ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی اپنانے کی توفیق  
عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.



# ماہ رمضان المبارک کی تقریر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى  
رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ  
وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ الْمُهْدِيِينَ ۝  
أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝  
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى  
لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ط فَمَنْ  
شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا  
أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ط يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ  
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ  
لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝

”رمضان کا مہینہ جن میں قرآن اُترا، لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور  
فیصلے کی روشن باتیں، تو تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے ضرور  
اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں

اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے۔

اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم شکر گزار ہو۔

حضرات ایہ بابرکت اور با عظمت مہینہ رمضان المبارک اپنے جلو میں رحمتیں اور مغفرتیں لیے تشریف لاتا ہے۔ اس تیس دن کے مہمان کی رضاۓ الہی نصیب ہوتی ہے۔

انسان کو ہر وقت رزق دینے والا خالق یہ امتحان لینا چاہتا ہے کہ سارا فلسفہ روزہ سال میری نعمتیں کھانیوالے آیا صرف تیس دن ان کو میرے لیے چھوڑ بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ چونکہ اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے اس لیے امتحان دینے والا یا لینے والا ہی جانتا ہے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوا ہے یا نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، حدیث قدسی ہے،

اَلصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ۔

’روزہ صرف میرے لیے ہوتا ہے اور اس کی جزاء میں خود ہی براہ راست عطا کرتا ہوں۔‘

اور بعض حضرات نے اسے اَنَا اُجْزِيْ بِهٖ بھی پڑھا ہے۔ پھر یہ معنی ہوں گے کہ روزہ کی جزا میں خود ہی ہوں۔ یعنی روزہ دار یہ امتحان دے کر مجھے ہی پالیتا ہے۔

روزہ کا انعام قرآن کریم میں مختلف مقامات میں اعلان ہوا ہے کہ جو اچھے اعمال کریگا اسے جنت ملے گی تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا اس میں نہریں جاری ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے گویا کہ اعمالِ صالحہ کے نتیجہ میں جنت حاصل ہوتی ہے۔ نماز، حج، زکوٰۃ، غرباد کی امداد، بیماروں کی عیادت، مساکین کی خبر گیری وغیرہ تمام اعمال خیر سے جنت ملتی ہے۔ مگر روزہ وہ عبادت ہے جس سے جنت والا ملتا ہے خود مالکِ حقیقی ہی مل جاتا ہے۔

محسود و ایاز ایک دفعہ محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواہرات اپنے جرنیلوں کے سامنے پھینکتے ہوئے فرمایا کہ چن لیجئے اور خود آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی

دور جا کر واپس دیکھا تو ایاز گھوڑے پر سوار بیٹھے آ رہا ہے۔ پوچھا ایاز باریہ کیا کیا تجھے موتی اور جواہرات نہیں چاہئیں۔ ایاز نے عرض کیا، جو موتیوں کے طالب تھے موتی چن رہے ہیں مجھے موتی نہیں بلکہ موتیوں والا چاہیے، مجھے جو درکار ہے میں اس کے ساتھ ہوں۔ اسی سلسلہ میں ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کہ ایک مرتبہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کرایا تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،  
سَلِّ رَبِيعَةً! اے ربیعہ! مانگ کیا چاہتا ہے؟  
سبحان اللہ! حضرت ربیعہ نے کیا ہی خوب مانگا۔ عرض کیا،  
اَسْأَلُكَ مِرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ جنت میں بھی آپ ہی کے پاس حاضر رہوں۔

گویا کہ عرض کیا آپ سے آپ ہی کو مانگتا ہوں۔ کسی شاعر نے اس کو خوب ادا کیا ہے وہ کہتا ہے کہ ربیعہ نے عرض کیا،

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی ساری کائنات  
مجھ سا کوئی گدا نہیں، تجھ سا کوئی سخی نہیں  
تیرے کرم سے بے نیاز کون شے ملی نہیں

جھولی ہی میری تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں  
پھر آپ غور فرمائیں کہ جس کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں، مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس کی قسمت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

اسلام میں اکثر اعمال کسی نہ کسی واقعہ کی یاد تازہ  
روزہ کے فرض ہونے کی وجہ کرنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ مثلاً صفا اور  
مردہ کے درمیان حاجیوں کا دوڑنا حضرت ہاجرہ کے ان دو پہاڑوں کے درمیان دوڑنے  
کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی تلاش کرنے



ان دونوں پہاڑوں پر دوڑتی ہیں۔ وہی طریقہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک حایوں کے لیے لازم قرار دے دیا۔ اسی طرح ان دنوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دن غارِ حرا میں گزارے تھے۔ ان دنوں میں آپ دن کو کھانے سے پرہیز کرتے تھے اور رات کو ذکرِ الہی میں مشغول رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان دنوں کی یاد تازہ کرنے کے لیے روزے فرض کیے تاکہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت قائم رہے۔

✓ پہلی اُمتوں کے روزے روزہ ہر امت کے لیے فرض تھا مگر اس کی صورت ہمارے روزوں سے مختلف تھی۔ کتابوں میں آتا ہے

کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ کو روزہ رکھتے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام ہمیشہ روزہ دار رہتے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن روزہ رکھتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور دوسرے دن افطار کرتے۔

ایمان پر پختگی سخت گرمی ہے پیاس سے حلق سُکھ رہا ہے، ہونٹ خشک ہیں مگر وہ پانی موجود ہوتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھتا تک نہیں۔ کھانا موجود ہے بھوک کی شدت سے حالتِ دگرگوں ہے مگر وہ کھانے کی طرف ہاتھ تک نہیں بڑھاتا۔ آپ اندازہ فرمائیں اس شخص کا خدا پر کتنا پختہ ایمان ہے، کتنا زبردست یقین ہے وہ جانتا ہے کہ اس کی حرکت ساری دنیا سے چھپ سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اس کا اللہ تعالیٰ پر یہ یقین روزے کا عملی نتیجہ ہے کیونکہ دوسری عبادتیں کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں مگر روزے کا تعلق باطن سے ہے۔ اس کا حال اللہ اور اس کے بندے کے سوا کوئی نہیں جانتا چھپ کر کھا اور پی لے لوگ یہی سمجھتے رہیں گے کہ روزے سے ہے۔

رمضان المبارک میں ایک ایسی عظمت والی رات ہے جس کی تعریف

بیلۃ القدر میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی پوری سورت نازل فرمائی۔ اسی رات میں قرآن کریم لوحِ محفوظ سے بیتِ المعمور پر اتارا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :  
إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ○ وَمَا أَذْرَكَ مَا لَيْسَ كُ

الْقُدْرَةُ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۖ يَنْزِلُ  
الْمَلَكُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۖ سَلَامٌ  
هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ (پ ۳۰)

”بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا اور تم نے کیا جانا کیا ہے لیلۃ القدر  
لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس میں فرشتے اور جبریل اترتے ہیں اپنے  
رب کے حکم سے ہر کام کے لیے وہ سلامتی ہے صبح چکنے تک“

تطبیق قرآن کریم کی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو ایک  
تطبیق رات میں اتارا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے،  
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔  
کہ ہم نے اسے رمضان کے مہینے میں اتارا ہے۔

اور واقعات اور تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جبریل علیہ السلام تیس سال کی مدت میں لاتے رہے  
اس میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ لیلۃ القدر کو جو رمضان المبارک میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
قرآن کریم کو لوح محفوظ سے بیت المعمور (آسمان دنیا پر ایک جگہ ہے) میں اتارا اور وہاں سے  
پھر حضرت جبریل علیہ السلام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تیس سال تک  
لاتے رہے۔

اس سلسلے میں قرآن کریم میں دو صیغے آتے ہیں ایک باب تفعیل سے اور دوسرا  
دو صیغے باب افعال سے۔ باب تفعیل جیسے نَزَّلَ يُنْزِلُ تَنْزِيلًا اور باب افعال  
جیسے أَنْزَلَ يُنْزِلُ انْزَالًا۔ تو جس جگہ باب تفعیل ہو وہاں مراد ہوتی ہے تھوڑا تھوڑا  
کر کے اتارنا اور جہاں باب افعال ہو وہاں مطلب ہے دفعۃً، واحدۃً یعنی یکبارگی۔ افعال  
سے مراد لوح محفوظ سے بیت المعمور اتارنا اور بیت المعمور سے آسمان دنیا پر نازل کرنا باب تفعیل  
کا ترجمہ ہوگا۔

چونکہ قرآن کریم اسی ماہ میں اتارا گیا اسی لیے زیادہ مناسب یہی ہے  
کثرت تلاوت کر اس بابرکت مہینے میں قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے

کی جائے تلاوت کلام الہی سے قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے، روح کو تسلی نصیب ہوتی ہے  
قرآن کریم کا ارشاد ہے،

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔

”دلوں کو اطمینان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتا ہے۔“

دنیا کی دولت و ثروت، مکانات، بلڈنگیں غرضیکہ دنیا کی ہر چیز سے پریشانی  
اور بے اطمینانی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے صرف ایک اللہ تعالیٰ کا ہی ذکر ہے جس سے  
دل مطمئن ہوتے ہیں اور پھر قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کو جتنی مرتبہ پڑھتے جاسیے لذت  
اور شوق تلاوت زیادہ ہی ہو پڑے گا۔ دنیا کی کسی کتاب کو آپ دو چار مرتبہ پڑھ جاسیے  
پھر اسے ہاتھ لگانے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ قرآن پاک ہی کا اعجاز ہے کہ ایک ہی آیت کو  
بار بار سننے اور پڑھنے پر بھی جی نہیں اکتاتا۔

رمضان المبارک میں عموماً مسلمان نماز تراویح میں ختم قرآن کریم کرتے ہیں بلکہ میں نے  
کئی حفاظ ایسے بھی دیکھے ہیں جو صرف ایک رکعت میں ہی ختم کر لیتے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ  
رحمۃ اللہ علیہ ہر روز دو قرآن کریم ختم فرمایا کرتے تھے۔

ثواب تلاوت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کتاب کا ایک  
حرف تلاوت کرنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں اور دس گناہ معاف  
کیے جاتے ہیں۔ فرمایا،

الْحَرْفُ كَيْسٌ بِحَرْفٍ بَلْ أَيْ حَرْفٌ وَ لَامٌ حَرْفٌ وَ مِيمٌ  
حَرْفٌ۔

”الف، لام، میم ایک حرف نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ تین حرف ہیں الحمد  
پڑھنے والے کو تیس نیکیاں ملتی ہیں اور اتنے ہی گناہوں پر قلم پھیر دی جاتی ہے۔“  
جس جگہ تلاوت کی جائے وہاں پروردگار عالم کی رحمت کی بارشیں نازل ہوتی ہیں۔

اسلام میں پہلی ہجرت حبشہ کی طرف ہوئی جن حضرات  
تلاوت اور شاہ حبشہ نے یہ ہجرت فرمائی ان کی قیادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ



کر رہے تھے۔ اس قافلے میں حضرت جعفر بن ابی طالب بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ حبشہ جا کر آباد ہو گیا۔ ادھر کفار مکہ نے ان مسلمانوں کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ ایک وفد شاہ نجاشی کے دربار میں بھیجا کہ چند مسلمان تمہارے ملک میں آگئے ہیں جو ملک میں فساد اور بدمنی پیدا کریں گے۔ بہتر ہے کہ آپ ان کو اپنے ملک سے نکال دیں۔ اس وفد کی باتیں سن کر شاہ حبشہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور حقیقت حال دریافت کی۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے شاہ نجاشی کے دربار میں جو تقریر فرمائی اسے آپ بھی سماعت فرمائیے اس تقریر کو سیرت ابن ہشام سے لیا گیا ہے۔ حضرت جعفر نے کہا:

”اے بادشاہ! ہم جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، نجاست میں آلودہ تھے، مردار کھاتے تھے، یہودہ باتیں کرتے تھے، ہم میں انسانی اور سچی مہمان داری کا نشان تک نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا جس کے حسب و نسب، سچائی، دیانت داری، تقویٰ، پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ اس نے ہمیں پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولا کریں۔ وعدہ پورا کریں۔ گناہوں سے دور رہیں۔ برائیوں سے دور رہیں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھا کریں، صدقہ دیا کریں اور روزہ رکھا کریں۔ ہماری قوم ہم پر ان باتوں کی وجہ سے مجرماً بیٹھی ہے، ان سے جہاں تک ہو سکا ہمیں ستایا تاکہ خدا کی عبادت چھوڑ دیں اور کڑی اور پتھر کی مورتیوں کی پوجا شروع کر دیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اور ظلم اٹھائے ہیں اور جب مجبور ہو گئے تو آپ کے ملک میں پناہ لینے آ گئے۔“

شاہ نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ مجھے وہ کتاب سنائیے جو تمہارے رسول پر اتاری ہے۔ حضرت جعفر طیار نے بھرے دربار میں سورہ مریم سنانا شروع کر دی۔ ابھی چند ہی آیات پڑھی ہوں گی کہ بادشاہ رونے لگا۔ شدت گریے اس کی وارڈھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔

کہنے لگا یہ تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیح نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے یہ زمانہ نصیب ہوا۔ حضور میں آپ کے رسول برحق پر ایمان لاتا ہوں۔

قرآن پاک کے ساتویں پارے کی پہلی آیت پر غور فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ  
مِنَ الدَّمْعِ مَتَاعَ عَزْفٍ مِنَ الْحَقِّ

اور جب سنتے ہیں جو ہم نے اپنے رسول پر اتارا تو دیکھے گا ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔

قرآن اور عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس سلسلے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔

جب مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تو عمر فاروق نے سوچا کہ کیوں نہ محمد کو قتل کر ڈالوں، ہر روز کا شرابا ختم ہو جائے۔ نہ رہے بانس نہ نیچے بانسری (نعوذ باللہ من ذلک) اس بُرے اور غلط ارادے کو لے کر تلوار کو زہر میں بجھائے جا رہا تھا کہ راستے میں نعیم بن عبد اللہ ملے، پوچھا:

”عمر! کہاں جا رہے ہو تمہاری آنکھوں میں خون اتر رہا ہے؟“

عمر نے کہا:

”محمد کا قصہ پاک کرنے جا رہا ہوں۔“

نعیم نے کہا:

”پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن اور بہنوئی تو اس پر ایمان لے آئے ہیں۔“

عمر سخت غصے میں اپنی بہن کے گھر گئے اس وقت حضرت خباب بن الارت ہاتھ میں

قرآن کریم کے اجزائے انہیں پڑھا رہے تھے۔ عمر کو آتا دیکھ کر حضرت خباب چھپ گئے اور

بہن نے اجزا بھی چھپا دیے۔ عمر نے آتے ہی کہا یہ کیا ہو رہا تھا؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔

عمر نے کہا مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم دونوں محمد کا دین قبول کر چکے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی اور بہن کو

بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ ادھر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھ بارگاہِ خداوندی میں اُٹھے اور آپ دعا فرما رہے تھے،

یا اللہ! دونوں عمروں میں سے ایک کو مسلمان کر دے۔

☆ تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

دعا قبول ہو چکی تھی مرنے بہن کو روتی دیکھ کر کہا اچھا لاؤ تو میں بھی وہ کلام دیکھوں جو تمہارے نبی پر اترا ہے۔ بہن نے کہا، میں خطرہ ہے کہ تو اس کی بے ادبی کرے گا۔ کہا مجھے اپنے بتوں کی قسم ہے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ بہن نے کہا اس کو پاک ہاتھ ہی چھو سکتے ہیں۔ یہ باتیں سن کر حضرت جناب بھی سامنے آئے اور کہنے لگے، الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے عمر کے سینے میں اسلام کی محبت ڈال دی ہے۔ عمر نے غسل کیا پھر اجڑائے قرآن کریم پڑھے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ پکار اُٹھے،

”بہن! چل مجھے بارگاہِ محمدی میں لے چل۔“

عمر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ایک صحابی نے دوڑ کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں عرض کیا، یا رسول اللہ! عمر تلوار لیے آرہا ہے۔“ حضرت حمزہ بن عبد المطلب نے کہا، آنے دو، اگر کسی بُرے ارادے سے آیا ہے تو اسی کی تلوار سے اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ عمر حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، عمر! کیسے آئے ہو؟ عرض کیا خدا اور اس کے پیچھے رسول پر ایمان لانے۔“ صحابہ نے نعرہٴ تکبیر بلند کیا اور عمر ایمان لے آئے۔

ۛ

ہنگامِ نبی میں وہ تاثیر دیکھی  
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

پھر عمر کو وہی توحیدی نشہ پلایا گیا جسے دنیا کی کوئی ترشی نہ اتار سکی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ شراب ۛ

طیبہ سے منگائی جاتی ہے، سینوں میں چھپائی جاتی ہے  
توحید کی مے پیالوں سے نہیں، نظروں سے پلائی جاتی ہے



جس طرف چشم محمد کے اشارے ہو گئے  
 جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہو گئے  
 یہ اسی توحیدی نشہ کا نتیجہ تھا کہ شدت کی گرمی ہے، رمضان المبارک  
 بدر اور رمضان کی سترہ تاریخ، طویل دن اور منہ میں روزہ، تعداد میں کم دشمن  
 تین گنا زیادہ، مگر ہر طرف سے آوازیں آ رہی ہیں کہ:۔  
 غلامان محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے  
 یہ سرکٹ جائے یارہ جائے کچھ پروا نہیں کرتے  
 سامانِ حرب کی یہ حالت تھی کہ اگر زبرہ ہے تو خود نہیں خود ہے تو زبرہ نہیں،  
 شکستہ تلواریں ہیں۔

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زہریں آٹھ شمشیریں  
 چلنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

زینخ و تیر پر تیکہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر  
 بھروسا تھا تو اک سادی سی کالی کالی دالے پر

مگر:۔

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا مہمتا  
 کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کالی کھلی والا مہمتا

غزوہ بدر کے لیے جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور  
 صحابہ کا جذبہ مہاجرین صحابہ کو جمع فرما کر دریافت کیا کہ کون ہے جو اپنی جان کو  
 اللہ کی راہ میں قربان کرے۔ سب سے پہلے مہاجرین کی طرف سے حضرت صدیق اکبر  
 اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی:۔

ابوبکر و عمر نے عرض کی اسے ہادی دوراں  
 ہمارے مال و جاں اولاد سب کچھ آپ پر قرباں

اور انصار کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے

اُنٹے مقدار اُٹھ کر عرض کی اے سرورِ عالم

نہیں ہیں قومِ موسیٰ کی طرح کہ دینے والے ہم

نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں

جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں

قریش تک تو کیا چیز ہیں دیووں سے لڑ جائیں

سنانِ نیزہ بن کر سینہ باطل میں گڑ جائیں

یہ جواب ان صحابہ کا تھا جن کے پیٹ پر تین تین دن تک پتھر

قومِ موسیٰ کا جواب بندھے رہتے تھے۔ آئیے، اب ذرا اس قوم کا جواب بھی سنیے

جن کے کھانے کے لیے من و سلوی، پہننے کے لیے قدرتی لباس، پینے کے لیے

چشموں کے ٹھنڈے اور میٹھے پانی، اور سائے کے لیے بادلوں کا انتظام تھا۔ قرآن کریم

کا ارشاد ہے:

۱۔ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ  
مَشْرَبَهُمْ۔

”پس بہہ نکلے اس سے بارہ چشمے ہر آدمی نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔“

۲۔ فَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوٰی۔

”پس اتارے ہم نے تم پر قسم قسم کے کھانے۔“

۳۔ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ۔

”اور سایہ کر دیا ہم نے تم پر بادلوں کا۔“

اس ناز و نعم میں پروان چڑھنے والی قوم نے قومِ عاتقہ سے جنگ کے اعلان کے

وقت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا،

إِذْ هَبْتَ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ۔

”تو اپنے رب کو پشیمان نہ کرنا اور دونوں اکٹھے جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔“

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ نہیں میں ہم قوم موسیٰ کی طرح کہہ دینے والے۔

ارشاد الہی ہوتا ہے:

بدر میں امداد الہی نَقَدْ تَصَرَّكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ ۖ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ ○ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُبَدِّلَكُمْ سَرَبَكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ○ (پ ۴، ع ۴)

اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سروسامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکر گزار ہو جب کہ آپ مسلمانوں سے یوں فرما رہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ جو آتے جائیگے ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم آپہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک وضع کے بنائے ہوں گے اور اللہ نے یہ امداد محض اس لیے کی کہ تمہارے لیے بشارت ہو اور تاکہ تمہارے دلوں کو قرار ہو جائے اور نصرت صرف اللہ ہی کی طرف سے جو غالب حکمت والا ہے۔

اس جنگ میں ایک آواز آرہی تھی اَقْدِمُ هَيْزُومَ ! جب ریل کا گھوڑا اَقْدِمُ هَيْزُومَ۔ ہیزوم آگے بڑھو، ہیزوم آگے بڑھو۔ صحابہ کہتے ہیں ہم حیران تھے کہ آواز کیسی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہیزوم جبریل کے گھوڑے کا نام ہے وہ اپنے گھوڑے کو کہہ رہے ہیں کہ آگے بڑھو۔ صحابہ فرماتے ہیں کئی بار ہم کسی کافر کو قتل کرنا چاہتے تو پہلے ہی قتل ہو جاتا۔ ہم سمجھ لیتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی امداد ہے۔

اس کفر و اسلام کی پہلی ٹکڑ میں جس میں مسلمان بے سروسامان تھے، تعداد میں



بھی کم اور آلاتِ حرب بھی ناکافی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس قلیل جماعت کو اپنے سے  
یقین گنا زیادہ شکر پر شاندار فتح عطا فرمائی۔

پروردگارِ عالم اعلان فرماتا ہے،

كَمْ مِّنْ فِئْتَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئْتَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

اللہ کے حکم سے کئی قلیل لشکر کثیر لشکروں پر غالب آجاتے ہیں۔ اللہ  
صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مسئلہ کشمیر اور جہاد میں کئی سالوں سے مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل کی الماریوں  
میں پڑا ہے۔ اسے ایک کھلونا سمجھ کر بڑی طاقتیں اس سے  
کھیلتی رہی ہیں۔ ۱۹۴۸ء میں ہندوستان خود کشمیر کے مسئلے کو لے کر سلامتی کونسل میں گیا  
اور ایک قرارداد پاس ہوئی کہ کشمیر کے پچاس لاکھ عوام کو اختیار دیا جائے اور وہ اپنی  
رانے کا اظہار کریں کہ آیا وہ پاکستان کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں یا بھارت سے۔ مگر اس  
قرارداد پر آج تک سلامتی کونسل عمل نہ کر سکی۔ بھارت کو یقین تھا کہ کشمیری مسلمان پاکستان  
کے حق میں ووٹ دیں گے اس لیے اس نے حیدر آباد، جونا گڑھ وغیرہ کی طرح کشمیر کو  
بھی ہڑپ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایک طرف بھاری تعداد میں وہاں سے مسلمانوں کو  
دھکیل دیا گیا اور ان کی جگہ ہندو آباد کرنے شروع کر دیے۔ دوسری طرف تمام مہاجرین وطن  
آزادی طلب غوامی رہنماؤں کو جیلوں میں دھکیل دیا اور جن سنگھی غنڈوں کی ایک فوج تیار کی اور  
اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کا قتل عام کیا جائے، ان کے مکانوں کو جلا دیا جائے۔ چنانچہ اس  
وقت سے تین لاکھ سے زیادہ مسلمان شہید کیے جا چکے ہیں اور کئی مسلمانوں کو زندہ مکانوں کے  
اندہرے جلا یا جا چکا ہے۔ والدین کے سامنے ان سے ان کے معصوم بچے چھین کر انھیں  
سنگینوں سے چلنی کیا گیا۔

ان بے پناہ مظالم سے تنگ آ کر کشمیری مسلمانوں نے مسلح تحریک  
تحریکِ آزادی آزادی کا آغاز کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پانچ ہزار مجاہدین آزادی

سروں پر کفن باندھ کر میدان میں نکل آئے اور اعلان کیا کہ ہم ہندوستان کو کشمیر سے ہمیشہ کے لیے نکال کر ہی دم لیں گے۔ ان مجاہدین نے ایک انقلابی کونسل قائم کر لی اور ایک اپنا آزاد ریڈیو صدائے کشمیر کے نام سے نصب کر لیا۔ ان کی آن میں یہ تحریک تمام کشمیر میں پھیل گئی۔ بھارت کی تمام مشینری معطل ہو کر رہ گئی اور مجاہدین کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ آخر ہندوستان اپنی تین لاکھ مسلح فوج کو کشمیر میں فٹ پاتھ لایا کہ مجاہدین آزادی کو کھیل دیا جائے مگر ان مجاہدین نے بھارت کی فوج کے چھکے چھڑا دیے۔

بھارت کی حکومت نے ان مجاہدین کو پاکستانی فوج قرار دیا اور پاکستان پر حملہ کیا کہ یہ پاکستانی فوج کے تربیت یافتہ سپاہی ہیں اور مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوئے ہیں۔ بھارتی حکومت سے پوچھا جائے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ مجاہدین پاکستان سے آئے ہیں تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ تمہاری تین لاکھ فوج جو سرحدوں پر صرف اس لیے بیٹھی ہے کہ کوئی پاکستانی کشمیر میں داخل نہ ہو سکے، اس وقت یہ فوج کہاں تھی جب پاکستانی فوج پانچ ہزار کی تعداد میں ریاست میں داخل ہوئی اور کسی بھارتی فوجی کو ان پر شبہ نہ ہوا۔ ہندوستانی حکومت نے یہ مفروضہ قائم کر کے کہ یہ مجاہدین پاکستان سے آئے ہیں ایک سوچی سمجھی سیکم کے تحت ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی رات اعلان جنگ کے بغیر ہی پچاس ہزار فوج سے جو ٹینک، توپ خانہ اور بھرتہ گاڑیوں پر مشتمل تھی لاہور پر حملہ کر دیا اور ۶ ستمبر کو ۶۰۰ ٹینکوں کی مدد سے سیالکوٹ پر تہ بول دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ہم اتنی کثیر افواج سے نہایت آسانی کے ساتھ لاہور اور سیالکوٹ پر قبضہ جمالیں گے مگر ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا اور بھارت کو اس حملہ کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ پاکستانی بحری، بری اور فضائی افواج نے بھارت کے ٹنڈی دل لشکر کے پرچے اڑا دیے۔ ۱۷ دن کی جنگ میں بھارت کے ساڑھے گیارہ ہزار سپاہی مارے گئے۔ ۱۱ ہوائی جہاز تباہ ہوئے۔ ۶۰۰ کے قریب ٹینک تباہ ہوئے اور ۱۶۰۰ مربع میل کا وسیع علاقہ پاکستان کے قبضہ میں آ گیا اور بے پناہ فوجی ساز و سامان اور اسلحہ بھی۔ ہندوستانی سپاہی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو شاندار فتح عطا کی اور اپنا وعدہ پورا فرما دیا،



كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ

”بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں اللہ کے حکم سے“

میدان بدر میں اگرچہ مسلمان تعداد میں تیسرا حصہ تھے مگر اللہ تعالیٰ نے کامیابی  
دوست چنے عطا فرمائی۔ میدان بدر میں جہاں اور بڑے بڑے سرداران کفار قتل ہوئے  
وہاں ابو جہل بھی مارا گیا۔ اس کو دوست چنے بچوں نے قتل کیا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف  
فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے قریب دو چھوٹے بچے دیکھے وہ دوڑتے ہوئے میرے قریب  
آئے اور پوچھا، چچا جان! ابو جہل کہاں ہے؟ میں نے کہا، بچو! کیوں پوچھتے ہو؟  
وہ بولے،

قسم کھائی ہے مرجائیں گے یا مارینگے ناری کو

سنا ہے گالیاں دینا ہے وہ محبوب باری کو

وہ ہمارے آقا و مولیٰ ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اس لیے ہم نے  
تہیہ کر لیا ہے اور قسمیں کھالی ہیں کہ اس کو قتل کر کے ہی دم لیں گے یا اپنی جانیں اللہ کی  
راہ میں قربان کر دیں گے۔

حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں میں نے کہا بچو! تم اس تک نہیں پہنچ سکتے اس لیے

کہ

خفاقت کر رہا ہے گردان کے فوج کا دستہ

بچے بولے،

یہ دستہ کب تک روکے گا عزرائیل کا راستہ

آپ نے فرمایا کہ میں نے اشارہ کیا کہ بچو! وہ دیکھو سیاہ گھوڑے پر بیٹھا ہے۔ حضرت

عبدالرحمن فرماتے ہیں میں نے انگلی کا اشارہ کیا۔ میری نگاہ وہاں پہنچی، دیکھا تو دونوں بچے

وہاں موجود تھے انہوں نے جاتے ہی اپنی تنگی تنگی تلواروں سے ابو جہل کے گھوڑے کی

ٹانگیں کاٹ دیں۔ ابو جہل گر پڑا۔ سب سے پہلی تلواں جو اس کے سر پر صاعقہ بن کر

چمکیں ان دونوں بچوں کی تھیں۔



تھوڑی دیر بعد ایک لڑکا لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔ دوسرے کے بازو پر ایک کافر نے  
تکوار مار دی۔ اس کا بازو کٹ کر لٹک گیا۔ اس نے تکوار دوسرے ہاتھ میں لی اور چلاتا رہا۔  
اللہ اللہ! کیا جذبہ تھا، لٹکتا ہوا بازو رکاوٹ بن رہا تھا، پاؤں کے نیچے رکھا اور  
توڑ کر دور پھینک دیا اس کو دور پھینکتے ہوئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے  
گھوڑا دوڑا کر تشریف لائے اور ٹوٹا ہوا بازو اٹھایا اور لعابِ دہن مبارک لگا کر پھر کندھے  
کے ساتھ جوڑ دیا۔ توڑنے والا ہے تو جوڑنے والا بھی موجود ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے  
بھی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔

جو کافر گرفتار ہوئے وہ حضور کی بارگاہ میں پیش  
رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کیے گئے۔ حضور نے صحابہ سے مشورہ فرمایا کسی کی  
رانے یہ تھی کہ اسے قتل کر دیا جائے اور ایک آواز آئی جو جس کا رشتہ دار ہو وہی قتل کئے  
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل والی تجویز کو قبول نہیں فرمایا۔ رحمتِ قلہین صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا یہ تجویز زیادہ اچھی ہے کہ فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ کافر  
فدیہ دے کر رہا ہوتے رہے۔ ان گرفتار شدگان میں حضور علیہ السلام کے چچا  
عباس بھی تھے۔

آپ نے آتی دفعہ اپنی بیوی کو اندر بلا کر کہا کہ یہ  
حضرت عباس کا ایمان لانا۔ اشرافیوں کی ایک تعمیل ہے اسے سنبھال کر رکھنا،  
کسی کو خبر نہ ہو یہ راز کسی پر ظاہر نہ کرنا، اگر میں سلامت واپس آ گیا تو فہم ورنہ اتنی  
اشرفیاں فلاں کو اور اتنی فلاں کو دے دینا۔ جب عباس بارگاہِ رسالت میں حاضر  
ہوئے تو حضور نے فرمایا فدیہ دو اور رہا ہو جاؤ۔

عباس نے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں میرے پاس کوئی رقم نہیں۔ دوبارہ  
حضور نے فرمایا کہ فدیہ دو اور رہائی حاصل کرو۔ عباس بولے میں نے کہہ دیا ہے کہ میرے  
پاس کوئی پیسہ نہیں ہے۔ تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا، اچھا ایسا کرو ہم تمہیں رہا کر دیتے ہیں  
اور تمہارا بچہ بھیج دینا۔ عباس نے کہا، وہاں بھی میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے۔ جب

تین بار یونہی کہا تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اُتی دفعہ جو اشرفیاں اپنی بیوی کو دے کر آئے تھے وہ بھی نہیں ہیں! ۱۵

یہ سن کر حضرت عباس پر رشہ ہوا طاری  
کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبر طاری  
عباس نے کہا، یہ راز تو میری بیوی اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا، جو غیب کی باتیں جانے اور مدینے بیٹھ کر کتنے کے حالات کا علم رکھتا ہو وہ جھوٹا نہیں ہو سکتا، میں بھی پڑھتا ہوں: اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔

عباس حضور علیہ السلام کا علم غیب دیکھ کر ایمان لائے۔ آپ اندازہ فرمائیں کہ کوئی علم غیب دیکھ کر ایمان لاتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو ایمان کا دعویٰ کر کے بھی حضور کے علم غیب کا انکار کر دیتے ہیں۔

یہاں ضمناً میں اتنا عرض کر دوں کہ ہمارے حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے یعنی حضور کا علم عطائی ہے، اللہ کا علم ذاتی ہے۔ اگر حضور کے علم کو ذاتی مانا جائے تو شرک ہے۔ جب یہ عقیدہ ہو کہ مخلوق کا علم عطائی اور اللہ کا علم ذاتی ہے تو شرک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضور کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے اس کے لیے قرآن و حدیث کے بے پناہ دلائل موجود ہیں۔ اس جگہ چونکہ یہ مضمون نہیں ہے اس لیے اس کی تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا صرف ایک آیت سماعت فرمائیے:

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ ط

”عالم الغیب اپنے علم غیب پر کسی کو مستط نہیں فرماتا مگر جس رسول پر راضی ہو جائے۔“

اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ جس رسول پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے

اس کو علم غیب عطا فرماتا ہے مگر ہمارے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہی اگے ہے  
یہاں تو خالق خود چاہتا ہے کہ یہ مجھ پر راضی ہوں۔ گویا اللہ تعالیٰ حضور کی رضا چاہتا ہے  
وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى۔

اعلم حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضا سے محمد  
زہے عزت و اتلائے محمد کہ ہے عرشِ حقِ زیرِ پائے محمد  
روزہ کی قسمیں عوام کا روزہ، خواص کا روزہ، انھیں الخواص کا روزہ۔ عوام کا روزہ  
یہ ہے کہ صبح پڑ پھٹنے سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک  
کھانے پینے اور بیوی کی قربت سے پرہیز کرے۔ خواص کا روزہ یہ ہے کہ تمام دن یادِ الہی  
میں ان کی زبان مشغول رہے اور انھیں الخواص کا روزہ یہ ہے کہ روزے کی حالت میں  
دل میں بھی غیر خدا کا خیال نہ آئے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل  
دو خوشیاں ہوتی ہیں، ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت اور دوسری  
خوشی افطار کے وقت۔

رحمت، مغفرت، نجات بہتی ہیں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں  
یہ رمضان کا مہینہ وہ عظمت والا مہینہ ہے جس کی  
ابتداء میں رحمت، درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے نجات ہے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
تنبیہ فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی عذر شرعی کے رمضان کا ایک روزہ بھی ترک کرے گا  
تو ساری عمر کا روزہ رکھنا اس کا معاوضہ نہیں بن سکتا۔ روزہ رکھتے وقت یہ الفاظ کہے:  
وَبِصَوْمِ غَدٍ ثَوِّبْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

اور افطاری کے وقت یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ رَانِيْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَ



وَعَلَىٰ رِثَاكَ أَفْطَرْتُ / فَأَغْفِرْ لِي مَا قَدْ مَنُتُ  
وَمَا أَخْرُتُ۔

بیہتی اور طہرانی نے حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت  
تراویح کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھتے تھے۔  
ساتب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ بیس  
تراویح کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے  
فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ تراویح کی بیس رکعت پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے۔ بیس  
رکعت تراویح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت ہے۔  
تراویح میں ایک مرتبہ قرآن پاک کا ختم سنت ہے۔ دو بار فضیلت اور سب بار  
افضل۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ رمضان المبارک کا احترام ہم زیادہ سے زیادہ  
کریں اور تلاوتِ کلام الہی بھی کثرت سے کریں۔ آمین  
وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

## ماہِ شوال کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ  
الْأَمِينِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ  
أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط

”تمہارے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین  
زندگی ہے۔“

حضرات! یہ ماہِ شوال ہے۔ یہ مہینہ ایک طرح رمضان المبارک کے مہینے کے  
نتیجے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ماہ مبارک کے چاند کی خوشی سال کے تمام چاندوں سے  
زیادہ ہوتی ہے۔ عید کا چاند، اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا چاند جس کے بار بار دیکھنے کی  
خواہش ہو۔ عید خود سے مشتق ہے۔ مطلب یہ کہ عود کرنے والا دن، بار بار آنی والا  
دن، مسرت و شادمانی کا دن۔

مسلل ایک ماہ امتحان میں بیٹھنے کے بعد جب نتیجہ کامیابی کی صورت میں  
حقیقی خوشی نکلتا ہے تو وہ دن فطرۃ خوشی و مسرت کا دن ہوتا ہے۔ اور یہ امتحان  
ایسا ہے کہ اس میں ہر بیٹھنے والا کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ پروردگار عالم جل جلالہ کا  
ارشاد ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى .

”جس نے بھی تزکیہ کی کوشش کی کامیاب ہوا“

اور وہ کامیابی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اسی میں حقیقی خوشی ہوتی ہے کیونکہ یہ ایسی کامیابی ہے جس کو کبھی فنا نہیں۔

دوسری قوموں کی عیدیں تقریباً ہر قوم کا کوئی نہ کوئی دن خوشی کا ہوتا ہے اس دن وہ قومیں اپنی مذہبی اور اخلاقی قیود سے آزاد

ہو جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک جشن پابندیوں سے رہائی کا نام ہے۔ مگر اسلام کا نظریہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ مسلمانوں کے لیے جب کوئی خوشی کا دن آتا ہے تو ان میں اخلاقی قدیں اور اُجاگر ہو جاتی ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو دیکھا کہ مدینہ والوں نے سال میں دو دن ایسے مقرر کر رکھے ہیں جن کو وہ کھیل کود، لہو و لعب میں گزار دیتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اسلام بے راہ روی اور لہو و لعب کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام قلب میں روحانیت اور طبیعت میں شرافت و نیکی پیدا کرنا چاہتا ہے تو حضور علیہ السلام نے ان جاہلیت کے تہواروں کے بدلے دو دن خوشی کے مقرر فرمائے۔ ایک عید الفطر اور دوسرا عید قربان، مسلمانوں کے لیے ان دنوں میں لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا زیادہ سے زیادہ کریں اور بلند آواز سے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ پڑھیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِشِكْرِ الْاِنْعَادَةِ وَلِشِكْرِ وَاللّٰهِ عَلَى مَا هَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ .

”اور پورا کرو تم گنتی اور اس پر کہ اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی اس کی بڑائی بیان کرو تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔“

اور ایک دوسری آیت کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا،  
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاۤ اَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيۡ لَشَدِيْدٌۭ



اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں نعمتیں اور زیادہ فرما دوں گا۔ اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔“

مسلمان کا شیوہ ہے کہ غم اور خوشی دونوں میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، وہ جس حال میں رکے اسی میں راضی رہے۔ غم اور خوشی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں کبھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔

بادشاہ کے وزراء اکثر اس راستے سے گزرا کرتے تھے جس راستے میں ایک فقیر یا دالہی میں مصروف رہتا تھا۔ پھٹے پرانے کپڑے، پاؤں کو جوتا نصیب نہیں، بکھرے ہوئے بال، گدڑی بچائے بیٹھا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں،

خاکسارانِ جہاں را بختارتِ منگر  
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد  
”ان پھٹے پرانے کپڑے والوں کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھ، تجھے کیا خبر کہ اسی گرد میں کوئی سوار ہو۔“

نہ پوچھو ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو  
یہ بیضالیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں  
یہ فقیر ہر روز دوزیروں کو ذرق برق لباس میں طبوس گزرتے دیکھتا رہتا تھا۔ ایک دن حرف شکایت زبان پر لایا ”یا اللہ! عبادت تو میں زیادہ کرتا ہوں اور مجھے کپڑے تک نصیب نہیں اور ایک یہ وزراء ہیں کہ بالکل دنیا دار ہیں اور تیری یاد سے غافل، مگر تو نے انہیں ہر قسم کی آسائش دے رکھی ہے۔ وقت گزرتا گیا کچھ مدت بعد اس سلطنت پر کسی دوسرے شہنشاہ نے حملہ کیا۔ وزراء گرفتار ہوئے، مخالفت بادشاہ ان سے حکومت کے راز دریافت کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے ہر قسم کی سزا برداشت کی مگر راز ظاہر نہیں کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فقیر کو فرمایا ”جا اور جا کر ان وزراء کا حال دیکھ اور پھر سے تو بھی ان سے بندہ بننا سیکھ لے تاکہ اپنے رب کو پھر طعنہ نہ دے“

تیرے بندہ بننے میں ہی ہے کلامِ درندہ پروری ہے میرا کام  
 شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک بار زمانہ طالب علمی  
 معذور اور مسجدِ کوفہ میں مسلسل سفر کرتے ہوئے میرے پاؤں کا جوتا ٹوٹ گیا۔  
 نوکیلے پتھروں نے پاؤں زخمی کر دیے۔ دورانِ سفر میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی  
 کہ یا اللہ! تیرے راستے میں علمِ دین حاصل کرنے جا رہا ہوں مگر مجھے جوتا تک نصیب نہیں آپ  
 فرماتے ہیں اسی حالت میں تنگے پاؤں کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا۔ نمازِ جمعہ کے بعد میں نے  
 دیکھا دروازے پر ایک آدمی بیٹھا مانگ رہا تھا اس کے دونوں پاؤں ہی نہیں تھے شیخ  
 سعدی فرماتے ہیں میں فوراً مسجد میں گیا اور سجدہ میں گر گیا اور رو کر اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا  
 یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھے پاؤں تو عطا فرمائے ہیں وہ لوگ بھی ہیں جنہیں  
 پاؤں بھی نصیب نہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کو چاہیے کہ اپنے سے کم مرتبہ والے  
 کو دیکھے اعلیٰ کو نہ دیکھے ورنہ اس کے دل میں احساسِ کمتری پیدا ہو جائے گا۔  
 حضرات! انسان کے لیے ضروری ہے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے  
 یہ نہیں کہ مصیبت آئے تو زبانِ یادِ الہی میں مصروف ہو جائے اور جب آرام نصیب ہو تو  
 پھر پروردگارِ عالم کو ہی بھول جائے جیسے اللہ سے کوئی وعدہ ہی نہیں کیا تھا۔

اس حقیقی خوشی و مسرت کے دن مسلمانوں کے لیے لازم ہے  
 فضولیات سے پرہیز کر زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ نہایت افسوس  
 کا مقام ہے کہ آج مسلمانوں میں خوشی کے دن بے شمار فضول باتیں داخل ہو چکی ہیں۔ یہ دن  
 تسبیح و تہلیل میں گزارنے کے بجائے لہو و لعب میں گزار دیا جاتا ہے۔ تماشے، سینما،  
 تھئیٹر اس دن زوروں پر ہوتے ہیں۔ یہ اسلام کی عید نہیں جہالت کی عید ہے۔ مسلمان کی  
 عید تو یہ ہے کہ فضا اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل سے گونج اُٹھے مگر اس کے برعکس آج یہ  
 حالات ہیں کہ دنیا کی کوئی بیماری نہیں جو مسلمانوں میں رائج نہ ہو گئی ہو۔ بٹیر بازی، کبوتر بازی،  
 پتنگ بازی، کم تو لٹا، دھوکہ بازی، ٹھگ بازی، چوری، جھوٹ، دغا، قتل

اس قدر عام ہو چکے ہیں کہ ان کی اصلاح کی تمام راہیں مسدود ہوتی نظر آتی ہیں اور پھر اس بڑھ کر یہ بات ہے کہ اگر کوئی مبلغ ان کے خلاف آواز اٹھاتا ہے تو اسے یہ کہہ کر خاموش کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اُن کا اپنا فعل ہے، اچھا ہے یا بُرا۔ آپ کو اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

ایک مسٹر صاحب گوجرانوالہ گھوڑا خریدنے جا رہے تھے، مسجد کے پاس سے لطیف گزرے۔ مسجد کے امام صاحب سے واقفیت تھی۔ سلام کیا۔ امام صاحب نے فرمایا: کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے، گوجرانوالہ منڈی لگ رہی ہے وہاں گھوڑا خریدنے جا رہا ہوں کل واپس آجاؤں گا۔ امام صاحب نے فرمایا: یوں کیے انشاء اللہ العزیز۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو کام آئندہ کرنا چاہو پہلے انشاء اللہ ضرور کرو۔ مسٹر نے کہا کہ تم مولوی لوگوں کو ان شاء اللہ اور لاحول ولا قوتہ کے بغیر اور کچھ یاد ہی نہیں ہوتا۔ سات سو روپیہ میرا اپنا کھایا ہوا ہے، روپیہ میرا، گھوڑا لینے جا رہا ہوں ان شاء اللہ کا کیا دخل! مولوی صاحب نے کہا مسٹر صاحب! وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ ہم پر تو سنا نافرمانی ہے۔ مسٹر صاحب ریلوے اسٹیشن پر پہنچے گاڑی پر سوار ہونے لگے تو کسی جیب تراش نے ان کی جیب پر ہاتھ صاف کر لیا۔ مسٹر صاحب بے خبر منڈی پہنچے اور کئی گھوڑے دیکھے مگر مسٹر صاحب یہ کہ انہیں کوئی پسند ہی نہیں آتا۔ آخر ایک گھوڑا اچھا لگا اس کے مالک سے پوچھا اس کی قیمت کیا ہے؟ اس نے کہا، ایک ہزار روپے۔ مسٹر نے کہا، ایک ہزار بہت زیادہ ہے چھ سو دوں گا۔ ایک سو روپے گھوڑے والے نے کم کر دیے۔ ایک سو اس نے زیادہ کیے اور سات سو پر سودا ہو گیا۔ جو نہی مسٹر صاحب نے سات سو روپے نکالنے کے لیے ہاتھ جیب میں ڈالا، تنہی ہی چلا گیا بہت شرمندہ ہوا۔ واپس آیا تو دوبارہ مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ مولوی صاحب نے کہا، سنائیے مسٹر صاحب۔ مسٹر صاحب نے کہا مولوی صاحب! بات یہ ہے کہ جب میں آپ کے پاس سے ان شاء اللہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچا، ان شاء اللہ بڑے گھوڑے دیکھے، کوئی ان شاء اللہ پسند ہی نہ آیا، آخر ایک پسند آیا ان شاء اللہ گھوڑے کے مالک سے کہا ان شاء اللہ کیا لینا ہے، اس نے



کہا، ان شاء اللہ ایک ہزار، میں نے کہا ان شاء اللہ چھ سو۔ اس نے کہا ان شاء اللہ  
 نو سو۔ میں نے ان شاء اللہ سات سو کہا اور سودا ہو گیا۔ ان شاء اللہ العزیز مولوی صاحب  
 جب میں نے ہاتھ جیب میں ڈالا تو ان شاء اللہ ہاتھ نیچے ہی چلا گیا۔ مولوی صاحب نے کہا  
 اب وقت گزر جانے پر ان شاء اللہ کے ورد کا کیا فائدہ! ۱۰

وقت پر کافی ہے قطرہ آبِ خوش ہنگام کا

جل گیا جب کھیت برسا مینہ تو پھر کس کام کا

میاں محمد صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں، ۱۰

جاں کھیتی دا لکھ نہ رہیا نہ سُکا نہ ہریا

کس کم دھپ سُکا ون والی کس کم بدل رہیا

مسلمان کی شان یہ ہے کہ ہر وقت اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش  
 کرے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کرنے کی  
 توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت حذیفہ اور حضور کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا مطالعہ فرمائیے تو  
 یہ بات کتنی واضح نظر آئے گی کہ ان کی زندگی کا ہر  
 لمحہ اسلامی احکام کا عملی نمونہ تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق میں  
 ہمارے ایک طرف کفار کا لشکر تھا جو ہم پر حملہ کے لیے تیار تھا اور دوسری طرف اندرونی  
 دشمن بنو قریظہ کے یہودی اس امر کے منتظر تھے کہ مدینہ منورہ کو خالی دیکھ کر ہم فوراً حملہ کریں  
 ہم لوگ دفاع کے انتظام میں مصروف تھے۔ منافق اپنے گھر کے تنہا اور خالی ہونے کا بہانہ کر کے  
 حضور علیہ السلام سے اجازت لے لے کر واپس جا رہے تھے۔ اسی دوران ایک زبردست  
 آندھی آئی جس کی شدت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اندھیرا اس قدر زیادہ تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ  
 دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بادلوں کی کڑک، شور اور بجلی کی چمک اس شدت کو اور زیادہ کر رہی تھی  
 ہم تقریباً تین سو صحابہ ایک جگہ موجود تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کا حال دریافت  
 فرما رہے تھے جب حضور علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے تو میری حالت یہ تھی کہ میرے

پاس نہ تو دشمن سے بچاؤ کے لیے کوئی ہتھیار اور نہ سردی سے بچنے کے لیے کوئی کپڑا، صرف ایک چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی وہی میں اوڑھے ہوئے زمین کے ساتھ چٹا بیٹھا تھا حضورؐ نے فرمایا، کون ہے؟ میں نے عرض کیا، حذیفہ۔ اور میں سردی کے مارے اٹھ ہی نہ سکا۔ حضورؐ نے فرمایا، حذیفہ جلدی دوڑ کر جاؤ اور دشمن کے لشکر کی خبر لاؤ کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ حذیفہ فرماتے ہیں میں اس وقت گھبراہٹ اور سردی کی وجہ سے سخت خستہ حال تھا مگر حضور علیہ السلام کے حکم کو سنتے ہی فوراً کھڑا ہو گیا اور دشمن کے لشکر کی طرف چل دیا۔ جب میں جانے لگا تو حضورؐ نے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ احْفَظْ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهِ وَ عَنْ يَمِيْنِهِ  
وَ عَنْ شَمَالِهِ وَ مِنْ فَوْقِهِ وَ مِنْ تَحْتِهِ ۔

یا اللہ! اس کی حفاظت کر سامنے سے، پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے،  
اوپر اور نیچے سے!

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے اس ارشاد سے میرے قلب میں ایک انقلاب آ گیا، مجھ سے خوف اور سردی بالکل دور ہو چکی تھی اور ہر قدم پر یہ معلوم ہوتا تھا جیسے میں گرمی میں چل رہا ہوں۔ حضورؐ نے چلتے وقت یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ کوئی پھیر چھاڑ نہ کرنا، خاموشی سے دیکھ کر واپس آ جانا۔ جب میں دشمن کے لشکر کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ان کے خیموں پر پتھر برس رہے ہیں۔ خیموں کی رتیاں ٹوٹ رہی ہیں۔ ٹھوڑے اور دوسرے جانور ہلاک ہو رہے ہیں ابوسفیان جو اس وقت ساری فوجوں کا سردار تھا اپنے خیمے میں آگ سبک رہا تھا۔ میں بھی خیمے میں داخل ہو گیا۔ دل میں خیال آیا موقع اچھا ہے ابوسفیان سے پنٹ لوں۔ ترکش سے تیر نکالا تو حضور علیہ السلام کا حکم یاد آ گیا کہ خاموشی سے واپس آ جانا کوئی پھیر چھاڑ نہ کرنا۔ میں نے تیر پھر ترکش میں ڈال دیا۔ ان کو شبہ ہو گیا کہنے لگے ہم میں کوئی جاسوس ہے۔ ہر شخص اپنے ساتھ والے کا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے بھی جلدی سے ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا تو کون ہے؟ وہ کہنے لگا، سبحان اللہ! تو مجھ کو بھی نہیں جانتا میں فلاں ہوں۔ اس کے بعد چپکے سے واپس آ گیا۔ جب ادھر راستہ طے کر لیا تو چند سوار مارہ پھرنے لگے



ملے۔ انہوں نے کہا، حذیفہ اپنے آقا سے کہہ مینا آپ بے فکر رہیں اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کا انتقام کر لیا ہے وہ دیکھو واپس بھاگے جا رہے ہیں۔ میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے، فراغت پر وہاں کا منظر جو میں نے دیکھا تھا بیان کر دیا۔ جاسوس کا قصہ سن کر حضور کے دندانِ مبارک چمکنے لگے۔

جس کی تسکین سے روتے ہوئے نہیں بیٹیں

اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

حذیفہ فرماتے ہیں پھر حضور نے مجھے اپنے پاؤں کے نزدیک لٹایا اور چادر کا ایک پتہ مجھے عطا فرما دیا۔ میں نے حضور علیہ السلام کے مبارک قدموں کو اپنے سینے سے لگالیا۔ سبحان اللہ! صحابہ کرام کی بھی کیا زندگی تھی، ان کے لیے کوئی مصیبت و مشکل بھی حضور علیہ السلام کے حکم پر عمل کرنے سے مانع نہ ہو سکتی تھی وہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر ہر وقت عمل پیرا ہونے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔ وہ بلندی کردار جو صحابہ کرام کی زندگیوں میں نظر آتی ہے یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ جو کام حضور کو کرتے دیکھا اسی پر فوری طور پر عمل شروع کر دیا۔ آپ ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصالِ کریمانہ پر ایک نظر ڈالیں صحابہ اسی کے پکیرتے تھے۔

۱۔ حضور علیہ السلام ہمیشہ کو چارہ خود ڈال لیا کرتے تھے۔

خصائلِ نبوی ۲۔ اونٹ باندھتے، گھریں صفائی کرتے۔ ۳۔ بکری کا دودھ دودھ لیا کرتے۔

۴۔ خادم کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ ۵۔ خادم کو اس کے کام میں مدد دیتے۔

۶۔ بازار سے خود سودا لے آتے۔ ۷۔ ہر چھوٹے بڑے کو سلام پہلے فرماتے۔

۸۔ غلام و آقا، حبشی و ترک کی میں ذرا فرق نہ فرماتے۔ ۹۔ ہر شخص کی دعوت قبول کر لیتے۔

۱۰۔ ہر ایک پر رحم فرماتے۔

۱۱۔ زبان پر کوئی گندی بات نہ لاتے۔ ۱۲۔ کسی پر لعنت نہ فرماتے۔

۱۳۔ ہر شخص کی قدر و منزلت سے آگاہ رہتے۔ ۱۴۔ اطاعت گزار کو خوشخبری فرمایا کرتے۔

۱۵۔ گنہ گاروں کو ڈر سنایا کرتے۔ ۱۶۔ بے سہاروں کو پناہ دیتے۔

۱۷۔ بلند آواز سے کلام نہ فرماتے۔ ۱۸۔ معافی مانگنے والے کو معاف فرما دیتے۔



۱۹۔ کسی کا دل نہ دکھاتے۔ ۲۰۔ لباس سادہ پہنتے۔

۲۱۔ کھانا بھی سادہ تناول فرماتے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصالِ بکریمہ کی یہ ایک مختصر سی جھلک تھی جس پر صحابہ کرم عمل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے۔

آئیے! آج عید کے دن ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کریں کہ ہم ہمیشہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ پروردگارِ عالم ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عید الفطر کی خوشی تب ہی حقیقی خوشی ہو سکتی ہے جب تمام مسلمان مل کر عید منائیں اس وقت کئی ملک میں مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ گرائے جا رہے ہیں۔ خصوصاً ہندوستان اور کشمیر کے مسلمان تو مسلسل سالوں سے ظلم کی چکی میں پستے جا رہے ہیں۔ جب تک کشمیری بھائی آزاد ہو کر ہمارے ساتھ عید کی خوشیوں میں شامل نہیں ہوتے ہماری عید عید نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے انہیں جلد آزادی کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔

# ماہ ذوالقعدہ کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ  
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ  
وَعَلَى آلِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ

الْمُهْدِيَيْنِ ۝

أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ  
أَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَ  
تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِينُ تُرَضُّونَهَا أَحَبَّ  
إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى  
يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

(سورہ توبہ)

”فرما دیجئے اگر تم کو تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور

قبیلے اور تمہارا کمایا ہوا مال اور جس تجارت میں تمہیں نقصان کا

خطرہ ہو اور پسندیدہ گھر زیادہ پیارے ہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے تو اللہ کے عذاب کی انتظار کرو۔ اللہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

حضرات! یہ آیہ کریمہ جس کو میں نے عنوانِ تقریر بنایا ہے، ایک طویل مضمون کی حامل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تمہیں یہ آٹھ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز ہیں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔ معلوم ہوا کہ اللہ کا رسول اور جہاد میں ہر چیز سے مقدم اور عزیز سمجھنا چاہیے۔ جن حضرات نے واقعی ایسا کیا اور یہ تمام چیزیں اللہ کی راہ میں قربان کر دیں وہ ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے۔ فتح و نصرت نے بڑھ کر ان کے قدموں کو نو سے دیے۔ آئیے اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ اعلانِ نبوت سے پہلے بہت مالدار تھے اپنا تمام مال اللہ کی راہ میں قربان کر دیا، کئی غلام آزاد کیے، جنگوں میں بے پناہ مال دیا۔ حضور علیہ السلام کے مؤذن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی آپ ہی نے خرید کر آزاد کیا تھا مولانا جلال الدین رومی فرماتے ہیں کہ آپ حضرت بلال کو خرید کر حضور اکرم کی بارگاہ میں لے آئے اور حاضر ہو کر عرض کی، اے

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو

کوشش آزاد ہم بر روئے تو

یا رسول اللہ صلی اللہ علیک و آلہ و سلم! ہم آپ کی بارگاہ میں دو غلام آئے ہیں بلال بھی غلام ہے اور صدیق بھی۔ میں نے اسے حضور کے نام پر آزاد کر دیا۔ یونہی ایک مرتبہ آپ نے تمام گھر کا مال حضور علیہ السلام کی بارگاہِ عالیہ میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا: صدیق بھر میں کیا چھوڑ آئے ہو تو عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول سے

پروانے کو چہ درخ اور بیل کو پھول بس

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس



ایک طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مال ہے اور ایک طرف اللہ اور اس کا رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کی ضرورت، صدیق اکبر نے مال کی پروا تک نہیں کی۔

حضور علیہ السلام نے ایک دن صحابہ سے فرمایا، کیا کسی نے جنتی انسان جنتی آدمی دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، ضرور دیکھیں گے۔ تو آپ نے فرمایا: جس نے جنت کا انسان دیکھا ہو فَلْيَنْظُرْ إِلَى ابْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ۔ پس صدیق اکبر کو دیکھ لے۔

آپ اندازہ لگائیں کہ جس کے لیے حضور علیہ السلام دنیا میں ہی جنت کی بشارت عطا فرمادیں اس کی شان کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔۔۔  
 اَنْ اَمَنَّ النَّاسَ بِرَمْلَتَيْهِمَا اَنْ يَكْلِمَ اَوَّلَ سَيْنَايَ مَا  
 بِهَمَّتْ اَوْ كَشَتْ مِلَّتْ رَايَهِمَا ثَمَانِيْ اِسْلَامٍ وَ غَارُ وَ بَدْرٍ وَ قَبْرِ  
 حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ حضور علیہ السلام کے ساتھ گزارا ہے۔ سفر و حضر، اُحد و بدر جس جگہ بھی دیکھے صدیق اکبر ہم رکاب ہیں۔ اس خدمت کا ثمرہ یہ ہوا کہ قیامت تک روزنہ انور میں بھی ساتھ ہی جگہ عطا فرمادی گئی۔ کسی پنجابی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔۔۔

بچ پال پریتاں نوں توڑ دے نہیں

جندی بانہ پھر دے پھر چھوڑ دے نہیں

حضرت صدیق اکبر کی قسمت کا بھی اندازہ کون کر سکتا ہے، وہاں لیٹے ہیں جہاں ستر ہزار فرشتے دن کو اور ستر ہزار رات کو حاضری دے کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ مدینہ منورہ میں حضرت ابو طلحہ انصاری سب سے زیادہ باغات کے مالک تھے آپ کے ایک

باغ کا نام تھا ”بڑحاء“۔ وہ باغ ابو طلحہ کو بہت ہی پیارا تھا اس میں پانی بھی زیادہ تھا، مسجد نبوی کے بالکل قریب تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس میں تشریف لیجا یا کرتے اور وہاں سے پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ جب قرآن کریم کی یہ

آیت مبارکہ نازل ہوئی :

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۔

”تم اس وقت تک نیکی کے کامل درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جب تک اللہ کی راہ میں وہ خرچ نہ کرو جو تم کو عزیز ہے۔“

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ میرے ماں آپ پر قربان ہوں مجھے سب سے زیادہ محبوب میرا یہی باغ ہے اسے آپ اللہ کی راہ میں جیسے مناسب سمجھیں خرچ فرمادیں۔ آپ نے فرمایا، بہت ہی اچھا مال ہے اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہے ایسا کرو اسے اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کر دو۔ ابو طلحہ نے اللہ کی رضا پر باغ تقسیم کر دیا۔

آپ کا لقب ذوالنورین ہے۔ آپ کے نکاح میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آئیں۔ یہ مقام آپ کے بغیر کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

نور کی سرکار سے پایا دوشالا نور کا

ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

آپ بہت مالدار تھے۔ بے پناہ مال اسلام کی راہ میں قربان کیا۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا کہ عثمان نے جنت خرید کر لی ہے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سخاوت کی وجہ سے آپ کا لقب قلب السخا

مشہور تھا۔ یوں تو حضور علیہ السلام کا سارا گھرانہ ہی سخی تھا مگر ان کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بہت ہی مشہور تھا۔ ہر روز کئی کئی مہمان آتے آپ ان کی مہمان نوازی میں ہمیشہ مشغول رہتے۔ جو کچھ جمع ہوتا خرچ فرماتے۔

ایک مرتبہ ایک تاجر بہت سی شکر لے کر آیا، بازار میں فروخت نہ ہوئی اسے بڑا ہی

افسوس ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا آپ نے اپنے خادم کو بھیج کر تمام شکر خرید لی اور اسی وقت اس شہر میں تقسیم فرمادی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کے ذمہ میرے والد صاحب کا قرض ہے جو تقریباً دس لاکھ درہم ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: بہت اچھا، جب چاہو لے لینا۔ اس کے بعد فوراً مجھے معلوم ہو گیا کہ معاملہ برعکس ہے قرض تو ہمارے ذمہ ہے۔ دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: حضور! مجھ سے غلطی ہوئی، قرض تو آپ کا ہمارے ذمہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ابن زبیر! میں نے معاف کر دیا ہے۔ ابن زبیر نے عرض کی: میں معاف کرانا نہیں چاہتا۔ کہا: بہت اچھا، جب سہولت ہو دے دینا۔ میں نے کہا: اس کے بدلے زمین لے لو۔ بولے: بہت اچھا۔ میں نے زمین کا ایک ٹکڑا دیے دیا۔ آپ نے خادم سے کہا اس پر مصیٰ بچھا دو۔ مصیٰ بچھا دیا گیا۔ آپ نے وہاں نفل ادا فرمائے اور دیر تک گریزاری کرتے رہے۔ بعدہ خادم کو حکم دیا کہ اسے کھودو۔ کھودا تو فوراً پانی کا ایک چشمہ نکلا۔ پھر آپ نے یہ زمین اللہ کی راہ میں دے دی۔

کر بلا کی قربانیاں دنیا کی تاریخ ان قربانیوں کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ علی اکبر کا لاشہ سامنے تڑپ رہا ہے۔ علی اصغر کے حلق میں تیر لگ چکا ہے۔ کہنے کا ایک ایک فرد راہِ حق پر قربان ہو چکا ہے مگر زہراء کا نورِ نظر ہے کہ جبین پر ذرہ بھر بھی شکن نہیں، زبان پر حرفِ شکایت نہیں۔ راضی بہ ضحائے الہی ہے۔ آپ اندازہ فرمائیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک عورت ہیں، عورت فطرۃً مصائب سے گھرا جاتی ہے مگر کروڑ کروڑ رحمت ہو فاطمۃ الزہراء کی اس لختِ جگر پر عون و محمد دو شہزادے اللہ کی راہ میں پیش کر چکی ہے۔ بھتیجے، بھائی بھی قربان ہو رہے ہیں۔ معصوم بھتیجی حضرت سکینہ گودی میں اٹھائے ہوئے ہیں اور سکینہ پیاس سے تڑپ رہی ہے۔ حلق خشک ہو چکا ہے اب تو رونے کی آواز بھی نہیں نکلتی۔ یہ حالت زینب سے دیکھی نہ جاسکتی۔ بھائی عباس کو کہا: یہ



غازی عباس بھیا دریا پہ دوڑ جانا مشکیزہ یہ اٹھا کر پانی تو جلد لانا  
 پیاسی مری سکینہ دنیا سے جا رہی ہے پیاسوں کی غمگاہ سے آواز آ رہی ہے  
 غازی کہ ہر گئے ہو آواز آ رہی ہے

ایک شاعر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ حضرت زینب کو حندراج عقیدت  
 پیش کرتا ہے :

و کہ بھری تیری داستان زینب ہر قدم تازہ امتحاں زینب  
 جھیل کر اتنی سختیاں زینب بن گئیں دین کی پاسبان زینب  
 یاد آتا تو ہو گا رہ رہ کے وہ ترا اکبر جوان زینب  
 نشر ہو گیا ہے کار حسین تم گئی ہو جہاں جہاں زینب

ایک انصاری عورت اُحد کے میدان میں کئی مسلمان شہید ہوئے۔ جب یہ خبر  
 مدینہ طیبہ پہنچی تو بہت سی عورتیں پریشان ہو کر باہر نکلیں۔  
 ان میں ایک انصاری عورت تھی۔ اس جنگ میں اس عورت کا والد، خاوند اور بیٹا  
 بھی شہید ہو چکے تھے مگر وہ ان سے کسی کا پتا دریافت نہیں کر رہی تھی اسے صرف ایک ہی  
 بے قراری تھی "کوئی بتا دو کہ حضور علیہ السلام کیسے ہیں؟" بس یہی پوچھتی پھرتی تھی۔ کسی  
 نے کہا تیرے والد شہید ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔  
 پھر حضور ہی کا پتا دریافت کرتی ہے اور آواز آتی تیرا خاوند اور بیٹا بھی شہید ہو گئے۔ اس نے  
 اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر پھر بھی حضور ہی کا پتا دریافت کیا۔ اس کے قلب میں کائنات کی ہر چیز  
 سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت زیادہ تھی۔ کسی نے بتایا الحمد للہ! حضور علیہ السلام  
 بالکل صحیح سلامت ہیں۔ وہ عورت فوراً حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور زیارت سے  
 مشرف ہوئی تب اسے سکون ملا اور عرض کیا : یا رسول اللہ! طر  
 کُلِّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ

اسی اُحد کے میدان میں ایک صحابی  
 حضرت عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ حضرت عمارہ بن زیاد رضی اللہ عنہ کے

تیر لگا اور جسم میں پھنس کر رہ گیا۔ ہر چند کوشش کی مگر تیر نہ نکلا۔ زخم گہرا تھا، خون کافی بہہ چکا تھا۔ کمزوری زیادہ ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے دیکھا کہ چند قدموں کے فاصلے پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ صحابی کے دل میں خیال آیا کاش ایسا ہو جائے کہ میرا سر ہو اور حضور کے مبارک قدم، آخر اس نے اُسٹھنے کی کوشش کی مگر گر گیا۔ پھر جسم کو زمین پر کھینچ کر اپنا سر حضور علیہ السلام کے مبارک قدموں پر رکھا اور رُوحِ حقِ منبری سے پرواز کر گئی۔ کیا ہی عجیب منظر تھا نزع کا وقت ہے۔ عاشق کا سر اپنے محبوب کے قدموں میں پڑا ہوا ہے۔

گر وقت اجل سر تیری چوکھٹ پہ دھرا ہو

جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

واقعہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالک سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ ہو سکے تھے۔ آپ اپنی داستانِ خود بیان فرماتے ہیں:۔

کہاں سے لائیگا قاصد دہن میرا زباں میری

یہی بہتر ہے خود مجھ سے وہ سن لے اتناں میری

آپ فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے ہماؤ تبوک کا اعلان فرمایا۔ اس وقت میرے پاس کافی مال کے علاوہ بہترین قسم کی سواریاں بھی موجود تھیں۔ صحابہ نے تیاری کی تو میرے دل میں خیال آیا کہ میرے پاس سامانِ تیار ہے لہذا فوراً ساتھ مل جاؤں گا۔ حتیٰ کہ دن یاد آگیا۔ جب کوچ ہوا میری سستی اور کچھ اپنی تیز رفتاری پر میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں صبح بھی لشکر کے ساتھ مل سکتا ہوں۔ یونہی رات گزر گئی۔ صبح سورج طلوع ہوا تو میں نے ارادہ کیا مگر پھر خیال آیا کہ معمولی بات ہے ایک دو دن کے بعد چلوں گا تو قریب ہی لشکر کے ساتھ مل جاؤں گا۔ یہی کچھ ہوتا رہا اور میری قسمت کہ میں اس غزوہ میں شامل نہ ہو سکا حتیٰ کہ اطلاع ملی کہ لشکر تبوک پہنچ گیا ہے میں بہت شرمندہ تھا

کہ حضور علیہ السلام کو کیا منہ دکھاؤں گا! مینہ میں ضعیفوں، بچوں اور عورتوں کے بغیر کوئی جوان آدمی نظر نہ آتا تھا۔ چند دنوں کے بعد خبر آئی کہ حضور علیہ السلام واپس تشریف لائے۔ میں نے تہیہ کیا کہ آپ کی بارگاہ میں جھوٹ نہیں بولوں گا اور سب بات سچی سچی عرض کروں گا۔ تب تک پہنچ کر حضور علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کعب نے کیا کیا۔ صحابی نے عرض کیا کہ اس کو کثرت مال نے روک لیا ہے۔ اس پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلط ہے۔

وَاللّٰہِ یَا دِرَسُوْلَ اللّٰہِ مَا عَلِمْنَا اِلَّا خَیْرًا۔

”خدا کی قسم ہے کعب میں بہتری کے سوا کچھ نہیں جانتے۔“

یقیناً کوئی عذر ہو گا جس کی وجہ سے وہ رہ گئے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ ایک دن میرے گھر والوں نے میرے لیے شاندار بستر بچھایا مگر میں نے اس پر سونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم گرمی اور ٹھنڈی میں ایسے نرم بستر پر کیسے آرام کر سکتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے دن بڑی مشکل سے کٹتے تھے۔ آخر وہ دن آگیا۔ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ کعب! تجھے کیا ہو گیا تھا؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! نہ میں بیمار تھا اور نہ کوئی عذر، صرف سستی کی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تمہارا فیصلہ خدا کے سپرد کرتا ہوں میں وہاں سے رخصت ہو کر گھر چلا آیا۔ منافقین اور کچھ دوسرے لوگوں نے جو پیچھے رہ گئے تھے، حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں کئی قسم کے عذر اور بہانے پیش کر دیتے تو آپ راضی ہو جاتے مگر میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جو سچی بات تھی حضور کی خدمت میں عرض کر دی ہے اسے ہرگز نہ بدلوں گا۔ پھر میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ کیا میری مثل معاملہ کسی اور سے بھی ہوا ہے؟ تو اس نے کہا: ہاں دو بدری صحابی بھی اس سلسلے میں تمہارے ساتھ شامل ہیں تو میں نے سوچا جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں نے حضور کی بارگاہ میں سچی بات عرض کی ہے اور نجات ہمیشہ سچی بات میں ہی ہوتی ہے۔ میرے دوسرے دونوں ساتھی تو گھر میں بیٹھ کر روتے رہتے تھے وہ ذرا ضعیف تھے اور



میں جو ان تھا، بازار میں جاتا اور کاروبار کرتا اور مسجد نبوی میں نماز باجماعت پڑھتا۔ چند دن بعد حضور علیہ السلام نے تمام صحابہ کرام کو حکم دیا کہ کوئی ہم تینوں سے بات نہ کرے۔ چنانچہ ہماری عجیب حالت تھی، جہاں جاتے کوئی بات کرنے کو تیار نہ ہوتا، کسی کو سلام کہتے ہیں تو وہ جواب میں کہتا ہے اللہ و دسولہ اعلم۔ میں مسجد میں حاضر ہوتا اور حضور جلوہ فرما ہوتے تو السلام علیکم عرض کرتا اور دیکھتا کہ حضور علیہ السلام کے لب مبارک جواب میں حرکت فرماتے ہیں یا نہیں۔ جب میں نماز میں کھڑا ہوتا تو حضور میری طرف دیکھتے۔ جب میں متوجہ ہوتا تو اعراض فرما لیتے۔ وقت گزرتا گیا مگر سارے مدینے میں کوئی ہم سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک دن بازار جا رہا تھا تو مجھے ایک آدمی ملا اس نے کہا کیا تم کعب بن مالک ہو؟ میں نے کہا ہاں کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں غسان کے بادشاہ کا ایک خط تمہاری طرف لایا ہوں۔ میں نے خط پڑھا تو اس میں لکھا تھا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارا نبی تم پر ناراض ہو گیا ہے اور تمہیں سارے شہر میں ذلیل کیا جا رہا ہے تم اس قابل نہیں تم عزت والے ہو۔ بہتر ہے کہ ہمارے پاس آ جاؤ ہم تمہاری ہر طرح عزت کریں گے۔ یہ خط دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ظلم کی انتہا ہے کہ کفر مجھ سے یہ اُمید رکھتا ہے کہ میں اپنے آقا کا دامن چھوڑ دوں۔ میں دنیا کی ہر چیز اس کے قدموں پر نثار کرنے کو تیار ہوں۔ میرا مال، جان، اولاد ہر چیز حضور کے قدموں پر قربان ہے۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے اس قاصد کے سامنے اس خط کو پھاڑ کر آگ میں پھینک دیا۔ تھوڑی دیر بعد حضور علیہ السلام کی طرف مجھے حکم ملا کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ۔ میں نے حکم لانے والے سے پوچھا کیا حضور کا یہ حکم ہے کہ طلاق دے دوں۔ اس نے کہا نہیں صرف علیحدگی۔ میں نے اپنی بیوی کو اس کے گھر بھیج دیا۔ اسی حالت میں مجھے پچاس راتیں گزر گئیں۔

ایک دن صبح کے وقت میں ایک پہاڑی پر کھڑا تھا، ایک شخص گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور کہا: کعب! تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری دعا قبول کر لی اور تم اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ میں نے اسی دن سجدہ شکر ادا کیا اور دوڑتا ہوا حضور کی

بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضرت طلحہ نے اُنھ کو مجھ سے مصافحہ کیا اور صحابہ نے مباہکبادیاں دیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک خوشی سے ایسا پتک رہا ہے جیسے چاند کا ٹکڑا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا: کعب! تجھے مبارک ہو آج کا دن تیری تمام زندگی کے دنوں سے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جی میں آتا ہے کہ اس خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دوں۔ حضور نے ایسا کرنے سے منع کیا اور فرمایا: کچھ مال خیرات کر دو اور باقی اپنے پاس رکھو۔

قرآن کریم سورہ کعب میں اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک دو آدمی غریب آدمی تھا اپنی ہر چیز سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا تھا، اور دوسرا وہ جس کے پاس بہت سا مال تھا، باغات تھے اور انھیں اپنی کوشش کا نتیجہ سمجھتا تھا۔ ارشاد الہی ہوتا ہے وہ امیر شخص اپنے ہرے بھرے پھلوں سے لدے ہوئے باغوں میں داخل ہوا تو بولا:

مَا أَظُنُّ أَنْ يَلِيَدَ هَذِهِ أَبَدًا ۖ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ  
قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِّدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا  
مُنْقَلِبًا

میرا خیال ہے کہ یہ باغات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اور قیامت بھی قائم نہیں ہوگی اور اگر میں اللہ کے سامنے پیش ہوا تو وہ اس سے بہتر عطا فرمادے گا۔

اس کے ساتھی نے کہا:

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ  
یعنی جب تُو اپنے باغ میں داخل ہو تو تجھے چاہیے کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ  
پڑھا کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری دشمنی کے سبب اللہ تجھ سے یہ سارا مال چھین لے۔  
اس نے کہا: کیسی بات کرتا ہے یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں امیر ہوں اور امیر ہی  
رہوں گا۔ باغات اور مال میری اپنی کوششوں کا نتیجہ ہیں اور یہ میرے ہی رہیں گے۔

کوئی انہیں ختم نہیں کر سکتا اور تو غریب ہے اور غریب ہی رہے گا۔

غریب بولا: اللہ بے پروا ہے چاہے تو صبح تک تیرے باغات ختم ہو جائیں اور اس سے بہتر مجھے عطا فرما دے۔ چنانچہ وہی ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے رات گزری:  
 فَاصْبِرْ يَقْلِبُ كَفْيِهِ عَلَىٰ مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ  
 عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا۔

صبح ہوئی تو کفِ افسوس مل رہا تھا اور تمام باغات لٹا دیے گئے تھے اور کہتا تھا ہائے افسوس! میں نے کیوں شرک کیا۔ اور کہا کہ میری اپنی کوششیں ہیں۔ دوسری طرف وہ غریب جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور تکیہ رکھنے والا تھا صبح ہوئی تو امیر تھا، بے پناہ دولت نہ جانے کہاں سے آگئی بلکہ اس نے اسی وقت سجدہ شکر ادا کیا اور کہا یا اللہ! یہ سب کچھ تیرا ہی عطا کردہ ہے اور اسے تیرے ہی راہ میں خرچ کروں گا۔ تمام مال جتنا آیا تھا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ دوسری صبح اس سے زیادہ ملا وہ خرچ کیا تو تیسری صبح اس سے بھی زیادہ عطا کر دیا گیا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔



## ماہ ذوالحجہ کی تفسیر

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ  
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ الْأَمِينِ وَعَلَى  
آلِهِ الطَّيِّبِينَ الظَّاهِرِينَ وَأَصْحَابِهِ الْهَادِينَ

الْمُهْدِيَيْنِ ۝

أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنَئُ رَأْيِي أَرَى فِي

النَّامِ أَرَى أَذْبَحُكَ فَأَنْظُرُ مَاذَا تَرَى ۝ قَالَ يَا بَتِ

أَفْعَلْ مَا تَوْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنْ

الضَّرِيتِ ۝

”پھر جب وہ اس کے ساتھ چلنے کے قابل ہو گیا، کہا اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ کہا اے میرے باپ! کیجئے جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔“

حضرات! یہ مہینہ نہایت ہی عظمت اور مرتبہ والا ہے۔ اس کا پانڈ نظر آتے ہی ہر قلب میں اس عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جس کی مثال تاریخ انسانی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ مہینہ اصل میں اس جلیل القدر پیغمبر کی یادگار ہے جن کی زندگی قربانی کی عظیم مثال تصویر تھی۔ یہ جد الانبیاء خلیل اللہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ آپ اندازہ فرمادیں وہ کون سا امتحان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ سے نہیں لیا۔ مگر کر دڑ کر درس لام ہو آپ کی ذات والا صفات پر کہ کسی میدان میں بھی پائے ثبات کو لغزش نہیں آئی۔

دنیا میں دو چیزیں سب سے عزیز ہوتی ہیں، جان اور اولاد۔ غمزدگی دو چیزیں جلائی ہوئی آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے خلیل اللہ علیہ السلام کو گوپٹے میں ڈال کر پھرایا جا رہا ہے یا منجنیق کے ذریعے پھینکنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ کفر و خوش ہے کہ آج کے بعد ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے والا کوئی نہیں ہوگا، مخالفت ہمیشہ کے لیے ختم ہو اچا ہوتا ہے۔ ادھر حضرت جبریل حاضر ہوتے ہیں۔ اے اللہ کے پیارے خلیل! کوئی حکم، کوئی حاجت؟ آپ نے فرمایا: اَمَّا اِلَيْكَ فَلَا تیرے ساتھ کوئی حاجت نہیں؟ پھر جبریل نے عرض کی: اچھا تو اللہ کی بارگاہ میں عرض کیجئے کہ مجھے آگ میں ڈالا جا رہا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہ

جانتا ہے وہ مرا رب جلیل

آگ میں پڑتا ہے اب اس کا خلیل

فرمایا: اے کیوں کہوں، کیا وہ سمیع و بصیر نہیں ہے؟ یہاں ایک بات عقل محض نے

بھی کہی۔ عقل نے کہا: ابراہیم جان بڑی عزیز ہوتی ہے

عقل بولی کہ بڑی شے جان ہے

عشق بولا یار پر قربان ہے

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں: ہ

بے خطر کو دپڑا آتشِ نمرود میں عشق  
 عقل ہے محو تماشا نے لبِ بامِ ابھی  
 عقل ابھی تماشا ہی دیکھ رہی تھی کہ عشق نے پھلانگ لگا دی۔ اللہ تعالیٰ نے  
 آگ کو حکم دیا،

يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝

”اے آگ! میرے ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی ہو جا!“

جان کے بعد پھر اولاد کا مقام آتا ہے۔ بے آب و گیاہ پہاڑوں کا سلسلہ دور دور  
 اولاد تک پہنچا گیا ہے۔ سبزہ کا نام و نشان تک نہیں۔ اللہ کا خلیل اپنے تختِ حبسگر  
 حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جو ابھی والدہ کی گود میں ہیں ان کی والدہ حضرت ہاجرہ سمیت  
 اس وادی میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ حضرت ہاجرہ نے عرض کیا، حضور! یہ کس جرم کی سزا ہے؟  
 آپ ہیں اس وادی میں تنہا کس وجہ سے پیسکے جا رہے ہیں؟ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔  
 ہاجرہ بولی، کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ تو آپ نے فرمایا، ہاں۔ ہاجرہ بولی، پھر ہمیں کوئی غم  
 نہیں، اللہ ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔ کچھ دور جا کر خلیل علیہ السلام نے دونوں ہاتھ اللہ کی  
 بارگاہ میں اٹھا دیے اور عرض کیا،

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ خَيْرٌ مِنْ تَرْبِيعِ عَسَدٍ  
 بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً  
 مِنَ النَّاسِ تُهْوِي إِلَىٰ إِلِهِمُ وَإِذْ رَقِطَهُمْ مِنَ الشَّجَرَاتِ لَعَلَّهُمْ  
 يَشْكُرُونَ۔

”اے میرے رب! میں نے اپنی اولاد ایک وادی میں بسائی ہے جس میں  
 کھیتی نہیں ہوتی، تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے ہمارے رب!  
 اس لیے کہ وہ نماز قائم رکھیں تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے  
 اور پھل کھانے کو دے تاکہ وہ احسان مانیں۔“

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے یہ تین دعائیں کیں،



۱۔ انہیں نمازی رکھ۔

۲۔ لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے۔

۳۔ انہیں پھلوں کا رزق عطا فرما۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ آج تقریباً پانچ ہزار سال گزر چکے ہیں مگر ان دعاؤں کا اثر، اللہ اللہ! جو فروٹ دنیا کے کسی کو نے میں نہیں ملتا کہ شریف میں موجود ہے اور قلوب میں کہ کچھ چلے جا رہے ہیں۔

دعا بھی بہت بڑی عبادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے،  
**الدُّعَاءُ مُمْتَحِنُ الْعِبَادَةِ**۔ "دعا عبادت کا مٹنے ہے۔"  
 اللہ تعالیٰ ہر انسان کی پکار سنتا ہے۔ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے،

"أَجِيبْ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَا"

"ہر پکارنے والے کی پکار کا میں جواب دیتا ہوں۔"

بلکہ حدیث قدسی ہے کہ میرا بندہ مجھے ایک مرتبہ "یا اللہ" کہے تو میں ستر مرتبہ کہتا ہوں۔  
**كَيْتَبُكَ يَا عَبْدِي كَيْتَبُكَ يَا عَبْدِي**۔

"اے میرے بندے! میں موجود ہوں، میں تیری پکار سن رہا ہوں، مانگ  
 کیا مانگتا ہے؟"

جب آدمی اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرماتا ہے دیکھو یہ مجھے بلا رہا ہے  
 یہ سمجھتا ہے کہ میرے بغیر اس کا کوئی نہیں! میں ہی اس کی مشکلات کو دور کر نیوالا ہوں۔  
 میں ہی اس کی ہر آرزو پوری کر سکتا ہوں۔ اگر میں اس کی حاجت پوری نہ کروں تو یہ سمجھے گا  
 کہ میرا خدا کوئی نہیں، تو اس کی عرض پوری ہو جاتی ہے۔ البتہ اس کا نتیجہ کبھی اللہ تعالیٰ  
 جلدی ظاہر فرما دیتا ہے اور کبھی ذرا دیر میں۔ یہ تو عام لوگوں کی دعا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے  
 مقبول ہوتے ہیں ان کی دعا تو اللہ تعالیٰ کبھی رو نہیں فرماتا بلکہ انکی دعاؤں سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔  
 قاضی شمس اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر منظری  
 واقعہ ملا طاعن لاہوری میں لکھا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کے

دو صاحبزادے ملاطاف لاهوری کے پاس علم حاصل کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے  
لڑکوں کو فرمایا، تمہارا استاد شعی (بدنخت) ہے۔ اس کی پیشانی پر لکھا ہے کہ یہ شعی ہے۔  
صاحبزادوں نے عرض کیا، حضور! آپ مقبول بارگاہ الہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں  
دعا کیجئے تاکہ ہمارے استاد کی شقاوت سعادت میں بدل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا،  
اور ملاطاف لاهوری کی پیشانی پر شعی کے بجائے سعید ہو گیا۔ شقاوتیں سعادتوں میں بدل گئیں۔

مدینے کے گدا دیکھے ہیں دنیا کے امام اکثر

بدل دیتے ہیں تقدیریں محمد کے غلام اکثر

اس طرح کے ہزاروں نہیں لاکھوں واقعات ہیں۔ جب اولیاء اللہ کی دعاؤں کا

یہ عالم ہے تو انبیاء کی دعاؤں کی کیا شان ہوگی۔ آپ حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام  
کی دعا کا ہی نتیجہ دیکھیں اور پھر سید الانبیاء کی دعا کا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا

بڑھی شان سے جو دعائے محمد

مختصر سا کہانا اور پانی کب تک جاتا، ختم ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ نے

تو شہ ختم ہو گیا بچے کو پیار سے دیکھا تو جی بھر آیا۔ بچے کی پیاس دیکھی نہ گئی قریب

ایک پہاڑی پر گئی تاکہ کہیں پانی مل جائے، مگر بے سود، پانی نظر نہیں آیا۔ پھر واپس

بچے کے پاس آئی تو بچے کو پیاس کی شدت ہے۔ پھر دوسری پہاڑی پر چڑھی، مگر

وہاں بھی مقصد حاصل نہ ہوا۔ یہ دونوں پہاڑیاں جنہیں صفا اور مروہ کہا جاتا ہے ان کے

درمیان حضرت ہاجرہ سات مرتبہ دوڑیں۔ آخری مرتبہ جب بچے کے پاس آئی تو عجیب

منظر دیکھا، جہاں اس کی لڑیاں تھیں وہاں پر پانی کا ایک عصارہ شفاف چشمہ جاری ہے۔

اس پانی کے اچانک ظاہر ہونے سے حضرت ہاجرہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی فوراً اللہ تعالیٰ کا

شکر بجالائی۔ پھر خیال آیا کہ اب اس بڑھتے ہوئے پانی کو روکنا چاہیے۔ چنانچہ

حضرت ہاجرہ نے اس کے ارد گرد رکاوٹ بنائی۔ پانی کو روکتے ہوئے حضرت ہاجرہ

کہہ رہی تھیں شام، شام، شام۔ پھر اسے پانی! ٹھہر۔ یہی آبیہ زمزم ہے جسے آج

دنیا کے کروڑوں لوگ بطور تبرک پیتے اور لے جاتے ہیں۔ پانی نکالنے کے لیے یروب ویل لگا ہوا ہے۔ پانی پینے والوں کا اتنا ہجوم ہے کہ باری نہیں آتی مگر اس تبرک چشمہ سے مبارک پانی کبھی ختم نہیں ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ہاجرہ اس پانی کو زم زم نہ کہتی تو یہ پانی ساری کائنات کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی ہوتا۔ یہی صفا اور مروہ ہے جہاں حاجیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہی طریقہ اختیار کریں جو حضرت ہاجرہ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کی سنت کو ہمیشہ کے لیے باقی رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پہاڑیوں کو شعائر اللہ قرار دے دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ مِمَّنْ حَبَّ الْبَيْتِ  
أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ  
خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝

شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیاں، ان کی تعظیم کا حکم اللہ تعالیٰ دوسری آیہ کو یہاں فرماتا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ ۝

”جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں“

آج حاجیوں کا وہاں اس طرح دوڑنا ہاجرہ کی یاد ہے۔

آب زم زم بہنے لگا تو دور دور سے جنگل کے پرندے اس پر منڈلانے لگے۔ قافلہ ادھر سے ایک قافلہ کا گزر ہوا۔ یہ لوگ قبیلہ بنی جرہم سے تعلق رکھتے تھے۔ پرندوں کو دیکھ کر سمجھا کہ یہاں یقیناً کوئی چشمہ پھوٹ نکلا ہے۔ جب قریب آئے تو دیکھا کہ ایک عورت ہے اور اس کی گود میں ایک بچہ ہے۔ وہ جنگل، بچہ، عورت اور چشمہ دیکھ کر ششدر رہ گئے تو غیب سے آواز آئی: سہ

ندا آئی کہ اے جرہم کے بچہ بادیہ گردو ادب کی ہے جگہ بوڑھو، جوانو، عورتو، مردو یہ عورت اور اس کی گود میں بچہ جو لیٹا ہے یہ پیغمبر کی بیوی ہے وہ پیغمبر کا بیٹا ہے وہ قافلہ حضرت ہاجرہ سے اجازت لے کر وہیں مقیم ہو گیا۔



**قربانی** جب حضرت اسمعیل علیہ السلام عیدِ بلوغت کے قریب پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ کی قربانی طلب کر لی۔ تین دن مسلسل خراب آتے رہے۔ تیسری صبح آپ نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ میں اور بیٹا اسمعیل ایک دعوت پر جا رہے ہیں۔ لہذا آپ اسے تیار کریں۔ حضرت ہاجرہ نے اسمعیل علیہ السلام کو بہت اچھا لباس پہنایا اور تیار کر دیا۔ آپ نے چھری اور رتی لی اور جنگل کی طرف چل دیے۔ کعبہ شریف سے کچھ دور پہنچے تو شیطان نے آپ کو اس قربانی سے روکنا چاہا۔ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ کے پاس گیا اور کہا کہ آپ کو علم ہے کہ ابراہیم اسمعیل کو کہاں لے گئے ہیں؟ حضرت ہاجرہ نے کہا ہاں، ایک دعوت میں گئے ہیں۔ شیطان نے کہا، نہیں، ابراہیم اسمعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لے گئے ہیں۔ حضرت ہاجرہ نے کہا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کر سکتا ہے؟ شیطان نے کہا، ابراہیم کا خیال ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میری راہ میں اپنے بیٹے اسمعیل کو ذبح کر دو۔ حضرت ہاجرہ نے کہا، اگر پروردگار کا یہ حکم ہے تو میں کون ہوں جو اس قربانی کی راہ میں رکاوٹ بنوں۔ اللہ کے حکم پر تو ایک سو اسمعیل ہوں تو ایک ایک کر کے قربان کرتی چلی جاؤں۔

جب شیطان یہاں سے مایوس ہو گیا تو پھر حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ورغلانا چاہا۔ قریب جا کر کہنے لگا، تجھے تیرے والد ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں، حضرت اسمعیل علیہ السلام نے فرمایا، کیوں؟ شیطان نے کہا، وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسمعیل علیہ السلام نے فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ میری جان کی قربانی قبول فرمائے تو میں بھی کہوں گا، ہاں۔

جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ شیطان نے ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح ابراہیم علیہ السلام اس قربانی سے روک جائیں۔ مگر اللہ کے خلیل کے عزم کے سامنے بے بس ہو گیا۔ ایک پہاڑ کے قریب لے جا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسمعیل علیہ السلام

سے کہا،

يَبْنِيَّ اِنِّيْ اَرَىٰ فِي الْمَنَامِ اِنِّيْ اَذُبُحُكَ فَاَنْظُرْ مَاذَا تَرَىٰ-

”اے میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں،  
بتا تیری کیا مرضی ہے؟“

سعادت مند بیٹے نے جواب دیا:

يَا بَتِّ افْعَلْ مَا تَوْمَرُ سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ-

”اے ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے بلا خوف و خطر پورا فرمائیے، مجھے  
آپ ان شاء اللہ صبر کرنے والا پائیں گے۔“

آپ اس عاجز کو صابر پاؤ گے  
سرخرو پیشِ خدا تم جاؤ گے

ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں: ۷

یہ فیضانِ نظر تھا یا کائنات کی کرامت تھی

سکھائے کس نے اسمعیل کو آدابِ فرزندِ نبی

اب پھر ابلیس نے کوشش شروع کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہنے لگا: آپ کیا  
غضب کر رہے ہیں۔ ایک خواب کو حقیقت سمجھ لیا ہے اور بیٹے کو ذبح کرنے پر تیار ہو گئے۔  
آپ نے فرمایا: اے طعون! مجھ پر تیرا داؤ نہیں چل سکتا۔ میرا خواب شیطانِ نہیں رحمانی ہے۔  
نبی کا خواب وحی الہی ہوتا ہے، میں اللہ کے حکم سے ہرگز منہ نہیں موڑوں گا۔ شیطان نے ہر  
طرف سے مایوس ہو کر سرپیٹ لیا ہائے! اب کیا ہو گا۔

جب باپ اور بیٹا دونوں رضائے الہی پر راضی ہو گئے تو باپ نے بیٹے کو زمین پر  
جبین کے بل لٹا دیا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:  
فَلَمَّا اسْلَمْنَا وَ تَلَّكَ لِلْجَبِيْنِ-

”جب دونوں تیار ہو گئے تو باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔“  
پھری چلانے سے پہلے بیٹے نے کہا: ابا جان! میری تین باتیں قبول فرمائیں۔

پہلی یہ کہ میرے ہاتھ پاؤں رتی سے باندھ دیں تاکہ تڑپنے سے خون کا کوئی چھینٹا آپ کے لباس پر نہ پڑ جائے۔ دوسری یہ کہ اپنی آنکھوں پر پتی باندھ لیجئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اتھ میری محبت کی وجہ سے رک جائے۔ اور تیسری بات یہ کہ میرا خون آلود کرتے میری والدہ کے پاس پہنچا دیجئے وہ اسے دیکھ کر اپنے دل کو تسلی دے لیا کریگی۔

باپ نے بیٹے کے گلے پر چھری رکھ دی۔ تسلیم و رضا کا یہ منظر آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا ہوگا۔ تیز چھری اسمعیل علیہ السلام کے گلے پر پہنچ کر گند ہو گئی۔ دوسرے ایسا ہی ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسے ایک پتھر پر دے مارا۔ پتھر کو چھری نے دو ٹکڑے کر دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے چھری سے کہا تو نے پتھر جیسی سخت چیز کو دو ٹکڑے کر دیا ہے مگر اسمعیل کا گلہ ریشم سے بھی نرم تھا۔ چھری نے کہا:

الْخَلِيلُ يَا مُرْنِي بِالْقَطْعِ وَالْجَلِيلُ يَنْهَانِي۔

”خیل کتاب ہے کاٹ مگر جلیل کتاب ہے خردوار جو اسمعیل کا بال بھی بیکا کیا۔“

جب خلیل خود جلیل کا حکم مان کر لٹائے بیٹھا ہے تو میں کیسے انکار کر سکتی ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں قربان کرنے کے لیے اور میرا بیٹا قربان ہونے کے لیے تیار ہے تو تو کیوں رکاوٹ بنتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے پھر چھری اٹھائی۔ چھری کے اسمعیل علیہ السلام کے گلے پر پہنچنے سے پہلے پہلے جنت سے حضرت جبریل ایک مینڈھالے آئے اس کو نیچے رکھ دیا اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کو اٹھایا۔ مینڈھالے ہو گیا تو آواز آئی:

وَقَدْ يَنْتَهُ أَنْ يَأْتِ بِهِمْ قَدْ صَدَّقْتُ الرُّؤْيَا إِنَّا كُنَّا لَكَ تَجْوِي  
الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَقَدْ يَنْتَهُ  
بِذَّبِ عَظِيمٌ ۝ وَتَوَكَّنَا عَلَيْكَ فِي الْآخِرِينَ ۝

”اور ہم نے پکارا اے ابراہیم! تو نے خواب سچا کر دکھایا ہم نیکوں کو یوں ہی جزا دیتے ہیں۔ بے شک یہ صاف آزمائش ہے ہم نے اس کا فدیہ فوج عظیم کے ساتھ کر دیا اور اسے بعد والوں میں باقی رکھا۔“

ابراہیم علیہ السلام کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اسے یادگار کے طور پر



قیامت تک باقی رکھا۔ اب ہر سال اس یاد کو تازہ کیا جاتا ہے۔

**جبریل** حضرت جبریل سدرہ سے جنت گئے اور وہاں سے سینڈھالیا اور ابھی چھری لے دو فٹ کا فاصلہ بھی طے نہ کیا تھا کہ جبریل زمین پر پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ جبریل کی رفتار پرواز بہت تیز ہے۔ علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اور علامہ عینی نے عینی شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت فرمایا کہ ٹوٹنے کبھی اپنی پوری قوت بھی صرف کی ہے؟ جبریل نے عرض کیا، چار مرتبہ میں نے پوری قوت صرف کی ہے،

○ پہلی بار — جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو منجنیق میں رکھ کر آگ میں پھینکا جا رہا تھا، آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ پھر اللہ کے خلیل آگ کی طرف جا رہے تھے، میں مقام سدرہ پر بیٹھا تھا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جبریل! جلدی پرواز کر میرا خلیل آگ میں جا رہا ہے آگ کو پر مار کر گلزار بنا دے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میں نے سدرہ سے پرواز کی اور خلیل اللہ علیہ السلام کے آگے میں پہنچنے سے پہلے پہنچ گیا اور آگ کو گلزار بنا دیا۔

○ دوسری بار — میں سدرہ پر تھا، چھری حضرت اسمعیل علیہ السلام کے گلے کی طرف آ رہی تھی اس نے صرف دو فٹ کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اس کے اس دو فٹ کے فاصلے کو طے کرنے سے پہلے میں جنت سے سینڈھالے کر پہنچ گیا۔

○ تیسری بار — حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالا جا رہا تھا۔ والد کا پناہ ہوا لباس اتار دیا گیا، کھانا پھینک دیا گیا، بازو میں رستی باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا گیا۔ آہستہ آہستہ پانی کی سطح قریب آ رہی تھی، ایک بھائی نے تلوار مار کر رستی کاٹ دی، نصف راستہ طے ہو چکا تھا اور نصف باقی تھا۔ رستی کاٹ دی گئی اور میں سدرہ پر بیٹھا تھا۔ حکم ہوا: جبریل! جلدی جنت جا اور یوسف علیہ السلام کے پانی پر پہنچنے سے پہلے پہلے جنتی تخت لے جا کر پانی پر بچھا دے۔ میں نے اپنی قوت صرف کر دی۔ سدرہ سے جنت گیا اور وہاں سے تخت اٹھا کر زمین کی طرف آیا اور ابھی یوسف علیہ السلام

پانی پر نہیں پہنچے تھے کہ میں پہلے پہنچ گیا۔

○ چوتھی بار — غزوہ اُحد میں آپ کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ خونِ پاک کا قطرہ زمین کی طرف جا رہا تھا۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا: اے جبریل! اگر میرے محبوب کے خونِ پاک کا قطرہ زمین پر گر گیا تو زمین جل کر راکھ ہو جائے گی، جا اور اٹھا کر میرے پاس لے آ۔ جبریل نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ کے مقدس خون کے زمین پر گرنے سے پہلے پہلے میں سدرہ سے پہنچ گیا۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل علیہ السلام بہت بڑی قوت و طاقت کے مالک ہیں۔  
اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ۱۰

سدرہ سے تازہ میں جسے نرم سی اک اڑان ہے

ایک نکتہ آپ اندازہ فرمائیں کہ اتنی بڑی طاقت والا فرشتہ جس کی پرواز کا یہ عالم ہو کہ سدرہ سے زمین پر پہنچنے میں ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت لگے۔ یہ فرشتہ معراج کی رات حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں چوم رہا تھا اور حضور کی بارگاہ میں بحیثیت خادم موجود تھا۔ جب پاؤں چومنے والا اتنی جلدی آسکتا ہے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج سے واپس آجانا اتنی جلدی کہ زنجیر بھی مٹتی رہے، پانی بھی چلتا رہے اور بستر بھی گرم رہے، کون سی بڑی بات ہے۔

آج عالم کے گوشے گوشے میں ہر سال ماہِ ذوالحجہ کی دس تاریخ کو اس عظیم یادگار عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔  
علامہ اقبال فرماتے ہیں: ۱۱

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم  
نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمعیل

ارشادِ الہی ہے:

وَتَرْكُنَا عَلَيْكَ فِي الْآخِرِينَ۔

”اللہ ہم نے اسے بعد میں آنے والوں کے لیے قائم رکھا۔“

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود دو مینڈھے زیب فرما کر اس یادگار کو دوام بخش دیا۔  
اب اس عمل میں سنت ابراہیم اور سنت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کی ادائیگی ہے۔  
سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلہ میں مکہ مکرمہ کا قصد فرمایا۔  
خطبہ وداع کی نویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد وادی میں اترے  
پھر اونٹنی پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ ایک لاکھ اور پچیس ہزار کا عظیم الشان اجتماع ہمدن گوش  
تھا۔ اس خطبے کے بعض حصے پیش خدمت ہیں:

”لوگو! تمہیں عنقریب خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے وہ تم سے تمہارے  
اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔“

”لوگو! میں خیال کرتا ہوں کہ میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ  
ہوں گے۔ مسلمانوں کی جان، مال اور آبرو ایک دوسرے پر اسی طرح  
حرام ہے جس طرح آج کے دن اس شہر کی، اس مہینہ کی تم حرمت  
کرتے ہو۔“

مخبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔  
جاہلیت کی ہر بات کو میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں۔ جاہلیت کے  
قتل و غزیرہ کی تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں۔ پہلا خون میرے خاندان  
کا ہے یعنی ابن ربیعہ ابن عاتکہ کا خون جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا اور  
مزیل نے اسے مار ڈالا تھا میں چھوڑتا ہوں، جاہلیت کے زمانے کا سود  
ملیا میٹ کر دیا گیا۔ پہلا سود اپنے خاندان کا جو میں مٹاتا ہوں۔ عباس  
بن عبدالمطلب کا ہے وہ سارے کا سارا چھوڑ دیا گیا۔“

”سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھو، اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت  
خوش دلی کے ساتھ دیا کرو، خانہ خدا کاج بجالاؤ، اور جو تم میں صاحبِ امر  
ہوں ان کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی جنت  
نصیب ہوگی۔“



”لوگو! قیامت کے دن تم سے اللہ تعالیٰ میری بابت پوچھے گا، بتاؤ تم کیا جواب دو گے، سب نے بیک آواز کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ نے رسالت کا حق ادا کر دیا، کھوٹے اور کھرے کی پہچان کرادی۔ اس وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا یا اللہ! یہ تیرے بندے گواہی دیتے ہیں کہ میں نے تیرے احکامات کو پہنچا دیا ہے، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب باتیں ان لوگوں کو پہنچا دو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ ابھی آپ خطبے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر حاضر ہوئے۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا  
 ”آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اتم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا۔“  
 واپسی کے وقت یہ دعا فرمائی:

اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْهُ آخِرَ الْعَهْدِ مِنْ بَيْتِكَ الْحَرَامِ وَلَا تَجْعَلْهُ قَعْوَضٍ مِنْهُ الْجَنَّةِ أَيُّونَ تَأْيُومُونَ عَارِدُونَ لِزَيْتِنَا لِلرَّحْمَةِ قَاصِدُونَ صَدَقَ اللَّهُ وَعْدُهُ وَلَصَرَ عَبْدُهُ وَهَزَمَ الْأَخْزَابَ وَحْدَهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ ○

”اے اللہ! میرے اس حج کو آخری زیارت گاہ نہ بنا، اپنے گھر کی جو حرمت والا ہے، اور اگر تو اس کو آخری زیارت گاہ بنائے تو اس کا بدلہ جنت عطا فرما، ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنیوالے، اپنے رب کی حمد کرنے والے، اس کی رحمت کا قصد کرنیوالے ہیں، سچ کر دکھایا اللہ نے اپنا وعدہ، ادا دئی اللہ نے اپنے محبوبِ مکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو، اور شکست دی کفار کے لشکر کو۔

یہ خطبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر دیا۔ اس حج کے موقع پر ایک جم غفیر مدینہ طیبہ سے حضور علیہ السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ آیا تھا۔ آپ نے وادی طوی میں قیام فرمایا۔ آپ مکہ مکرمہ میں وداع کی پانچ تاریخ کو تشریف لائے۔ جب سب سے پہلی نظر کعبہ شریف پر پڑی تو یہ فرمایا،

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَهِنَكَ السَّلَامُ وَادْخِلْنَا  
دَارَ السَّلَامِ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ  
اَللّٰهُمَّ رِزْ دُ بَيْتِكَ هَذَا تَعْظِيْمًا وَتَشْرِيفًا وَتَكْرِیْمًا  
وَبَرًّا

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طواف مسجد حرام میں داخل ہوتے ہی اپنے  
کے قریب پہنچے تو یہ دعا فرمائی،

رَبَّنَا اِنْتَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةٌ وَقِنَا  
عَذَابَ النَّارِ ۝

پہلے تین چکروں میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی اور چھوٹے چھوٹے  
قدم سے چلتے تھے یعنی رُمل فرمایا اور چار درمبارک گودائیں بغل کے نیچے سے نکال کر  
بائیں کندھے پر ڈال لیا۔ صرف تین چکروں میں ایسا کیا۔ باقی چار چکر عام چلنے کی صورت  
میں فرمائے۔ جب حجر اسود کے سامنے تشریف لائے تو اس کو بچوم لیتے۔

آج یہی طریقہ رائج ہے اگر اس کے خلاف کرے تو طواف نہیں ہوگا کیونکہ اس نے  
حضور علیہ السلام کا خلاف کیا۔ اسی طوافِ قدوم میں تین چکروں میں اسی طرح چلا جائے گا  
اگرچہ اس طرح جس سبب سے چلا گیا تھا وہ آج نہیں پایا جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب  
کا طریقہ اسی طرح قائم فرمادیا۔ صفا و مروہ کے درمیان سہی کا بھی یہی عالم ہے۔ آج مکہ مکرمہ  
میں پانی کی بہتات ہے مگر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ نے اسی طرح

قائم رکھا ہے اگر اس طرح سعی نہ کی جائے تو سعی ۱ ہوگی۔

مقامِ ابراہیم علیہ السلام طواف سے فارغ ہو کر سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم  
مقامِ ابراہیم علیہ السلام کے پاس تشریف لائے۔  
زبانِ مبارک پر یہ آیت تھی:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اور ابراہیم علیہ السلام کی جگہ نماز پڑھو۔

آپ نے وہاں دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ پہلی رکعت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ  
اور دوسری رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد پھر حجرِ اسود  
کو بوسہ دیا۔

مقامِ ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر  
کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی تھی۔

ارشادِ الہی ہوتا ہے:

وَرَاٰ ذِيْزَفَرٍ رَّابُّهُمْ اَلْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمَاعِيْلُ

”جب ابراہیم و اسماعیل کعبہ کی دیواریں بلند کر رہے تھے“

جس پتھر پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام پتھر لگا رہے تھے جوں جوں دیوار بلند  
ہوتی گئی وہ پتھر بھی بلند ہوتا گیا اور چاروں طرف پھرتا رہا۔ وہ پتھر کعبہ شریف کے  
سامنے رکھا ہوا ہے۔ طواف کے بعد اس جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل  
ادا فرمائے۔

اس سے فارغ ہو کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا و مروہ کے درمیان  
سعی سعی فرمائی۔ یعنی حضرت ہاجرہ کے عمل کو قیامت تک کے لیے تابندگی  
بخش دی گئی۔ جب صفا و مروہ کی دونوں پہاڑیوں کی چوٹی پر پہنچے تو یہ فرمایا:  
لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهٗ



الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
أَنْجَزَ وَعَدَهُ ۖ وَنَصَرَ عَبْدَهُ ۖ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ ۖ

یہ عمل آپ نے آتے ہی ادا فرمائے۔ گویا کعبۃ اللہ میں داخل ہوتے ہی ان کا ادا کرنا  
ضروری ہے طواف اور سعی۔

ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح طلوع آفتاب کے  
منیٰ کو روانگی بعد منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں پانچ نمازیں ادا فرمائیں، ظہر،  
عصر، مغرب، عشا اور فجر۔

ذوالحجہ کی نو تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد آپ منیٰ سے عرفات پہنچے۔  
عرفات مکہ شریف سے منیٰ ۵ اور عرفات ۱۲ کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے راستے  
میں منیٰ سے دو میل آگے یعنی مکہ سے ۷ میل کے فاصلے پر مزدلفہ ہے، عرفات میں قیام کا  
نام حج ہے یعنی عرفات میں قیام حج کا رکن اعظم ہے اگر یہاں قیام نہ ہوگا تو حج ادا  
نہیں ہوگا اس عظیم میدان میں حضور علیہ السلام نے مسجد نمرہ کے پاس قیام فرمایا۔ یہیں  
سرور عالم نے وہ تاریخی اور عظیم الشان خطبہ دیا جو پچھلے اوراق میں درج ہو چکا ہے۔ یہ خطبہ  
دیتے وقت آپ قصویٰ نامی ایک اونٹنی پر سوار تھے۔

خطبہ دینے کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اذان پڑھو۔ حضرت بلال  
رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی تو حضور نے نماز ظہر اور عصر دونوں ملا کر پڑھائیں۔ پھر آپ نے  
نہایت تضرع اور انکساری سے دعا فرمائی۔ یہ دعا اتنی طویل تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔

غروب آفتاب کے بعد آپ پھر اونٹنی پر سوار ہوئے اور واپس  
مزدلفہ کو روانگی مزدلفہ تشریف لائے اور مغرب اور عشاء ملا کر پڑھیں۔ صبح کی

نماز اول وقت میں ادا فرمائی اور مشعر الحرام کے پاس آکر دعا فرمائی، حتیٰ کہ سورج مٹکنے  
کے قریب ہو گیا۔ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ کنکریاں چُن لو اس  
نے سات کنکریاں حضور کی خدمت میں پیش کیں۔



واپس منی میں پہنچے تو نشیب میں حجرۃ العقبیٰ کو کنکرا مارنے کے لیے منی کو واپسی قیام فرمایا اور ایک ایک کر کے کنکریاں پھینکیں۔ ہر کنکری مارتے وقت بجیر پڑتے۔ حضرت اسامہ بن زید اور حضرت بلال سے جو قریب حاضر تھے فرمایا: سیکھ لو شاید آئندہ سال میں حج نہ کر سکو۔ یہاں حضور علیہ السلام نے پھر ایک مرتبہ خطبہ دیا جس میں قربانی کے فضائل اور طریقہ بیان فرمایا، ارشاد فرمایا:

”لوگو! میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ جاؤ۔ جان لو کہ جو شخص گناہ کرتا ہے اس کی جواب دہی اس کے ذمے ہے۔ جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ ان لوگوں کو احکام بتائیں جو حاضر نہیں ہیں۔“

**قربانی** پھر آپ پہاڑ کے دامن میں تشریف لائے اور قربانی فرمائی۔ تریسٹھ اونٹ حاضر تھے۔ حضرت علی سے فرمایا کہ کھال اور گوشت مساکین میں تقسیم کر دو۔ پھر حجامت بنوائی۔

صحابہ کا عشق اس وقت یہ عالم تھا کہ صحابہ کا بہت بڑا اجتماع تھا اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور علیہ السلام کے مبارک بالوں کا تبرک مجھے حاصل ہو۔ ایک ایک بال پر مشکل صحابہ کے حصے میں آیا۔ یہ صحابہ کی محبت تھی۔ حدیث پاک میں آتا ہے جب کبھی بھی حضور علیہ السلام وضو فرمایا کرتے تو صحابہ اس پانی کو زمین پر گرنے نہ دیتے جو آپ کے جسم پاک کے ساتھ مس کر کے نیچے آ رہا ہوتا۔ حضرت محمد بن عبد اللہ جنہیں حجامت بنانے کی سعادت حاصل ہوئی تھی پھولے نہیں سماتے تھے اور ہر ایک سے مبارک وصول کر رہے تھے۔

یہاں سے فارغ ہو کر آپ واپس کعبۃ اللہ آئے اور طواف کعبہ میں واپسی فرمایا۔ اس کے بعد چاہ زمزم پر تشریف لائے اور پانی نوش فرمایا کھڑے ہو کر قبلہ کی طرف توجہ فرما کر۔ حضرت عباس کی اولاد پانی کھینچتی تھی۔ آپ نے فرمایا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ لوگوں میں ہجوم بہت ہو جائے گا تو میں خود ڈول کھینچتا۔

منیٰ کو دوبارہ روانگی۔ پھر اسی وقت منیٰ کو تشریف لے گئے اور رات کو منیٰ میں قیام  
منیٰ کو دوبارہ روانگی فرمایا۔ صبح اٹھ کر زوال سے پہلے جمرہ اولیٰ، جمرہ وسطیٰ اور پھر  
جرمہ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔ یہ تو نہیں تین دن تک عمل فرمایا۔

پھر مکہ تشریف کو واپس آئے اور طواف وداع فرمایا اور اس طواف میں  
مکہ کو واپسی رمل نہیں فرمایا یعنی تین پہلے چکروں میں جلدی جلدی اور چھوٹے چھوٹے  
قدم نہیں اٹھائے۔ پھر صبح کی نماز کعبۃ اللہ میں ادا فرما کر واپس مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا۔  
سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج فرمانے کا واقعہ مفصل طور پر اس لیے بیان  
کیا گیا ہے کہ حج کا طریقہ مسلمانوں پر واضح ہو جائے اور وہ اسی طریقہ پر عمل کریں جسے خود  
سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی  
حَبِیْبِهِ وَ اٰلِهِ وَ اَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ ۝

تمت بالخیر



